کسر الصلیب

عیسیٰ ابن مریم وابن مریم کی مثل عیسیٰ یعنی عیسیٰ ابن مریم اور احمد عیسیٰ

خودکوامت محمد یاامت مسلمہ کہلوانے والوں کی اکثریت کا نہ صرف کہنا ہے بلکہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جنہیں بنی اسرائیل کے آخر میں ان کی طرف بھیجا گیا تھا ان کی ابھی تک موت نہیں ہوئی وہ زندہ ہیں۔ کائنات الگ ہے اور اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اور عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمانوں میں اللہ کے پاس موجود ہیں اللہ انہیں الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ دنیا میں بھیجے گا یوں عیسیٰ ابن مریم الساعت سے قبل زندہ آسمان سے نیچے اتریں گے۔ یہ عقیدہ ونظریہ اس قدر شدت کیساتھ پایا جاتا ہے کہ جو بھی اس عقیدے سے انحراف کرے اسے مرتد تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہ بھی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے یعنی کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی اس عقیدے کے خلاف کوئی بات کرے یہاں تک کہ اس عقیدے کے خلاف سوچنا بھی کفر۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے جو آج تک کہا جاتا رہا اور زبان زد عام ہے؟ جو اکثریت کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمان پر اللہ کے پاس موجود ہیں اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ آسمان سے نیچے اتریں گے؟

اگر آپ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے عقل کا استعمال کیے اپنے آباؤاجداد اور ملاّؤں کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنے وجود کے قائل ہیں کہ آپ کا اپنا بھی وجود ہے آپ خود بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں آپ میں بھی دماغ ہے عقل ہے آپ میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں ہیں اور نہ صرف آپ سن اور دیکھ سکتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی آپ کو دی گئی اس لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح اور غلط کیا ہے یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ کو بالکل غیر جانبدار ہو کر میری بات کو سننا ہوگا اور پڑھنا ہوگا حق ہر لحاظ سے آپ پر کھل کر واضح ہو جائے گا یہاں تک کہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس موضوع پر اپنا شکار نہیں کر سکے گی اور نہ ہی اس موضوع پر آپ کا کوئی مقابلہ یا رد کر سکے گا اور اگر آپ حق کے طلب گار نہیں، بندر اور خنزیر ہونے کا ہی ثبوت دیتے ہیں، اندھے کے اندھے ہی رہنا پسند کرتے ہیں کہ غور وفکر کرنے سوچنے سمجھنے کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے آباؤاجداد، ملاّؤں اور اکثریت کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں اپنی خواہشات کی ہی اتباع کرنا چاہتے ہیں تو حق آپ پر اس قدر واضح ہو جائے گا کہ اگر آپ اس کا انکار کریں گے تو آپ کو خود بھی علم ہوگا کہ آپ بے بنیاد اور باطل ہیں آپ پر حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا جس کا آپ چاہ کر بھی کسی بھی صورت رد نہیں کر سکتے اور اگر آج حق کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ پر حجت ہو چکی کل کو آپ کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ نہیں ہوگا آپ ہر لحاظ سے دنیا وآخرت میں ہلاک ہی ہوں گے آپ کو کوئی ہلاکت سے نہیں بچا سکتا۔

عیسیٰ ابن مریم نہ صرف زندہ ہے اس کی موت نہیں ہوئی بلکہ اللہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اپنی طرف اٹھالیا یوں عیسیٰ ابن مریم اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور الساعت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئے گا یعنی آسمان سے نیچے زمین پر اترے گا اس عقیدے کی حقیقت کیا ہے اسے ہر لحاظ سے کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں، حق اس قدر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ چاہ کر بھی اس کا انکار نہیں کر سکیں گے۔

مسلمان قوم کی اکثریت جن کا یہ عقیدہ ہے وہ اسے محمد علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں کہ خود محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھالیا اور وہ الساعت سے پہلے دوبارہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ عیسائیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھالیا اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے آسمان سے زمین پر اتریں گے۔

اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے اخذ کیا تو پھر عیسائیوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آگیا؟ کیا عیسائیوں نے بھی محمد علیہ

السلام سے اخذ کیا؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ نہیں بلکہ مسلمانوں میں تو بعد میں یہ عقیدہ داخل ہوا مسلمانوں سے پہلے عیسائیوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا اور آج تک پایا جاتا ہے۔ عیسائی مسلمانوں سے بہت پہلے سے ہی عیسیٰ ابن مریم کی دوبارہ واپسی کا انتظار کر رہے ہیں جس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں سے پہلے یہ عقیدہ عیسائیوں میں پایا جاتا تھا۔

اب جب کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں سے پہلے سے ہی یہ عقیدہ چلا آ رہا تھا تو پھر یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا اور اگر عیسائیوں کی بجائے محمد سے اخذ کیا تو پھر محمد نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا تھا اور اگر محمد نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ نہیں کیا تو پھر اس بات کو دنیا کی کوئی طاقت رد نہیں کر سکتی کہ اگر محمد نے خود ایسا کہا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا اور الساعت سے پہلے دوبارہ نازل کرے گا تو محمد نے ایسا کہہ کر عیسائیوں کے اس عقیدے کی تائید و تصدیق کی کہ عیسائی اپنے اس عقیدے میں سچے ہیں عیسائی اس معاملے میں حق پر ہیں۔

مسلمانوں کا تو دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ عقیدہ محمد سے اخذ کیا لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسلمان نامی قوم اپنے اس دعویٰ میں سچی ہے؟ کیا محمد علیہ السلام نے ایسا کہہ کر عیسائیوں کی تائید و تصدیق کی؟ جب اللہ سے یہ سوال کیا جائے تو دیکھیں اللہ قرآن میں اس سوال کا کیا جواب دیتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. آل عمران ۱۶۴

لَقَدْ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کرو اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاؤ اپنی تمام تر تحقیق کر لو جو بھی حق کا دعویدار ہے اس کی بات سنو بالآخر تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہی حق ہے وہ قدر میں کر دیا گیا مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ جو اللہ ہے مومنین پر اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ تب بعث کرتا ہے انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑا کرتا ہے ان میں رسول انہی میں سے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جب اللہ رسول بعث کرتا ہے تو وہ کیا کر رہا ہوتا ہے؟ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ تلاوہ کر رہا ہے ان پر اس کی آیات کی یعنی ان پر اللہ کی آیات کو پوری ترتیب کیساتھ کھول کھول کر واضح کرتا ہے وَ یُزَکِّیْھِمْ اور ان کا تزکیہ ہو رہا ہے یعنی ان کو ہر لحاظ سے پاک صاف کر رہا ہے انہیں خالص اللہ کا غلام بنا رہا ہے ان کے اجسام ان کی توجہ ان کو ہر لحاظ سے پاک صاف بنا رہا ہے خالص کر رہا ہے وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ اور سکھا رہا ہے الکتاب یعنی علم دے رہا ہے جو الکتاب تھی اس کا وَالْحِکْمَۃَ اور حکمت یعنی اس علم کا صحیح استعمال سکھا رہا ہے کہ علم کو کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کرنا ہے کہ بہترین طریقے سے مقصد پورا ہو سکے یعنی جو بھی کام کرنا ہے تو کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا کرنا ہے وغیرہ ان تمام سوالات کے جوابات، علم کا بہترین استعمال کرنا سکھا رہا ہے وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اگر جو طے کر دیا گیا جو قدر میں کر دیا گیا کہ ہو رہے ہیں اس سے پہلے ان کے لیے جو تھا وہ تھے ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں نور کی ہدایت کی ایک کرن بھی نہیں یعنی اگر نور کی ایک کرن بھی ہو گی تو وہ رسول کو بعث نہیں کرتا اللہ نے یہ بات قدر میں کر دی اللہ نے قانون بنا دیا یہ اللہ کا قانون ہے کہ وہ صرف اور صرف تب ہی رسول کو بعث کرتا ہے اور بعث کرے گا جب امیّن ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو ہدایت کی ایک کرن بھی نہ ہو۔

سورۃ آل عمران کی اس آیت میں اللہ نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ اللہ کے بعث کردہ رسول کی پہچان کیا ہے بلکہ یہ بات بھی بالکل کھول کر واضح کر دی کہ اللہ نے ایک قانون بنا دیا ہے قدر میں ایسا کر دیا ہے کہ جب جب امیّن ضلالٍ مبینٍ میں ہوں گے یعنی سو فیصد گمراہیوں میں ہوں گے نور کی ایک کرن بھی نہیں ہو گی تب تب جو اللہ پر ذمہ داری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ مومنین پر احسان کرے اور وہ احسان یہ ہے کہ انہیں ضلالٍ مبین یعنی سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیوں میں ہوں تو انہیں گمراہیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور اس مقصد کے لیے اللہ انہی میں سے ان میں ایک رسول بعث کرے جو انہیں ضلالٍ مبینٍ سے نکال کر نور کی طرف لے جائے، ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دے۔

جب بھی دنیا میں امیّن ضلالٍ مبینٍ یعنی سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوں گے نور کی، ہدایت کی ایک کرن بھی نہیں ہو گی تو انہی میں سے ان میں اپنا ایک رسول بعث کرے گا لیکن اگر نور کی ایک کرن بھی ہو گی تو اللہ رسول بعث نہیں کرے گا اور یہی اللہ نے سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر دو میں بھی واضح کر دیا۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ

اس آیت کے شروع میں وہی بات کی گئی جو پچھلی آیت میں کہی گئی اور اس آیت کے آخر میں بھی وہی شرط واضح کی کہ یہ اللہ کا قانون ہے اللہ نے یہ قدر میں کر دیا جو کہ ہو کر رہے گا اور اس کے خلاف یا اس کے برعکس ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر اس سے پہلے ضلالٍ مبینٍ یعنی سو فیصد گمراہیوں میں ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہے ہدایت بالکل نہیں ہے تب ہی اللہ رسول بعث کرتا ہے اور اگر نور کی ایک بھی کرن ہو گی تو اللہ رسول بعث نہیں کرتا یہ اللہ نے قدر میں کر دیا۔

اب جبکہ یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ اللہ کا یہ قانون ہے، اللہ نے یہ قدر میں کر دیا کہ اللہ تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب اس سے پہلے امیّن ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی ہدایت کا کسی کو علم ہی نہیں ہوتا کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی حق پر رہتا ہے تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ جب محمد علیہ السلام کو اللہ نے بعث کیا تو محمد کی بعثت سے قبل مشرکین عرب، یہودی اور عیسائی وغیرہ حق پر ہوں یا کسی ایک بھی معاملے، موضوع یا مسئلے میں وہ حق پر ہوں انہیں حق کا علم ہو؟ ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ رسول کو بعث کرے اور رسول کی بعثت سے قبل حق موجود ہو اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے ہر رسول کو یہی کہا گیا کہ یہ ایک نیا دین لے آیا ہے ایسا دین کے جس کے بارے میں نہ ہم نے کبھی سنا اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد نے۔

ظاہر ہے جب اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ وہ رسول کو صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب وہ لوگ جن میں رسول بعث کیا جاتا ہے وہ ضلالٍ مبینٍ ہوں یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو تو جب رسول آئے گا تو اس سے پہلے جو کچھ بھی دین کے نام پر کیا جا رہا ہو گا وہ اس کی تائید و تصدیق نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ بھی اس کی بعثت سے پہلے ہو رہا ہو گا وہ سب کا سب گمراہیاں ہوں گی جہالت ہو گی جس کا حق کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہو گا اس لیے وہ اس سب پر کراس لگا دے گا اس پر لکیر پھیر دے گا اسے گند کے ڈھیر پر پھینک دے گا اور جیسے صفر سے شروع کیا جاتا ہے اس طرح شروع سے سب کچھ کھول کھول کر واضح کرے گا حالانکہ رسول کی بعثت سے پہلے ہر کسی کا یہی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور جیسے ہی رسول بعث ہوتا ہے تو اکثریت اس کی دشمن بن جاتی ہے اور یہی کہتی ہے کہ یہ ایک نیا دین لیکر آ گیا۔

اب جب کہ آپ پر یہ بات مکمل طور پر کھل کر واضح ہو چکی ہے کہ رسول کی بعثت سے پہلے رائی برابر بھی حق موجود نہیں ہوتا تو پھر محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کیا عیسائی اتنے بڑے اور اہم ترین معاملے میں حق پر تھے؟ عیسائیوں کا عقیدہ و نظریہ تھا کہ اللہ اوپر آسمانوں میں ہے اور اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں میں اٹھا لیا اور الساعت کے قیام سے پہلے عیسیٰ ابن مریم دوبارہ آسمانوں سے زمین پر اتریں گے۔

کیا اللہ نے اپنے قانون کے خلاف رسول بعث کر دیا؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ جو اللہ نے قدر میں ہی نہیں کیا وہ ہو جائے؟ کیا اللہ نے خود ہی قدر کے خلاف کر دیا اپنے قانون کے خلاف کر دیا؟ جو کہ ممکن ہی نہیں۔ جب اللہ نے دو ٹوک یہ بات واضح کر دی کہ اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب سو فیصد گمراہیاں ہوں گی نور کی ایک کرن بھی نہیں ہو گی کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہو گا اور نہ ہی کوئی حق پر ہو گا تو پھر ایسا ممکن ہی نہیں کہ محمد کی بعثت سے پہلے عیسائی عیسیٰ ابن مریم کے معاملے میں اپنے عقیدے میں سچے تھے حق پر تھے۔

اور اگر اس کے باوجود یہ بات مان لی جائے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ حق تھا تو پھر محمد اللہ کا رسول تھا ہی نہیں کیونکہ اللہ رسول بعث ہی تب کرتا ہے جب سو فیصد جہالت ہو ظلمات ہوں ضلالٍ مبینٍ ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو اور جب محمد کی بعثت ہوئی تب اس کے بالکل برعکس نور موجود تھا عیسائی اتنے اہم موضوع کے حوالے سے حق پر تھے تو پھر محمد کسی بھی صورت اللہ کا رسول نہیں تھا۔

اور اگر محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر اللہ نے محمد کو اس وقت بعث کیا جب نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی عیسائی اپنے اس عقیدے میں حق پر نہیں تھے عیسائی کسی بھی لحاظ سے حق پر نہیں تھے بلکہ اس وقت جو بھی انسان زمین پر موجود تھے وہ ضلالٍ مبینٍ میں تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ اللہ آسمانوں پر ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لیا پھر الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ عیسیٰ ابن مریم کو زمین پر نازل کرے گا؟ اللہ نے تو قرآن میں اس پہلو سے بالکل واضح کر دیا کہ محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بلکہ یہ لوگ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں بے بنیاد اور باطل ہیں یہ محمد پر بہتان عظیم باندھ رہے ہیں۔

یوں اس پہلو سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ عقیدہ حیات و نزول عیسیٰ ابن مریم بالکل بے بنیاد اور باطل ہے اور مسلمانوں نے یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے

نہیں بلکہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہے جس کا محمد علیہ السلام کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو پھر ایک اور پہلو سے حق آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے اخذ نہیں کیا گیا اور نہ ہی محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ کہا جو خود کو مسلمان کہلوانے والے آج تک کہہ رہے ہیں بلکہ یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہوا ہے۔

اس عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ آسمانوں وزمین سمیت جو کچھ بھی ہے یعنی کُل کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے۔ اللہ اس کائنات سے الگ نہ صرف وجود رکھتا ہے بلکہ اللہ آسمانوں پر ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھالیا۔

اب اگر تو واقعتاً یہ بات سچ ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ کائنات الگ اور اللہ الگ ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر ہے تو پھر بلا شک وشبہ یہ بات تسلیم کرنے کے لائق ہوسکتی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے ہی اخذ کیا گیا ہو لیکن اگر اللہ کے بارے میں پایا جانے والا عقیدہ ونظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے اگر اللہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے یہ عقیدہ ونظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے تو پھر عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم بھی بالکل بے بنیاد باطل اور من گھڑت ثابت ہوجاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے آج تک محمد علیہ السلام پر اس عقیدے کے نام پر بہتان عظیم باندھ رہے ہیں۔

پیچھے آپ پر یہ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ رسول کو صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب اس کی بعثت سے پہلے لوگ ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوتے ہیں، کسی کو بھی حق کا علم نہیں ہوتا یہاں تک کہ رائی برابر بھی حق موجود نہیں ہوتا۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات الگ اور اللہ الگ ہے جو اوپر آسمانوں پر ہے یہ عقیدہ ونظریہ کیسے حق ہوسکتا ہے؟ اللہ کے بارے میں پایا جانے والے یہ عقیدہ ونظریہ کیسے حق ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ عقیدہ ونظریہ تو محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہی نہ صرف یہودیوں میں پایا جاتا تھا جو آج تک پایا جاتا ہے بلکہ عیسائیوں اور مشرکین عرب میں بھی یہی عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا اور آج بھی عیسائیوں میں یہی عقیدہ ونظریہ پایا جاتا ہے کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ جو کہ اوپر آسمانوں پر ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ ونظریہ حق ہے تو پھر اس کا مطلب کہ محمد اللہ کا رسول نہیں تھا اور اگر محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر بلا شک وشبہ اللہ کے بارے میں پایا جانے والا یہ عقیدہ ونظریہ حق نہیں ہوسکتا کیونکہ محمد کو مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد نظریات کی تائید وتصدیق کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی محمد علیہ السلام نے ان کے کسی ایک بھی عقیدے ونظریے کی تائید وتصدیق کی بلکہ محمد علیہ السلام کو تو بعث ہی اسی لیے کیا کہ ان کے تمام ترعقائد ونظریات اور جسے بھی وہ دین سمجھ رہے ہیں جسے بھی حق سمجھ رہے ہیں ان سب کا رد کرتے ہوئے اسے گند کے ڈھیر پر پھینکتے ہوئے اس کے برعکس حق واضح کرے اور وہی محمد علیہ السلام نے کیا اور وہی قرآن میں موجود ہے جو کہ آپ پر بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کے بارے میں کیا کہتا ہے کہ اللہ کیا ہے اور کہاں ہے۔

اور اگر یہ عقیدہ ونظریہ بے بنیاد وباطل ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں یا آسمانوں پر موجود ہے تو پھر عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم بھی بے بنیاد وباطل ثابت ہوجائے گا اور یہ ثابت ہوجائے گا کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کیساتھ آج تک اللہ اور اس کے رسول پر افتراء عظیم کررہے ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ پر ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے جس سے اس عقیدے کی حقیقت بھی بالکل چاک ہوجائے گی۔

اللہ کیا ہے؟

ایک وقت تھا اسلام کے نام لیوا رات دن غور وفکر میں مصروف تھے آسمانوں وزمین میں غور وفکر کر کے علم کے بلند مقام پر جارہے تھے اور عین اسی وقت دوسری طرف عیسائیت کو دنیا میں متشدد ترین دین ومذہب کے طور پر جانا پہچانا جاتا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی توہین کے نام پر ہزاروں لاکھوں لوگوں کو کھلے عام

عوامی مجمعوں میں قتل کیا جاتا رہا اور ایسے ہی عیسائیت میں پائے جانے والے عقائد و نظریات کے برعکس یا خلاف بات کرنے والے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کو توہین مذہب کے الزام کے تحت قتل کیا جاتا رہا۔ عیسائیت میں پائے جانے والے عقائد کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا اور ایسا کرنے والے کو ملحد، دین بیزار اور دین کا دشمن قرار دیکر قتل کر دیا جاتا یا اس کی زبان بند کرانے کی ہر کوشش کی جاتی اور دین الاسلام کو الحاد کا نام دیکر دنیائے اسلام کو عیسائیت کا دشمن بنا کر پیش کیا جاتا۔

اس کی وجہ ہی یہی تھی کہ عیسائیت میں جو عقائد و نظریات پائے جاتے تھے اگر کوئی بھی غور و فکر کرتا عیسائیت کے لگائے ہوئے دائروں سے آزاد ہو کر سوچتا تو عیسائیت کے تمام تر عقائد و نظریات کی جڑیں کٹ جاتیں عیسائیت بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتی یہ وہ وقت تھا جب دنیائے عیسائیت میں دین کا ٹھیکیدار طبقہ پادری وغیرہ علم سے اتنا خائف تھے کہ علم کے حصول اور غور و فکر پر خوب پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کیونکہ دین و مذہب کے ٹھیکیدار اس طبقے کو علم تھا کہ اگر کوئی دین و مذہب اور فرقے کے نام پر لگائے گئے دائروں سے آزاد ہو کر سوچے گا، غور و فکر کرے گا، علم حاصل کرے گا تو عیسائیت کی بنیادیں ہی اکھڑ جائیں گی یوں دین و مذہب کے نام پر لوگوں کا مال کھانے، عیاشیوں، سہولتوں و آسائشوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا، شہرت کی بجائے لوگ جوتے ماریں گے اور یہی لوگ ان کی حقیقت کھلنے پر آسمانوں و زمین کی سب سے حقیر اور ذلیل ترین مخلوق ثابت ہو جائیں گے۔

وقت گزرتا گیا اور تاریخ کا دھارا تبدیل ہو گیا یورپ پر ایسے لوگوں کا تسلط بڑھنے لگا جو علم کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے انہوں نے مذہب یعنی عیسائیت کی بھرپور مزاحمت کے باوجود علم تک رسائی کا فیصلہ کر لیا جس کا نتیجہ وہی نکلا جس کا عیسائیت کو خوف تھا، علم آنے کی دیر تھی کہ عیسائیت کی بنیادیں ہی اکھڑ گئیں جس سے دنیائے عیسائیت میں دین و مذہب کے نام پر عدم برداشت اور مذہبی جنونیت کا خاتمہ ہو گیا اور اسی علم کا استعمال دنیاوی مال و متاع کے حصول کے لیے کیا جانے لگا اور دوسری طرف انہی قوتوں نے دنیائے اسلام کو علم سے بیزار کیا اور مذہب کی دلدل میں پوری قوت کے ساتھ دھکیل دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت، عدم برداشت اور مذہبی جنونیت کا جو مقام پہلے دنیا میں عیسائیت کو حاصل تھا وہی مقام اسلام کے نام لیواؤں کو حاصل ہو گیا۔ آج دنیائے اسلام بالکل انہی حالات سے دوچار ہے جن حالات سے آج سے چند صدیاں قبل دنیائے عیسائیت دوچار تھی۔

جیسے ماضی میں عیسائیت کو علم سے خوف لاحق تھا جس وجہ سے عیسائی مذہبی طبقہ عیسائیت کے لگائے گئے عقائد و نظریات کے نام پر دائروں سے آزاد ہو کر سوچنے غور و فکر کرنے اور علم کے حصول کو الحاد کا نام دیتا تھا اور عیسائیت کا دشمن سمجھتا تھا بالکل اسی خوف کا شکار آج خود کو مسلمان کہلوانے والے شکار ہیں۔ مذہبی طبقے کو یہی خوف لاحق ہے کہ اگر کسی نے علم حاصل کیا، کسی نے تمام تر دائروں سے آزاد ہو کر غور و فکر کیا تو نام نہاد اسلام کی بنیادیں ہی اکھڑ جائیں گی اسلام کے نام پر تمام تر عقائد و نظریات چاک ہو جائیں گے اور مذہب کے بیوپاریوں کی دکانداریاں بند ہو جائیں گی یہ مذہبی طبقہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے آج اسلام کا دعویدار مذہبی طبقہ اسلام کے نام پر لگائے گئے مختلف عقائد و نظریات کے دائروں سے آزاد ہو کر غور و فکر کرنے اور علم کے حصول کو الحاد کا نام دیکر اس سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے کیونکہ دین و مذہب کے نام پر ان کے لگائے گئے خود ساختہ دائروں سے آزاد ہو کر غور و فکر کرنا اور علم کا حصول ان کے خود ساختہ و بے بنیاد عقائد و نظریات کی حقیقت چاک کر کے رکھ دیتا ہے جس سے ان کی دکانداریاں بند ہونے کا انہیں شدید خوف لاحق ہے۔

آج جب سائنس کے نام پر علم نے سر اٹھایا تو علم نے مذہب اسلام پر ایسے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی جیسے آج سے چند صدیاں قبل مذہب عیسائیت پر سوالات کی بوچھاڑ ہوئی تھی اور پھر جیسے اس وقت مذہب عیسائیت علم کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس کی جڑیں ہی کٹ گئیں بالکل اسی طرح آج مذہب اسلام کو بھی علم سے شدید خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔

آج جب انسان کو الکتاب یعنی آسمانوں و زمین کا علم حاصل ہوا، فطرت کے قوانین دریافت کیے تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ اٹل حقیقت ہے کوئی بھی شئے خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہو خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا یعنی بغیر خالق کے وجود میں نہیں آ سکتا لیکن دوسری طرف یہ جو وجود ہے یعنی کُل کائنات کی بات کی جائے کہ کُل کائنات کیسے وجود میں آ گئی تو اس کے حوالے سے بالکل مختلف بات سامنے آتی ہے اور وہ ہے خود کار نظام یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے گویا کہ وہ خود بخود ہی ہو رہا ہے کوئی بھی ایسا سراغ نہیں ملتا کہ جس سے یہ بات کہی یا ثابت کی جا سکے کہ اس کائنات کو باہر سے کسی دوسرے وجود نے وجود دیا اور اسی وجہ سے دنیا میں ایک بڑی تعداد میں لوگوں کا ماننا ہے کہ اللہ، گاڈ یا ایشور وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔

کیونکہ تمام مذاہب میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ کائنات مخلوق ہے اور اس کا بنانے والا کوئی نہ کوئی ہے اور وہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں کہیں موجود ہے اور سائنس اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں کہ ایسا کوئی اللہ، ایشور یا گاڈ اپنا کوئی وجود رکھتا ہے جس وجہ سے سائنسی یا علمی طبقہ ایسے کسی اللہ، ایشور یا گاڈ کو تسلیم نہیں کرتا۔

دوسری طرف مذہبی طبقہ بالخصوص خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ ہے اور وہ اوپر آسمانوں میں موجود ہے جس کا وجود ثابت کرنے کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو جب چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آ سکتا چھوٹے سے چھوٹی شئے بھی بغیر بنانے والے کے خود بخود وجود میں نہیں آ سکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر بنانے والے کے خود بخود وجود میں کیسے آ گئی؟ اس لیے اس کا بنانے والا ہے اس کا خالق ہے اور وہ اللہ ہے جو اوپر آسمانوں میں موجود ہے۔

اب دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو جس بنیاد پر اللہ کا وجود ثابت کیا جاتا ہے اسی بنیاد پر ایسے کسی اللہ، ایشور یا گاڈ کا وجود کالعدم ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر بغیر خالق کے چھوٹے سے چھوٹا ذرہ تک بھی وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی وہ خود کتنا بڑا ہوگا؟ پھر وہ کیسے کسی بنانے والے کے بغیر وجود میں آ گیا؟ آخر اسے بھی تو کسی نے بنایا ہوگا اس کا بھی تو کوئی خالق ہوگا اس لیے بتاؤ اس کا خالق کون ہے؟

اب مذہبی طبقہ کہتا ہے کہ یہ سوال ہی بے بنیاد ہے کیونکہ اس طرح تو اگر کہا جائے اسے جس نے خلق کیا وہ اللہ ہے تو پھر سوال پیدا ہوگا اسے کس نے خلق کیا یوں یہ سوال در سوال سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کا کوئی سرا ہی نہیں اس لیے اس سے آگے نہیں بڑھا جائے گا کہ اللہ ہے، بس یہی حقیقت ہے کہ جب کچھ بھی بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آ سکتا تو اس کائنات کو بنانے والا ہے اور وہ اللہ ہے۔

اب اگر غیر جانبدارانہ بات کی جائے تو حق وہ ہے جو آپ کو کہے کہ آپ اپنی آزادانہ تحقیق کرو پھر جو نتیجہ سامنے آئے اسے تسلیم کرو اس کے برعکس وہ حق ہو ہی نہیں سکتا جو عاجز آ جائے یا جسے بے ڈھنگی قسم کی بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس بنیاد پر اللہ کا وجود ثابت ہوتا ہے کہ بغیر بنانے والے کے کچھ بھی وجود میں نہیں آ سکتا اس لیے اتنی بڑی کائنات کا بنانے والا ہے اور وہ اس کائنات سے الگ ہے تو پھر اسی بنیاد پر اس کا وجود کالعدم ثابت ہو جاتا ہے کہ پھر اسے کس نے بنایا وہ بغیر بنانے والے کے کیسے وجود میں آ گیا؟

اس لیے حق تو یہ ہے کہ مذاہب میں اللہ، ایشور یا گاڈ کے حوالے سے جو نظریہ پایا جاتا ہے کہ وہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں کہیں موجود ہے وہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے ایسا کوئی اللہ، ایشور یا گاڈ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا سوائے مذہبی طبقے کے خود ساختہ باطل عقائد و نظریات کے۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف کہ قرآن اس حوالے سے کیا کہتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم سے سوال کیا جائے گا کہ فلاں شئے کو کس نے وجود دیا؟ تم کہو گے اللہ نے۔ پھر پوچھا جائے گا کہ فلاں شئے کو کس نے وجود دیا؟ تم کہو گے اللہ نے، یوں بالآخر تم سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کو کس نے خلق کیا یعنی جب بغیر خالق کے کچھ بھی وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر جس نے ان سب کو خلق کیا وہ کیسے وجود میں آ گیا؟ تو اس سوال کا جواب ہے سورت الاخلاص۔

آج مذہبی طبقہ اسی روایت کا سہارا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ شیطان تم سے سوال کرے گا کہ اللہ کو کس نے خلق کیا تو محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ اس سوال کا جواب سورۃ الاخلاص ہے اور یوں سورۃ الاخلاص کا ترجمہ پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ اے ملحد و دیکھو ہم نے تمہارے سوال کا جواب دے دیا۔

لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جواب کہتے کسے ہیں اور کیا واقعتاً یہ اس سوال کا جواب ہے جو سورۃ الاخلاص کا ترجمہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے؟ کیونکہ ذرا غور کریں جب سورۃ الاخلاص کا یہ ترجمہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ فتح محمد جالندھری''

آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا سورۃ الاخلاص کے نام پر یہ ترجمہ یا کوئی بھی ترجمہ پڑھ دینے سے واقعتاً ان لوگوں کو ان کے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے جنہیں ملحد

کہا جاتا ہے؟ جواب تو کہتے ہیں جو سوال کا وجود مٹا دے جو سوال کو کالعدم کر دے جو سائل کو لا جواب کر دے تو کیا آج تک ایسا ہوا کہ سورۃ اخلاص کے ترجمے نے اس سوال کو مٹا دیا ہو؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ سوال تو آج بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کہ بتاؤ جب بغیر بنانے والے کے چھوٹے سے چھوٹا ذرا بھی وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی وہ خود کتنا بڑا ہو گا تو وہ کیسے وجود میں آ گیا؟

سورۃ الاخلاص کا ترجمہ اگر اس سوال کو ختم نہیں کرتا تو پھر دو ہی باتیں ہیں پہلی یہ کہ محمد علیہ السلام نے جھوٹ بولا سورۃ الاخلاص اس سوال کا جواب رکھتی ہی نہیں یا پھر دوسری بات یہ ہے کہ محمد علیہ السلام جھوٹے نہیں وہ سچے تھے بلکہ جن تراجم وتفاسیر کو آج تک قرآن کا نام دیا جاتا رہا وہ قرآن ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب کا سب جھوٹ ہے جو تراجم وتفاسیر کے نام پر قرآن سے منسوب کیا گیا کیونکہ اگر یہ تراجم وتفاسیر ہی اصل قرآن ہوتا یا یہی اللہ نے قرآن میں کہا تھا تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ محمد علیہ السلام کی بات غلط ثابت ہو۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ سورۃ الاخلاص جو ہے ہی اللہ کے وجود پر اس میں اللہ کے بارے میں ہر سوال کا جواب نہ ہو۔

محمد علیہ السلام سچے تھے اور حقیقت کیا ہے آپ پر بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں سورۃ الاخلاص کو آپ پر بیّن کرتے ہیں یعنی بالکل کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. الاخلاص

سورت الاخلاص کو بیّن کرنے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اعراب کو سمجھ لیا جائے کہ آخر اعراب کیا ہیں؟

ایسا کریں ڈھلوان نما ایک عمودی لائن کھینچیں جو درمیان میں آ کر گول چکر کھا کر نیچے کی طرف سے آگے کو چلی جائے جیسے کہ آپ ذیل میں دی گئی تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔

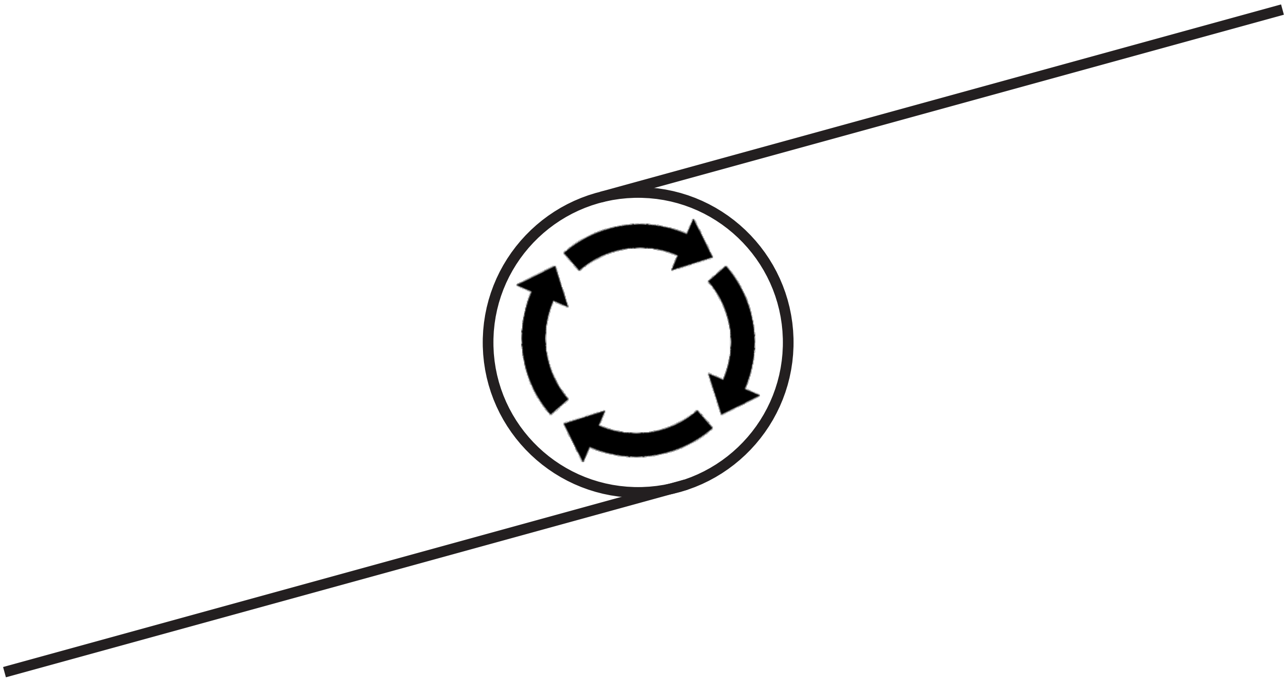

یہ وقت کی پٹی یعنی وقت کی لائن ہے اس میں آپ کو جو گول دائرہ نظر آ رہا ہے یہ وجود کا اظہار کر رہا ہے یعنی کسی ذات یا اشیاء کا اظہار کر رہا ہے اور یہ دائرہ اس لیے ہے کیونکہ جب آپ آسمانوں وزمین میں اور جو کچھ بھی ان میں ہے میں غور کریں گے تو آپ کو ہر شئے سرکل میں ہی نظر آئے گی جو کچھ بھی ہے وہ دائرے میں گھومتا گھومتا آگے کو جا رہا ہے۔

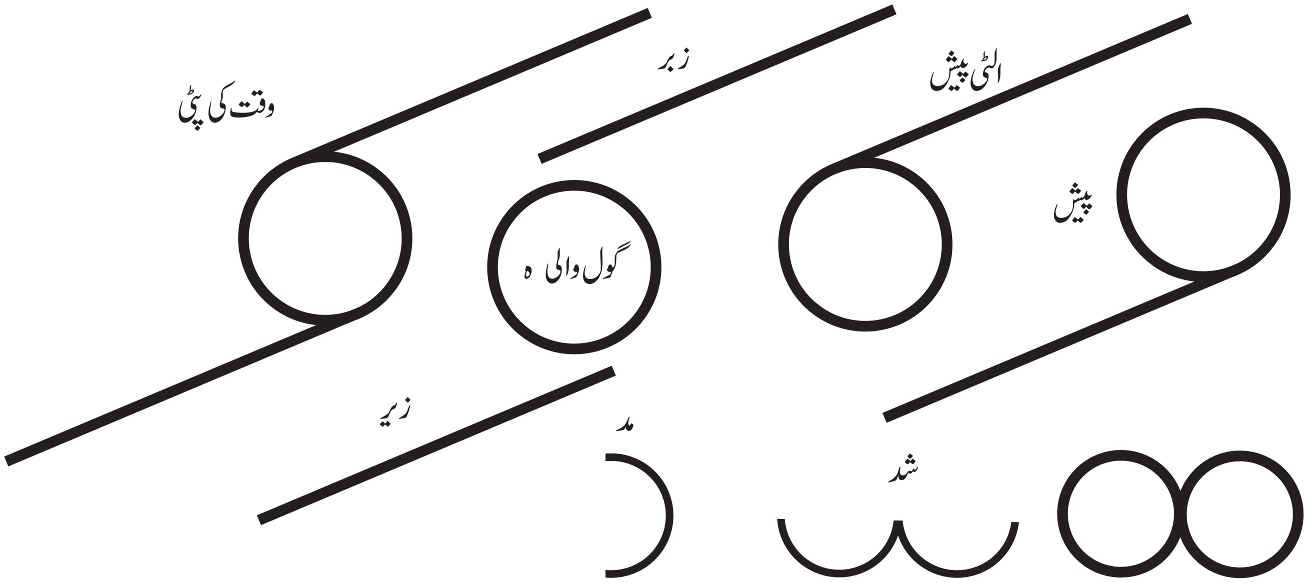

زبر ماضی، زیر مستقبل، گول والی ہ وجود، گول والی ہ جمع زیر سے بنتی ہے پیش جس کا معنی ہے وجود جو آگے کو جا رہا ہے، گول والی ہ جمع زبر سے الٹی پیش بنتی ہے جس کا معنی ہے وجود پیچھے کا جا رہا ہے، دو گول والی ہ یا گول والی آدھی ہ جڑیں تو شد بنتی ہے جس کا معنی ہے دو وجود آپس میں جڑے ہوئے ہیں، آدھی گول والی ہ مد بنتی ہے جس کا معنی ہے بیٹھی ہوئی حالت یعنی نہ ہی آگے کو سفر جا رہا ہے نہ ہی پیچھے کو شئے اپنی حالت میں ہے اس میں کوئی بھی ردو بدل نہیں ہو رہا۔

اس دائرے کے اوپر پیچھے والی لائن ماضی ہے کبھی یہ دائرہ یعنی یہ سرکل وہاں سے گزرا آج وہاں نہیں ہے بلکہ وہ ماضی بن چکا ہے اس لیے دائرے کے پیچھے والی لائن کو الگ کر لیں تو یہ ماضی کا اظہار کرے گی جسے زبر کہتے ہیں۔

اس دائرے کے آگے نیچے والی لائن مستقبل ہے یعنی یہ دائرہ آگے کو جا رہا ہے تو جو آگے والی لائن ہے وہ مستقبل ہے اسے الگ کر لیں تو یہ زیر کہلاتی ہے جو کہ مستقبل ہے۔

اور جو گول دائرہ ہے یہ گول والی ''ہ'' ہے جو وجود کا اظہار کر رہی ہے یعنی کسی ذات یا شئے کا اظہار کر رہی ہے جب اس کیساتھ زیر کو جوڑ دیا جائے تو یہ پیش بن جائے گی جس کے معنی بنتے ہیں وہ ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے اور آگے کو جا رہی ہے یعنی اس وقت موجود ذات یا شئے جو مستقبل میں جا رہی ہے۔

گول والی ''ہ'' جب بھی استعمال کی جاتی ہے تو کسی وجود یعنی ذات یا کسی بھی شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال کی جاتی ہے یعنی وہ کسی ذات یا کسی بھی شئے کا اظہار کرتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ذات کا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کس وجود کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ وجود نہ صرف ہے بلکہ تھا اور ہو گا بھی یعنی وجود کے لیے تین حالتیں اپنا وجود رکھتی ہیں ماضی حال اور مستقبل۔

جن میں سے دو غیب ہیں اور ایک حاضر ہے اس لیے جہاں بھی گول والی ''ہ'' کا استعمال کیا جائے گا تو وہاں یہ واضح کرنا لازم ہے کہ آیا کس ذات، شئے یا وجود کا ذکر کیا جا رہا ہے حاضر یا پھر غیب۔

اور غیب کی دو حالتیں ہیں ایک ماضی جو کہ غیب ہے اور دوسری حالت مستقبل جو کہ غیب ہے۔

اگر تو حال والی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو گول والی ''ہ'' کے اوپر پیش ڈالی جائے گی جس کا معنی بنے گا وہ وجود یعنی ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے اور وقت کی پٹی پر آگے مستقبل کی طرف بہہ رہی ہے۔

اگر ماضی والی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو گول والی ''ہ'' پر زبر کا استعمال کیا جائے گا اور اگر مستقبل والی شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی ''ہ'' کے نیچے زیر کا استعمال کیا جائے گا۔

''زبر'' ماضی، ''پیش'' حال اور ''زیر'' مستقبل۔

ان کے علاوہ آپ دیکھتے ہیں کہ دوزبر، دوزیر اور دوپیش کا بھی اکٹھا استعمال کیا جاتا ہے۔
زبر ماضی میں لیکر جاتی ہے جہاں دوزبر کا استعمال کیا جائے تو وہاں سکڑ پن آئے گا جتنا پیچھے سے پیچھے جایا جاسکتا ہے اتنا پیچھے سے پیچھے جایا جائے گا مثلاً آپ لفظ رسول پر دوزبر کا استعمال کرتے ہیں تو دوزبریں چونکہ پیچھے سے پیچھے لیکر جاتی ہیں کوئی شئے جو آگے کو جارہی ہو اور اسے پیچھے سے پیچھے لیکر جانا مقصود ہوتا تو سب سے پہلے اسے روکا جائے گا اسی لیے سب سے پہلے روک لگائی جائے گی جس کے لیے الف کا استعمال کیا جائے گا یعنی لفظ رسول کی لام کے آگے الف کا استعمال کیا جائے گا یوں لفظ رسولا بن جائے گا اب اس پر دوزبروں کا استعمال کیا جائے گا تو جملہ بنے گا ''رسولاً '' جس کے معنی بنیں گے رسول کو جتنا پیچھے سے پیچھے لے جایا جاسکتا ہے جتنا سکیڑا جاسکتا ہے اتنا سکیڑا جائے کم سے کم رسول اور کم سے کم ایک رسول ہوتا ہے یوں رسولاً کے معنی بنیں گے ایک ہی رسول۔
اسی طرح اگر دوزیریں استعمال کی جائیں گی تو زیر آگے کو لے جاتی ہے مستقبل میں اور دوزیروں سے جتنا آگے سے آگے لے جایا جاسکتا ہے اتنا آگے لے جایا جائے گا یعنی جتنا پھیلاؤ آسکتا ہے لفظ رسول کے نیچے دوزیروں کا استعمال کیا جائے گا '' رسولٍ '' تو اس کا معنی بنے گا آگے کُل رسول یعنی آگے جتنے رسول ہوسکتے ہیں۔
اسی طرح دوپیش کا استعمال کیا جائے تو پیش کا معنی ہوتا ہے وہ شئے جو موجود ہے اور آگے کو جارہی ہے اور جب دوپیش کا استعمال کریں گے تو اس کا معنی بنے گا کہ ایک شئے جو وجود رکھتی ہے اور آگے کو جارہی ہے اور جتنا آگے جاسکتی ہے وہاں تک گئی اور وہاں سے پھر پیچھے ماضی کی طرف لے آیا جارہا ہے۔
سیدھی پیش گول والی '' ہ '' اور '' زیر '' کا مجموعہ ہے جس کا معنی بنتا ہے ایک شئے یا ذات جو موجود ہے آگے مستقبل میں جارہی ہے اور الٹی پیش گول والی '' ہ '' اور '' زبر '' کا مجموعہ ہے جس کے معنی بنتے ہیں وہ ذات یا شئے جو موجود ہے اور پیچھے ماضی میں جارہی ہے یوں دوپیش کے معنی بنتے ہیں ایک شئے جو اپنے وجود میں آنے سے لیکر جب تک وہ دنیا میں موجود ہے یعنی جب تک وقت کی پٹی پر موجود ہے اس سارے وقت کا ذکر کیا جارہا ہے اس کی مکمل زندگی مکمل مدت حیات کی بات کی جارہی ہے یعنی جیسے لفظ رسول پر دوپیش سے معنی بنے گا جس رسول کا ذکر کیا جارہا ہے جب تک کہ اس کا وجود ہے اس کی پوری زندگی کا ذکر کیا جارہا ہے اس کی پیدائش سے لیکر موت تک کی مدت۔
اس کے علاوہ ایک اور بات ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے زبر کی جگہ '' الف '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جو کہ الفاظ کے آخری حرف کے طور پر بطور زبر استعمال کیا جاتا ہے جس سے وہ لفظ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے اور زیر کی جگہ '' ی '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے مستقبل کا صیغہ بن جاتا ہے اور پیش کی جگہ '' و '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے۔
اس کے علاوہ پیچھے شد اور مد رہ جاتی ہے شد کا معنی ہے دو اشیاء یعنی دو وجود کا جڑے ہوئے ہونا، شد دو وجود کے جڑے ہوئے ہونے کا اظہار کرتی ہے اور مد کا معنی ہے بیٹھی ہوئی حالت میں ہونا یعنی جامد حالت میں ہونا نہ ہی شئے پیچھے جارہی ہے اور نہ ہی آگے جامد حالت میں ہے یعنی جیسی شئے یا وجود ہے بغیر کسی حرکت کے بالکل ویسے کا ویسا ہونا۔

اب آتے ہیں سورۃ الاخلاص کی طرف۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. الاخلاص

قُلْ کہہ۔ قل کے معنی ہیں کہہ یعنی کہا جارہا ہے کہ کہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون کہہ رہا ہے کہ کہو یعنی کون کچھ کہنے کا حکم دے رہا ہے؟ کچھ کہنے پر مجبور کر رہا ہے؟
تو آج تک مذہبی طبقے کی طرف سے جو جواب دیا جاتا رہا اور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جی اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ اب اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو تو پھر یہیں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ کیسے کہہ رہا ہے کیا آپ اللہ کو جانتے ہو؟ آپ کو اللہ نے کیسے کہا کہ کہو؟
کیونکہ جب آپ کو اللہ کا علم ہی نہیں تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو؟ آپ کو تو اللہ کا علم ہی نہیں اور آپ تو خود اللہ کی ابھی تلاش میں ہیں تو

آگے سے سب سے بڑھ کر اس جواب کی توقع کی جاسکتی ہے کہ قرآن میں لکھا ہے اور ہم مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ تو اس کا بہت ہی سادہ سا جواب ہے آپ مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن کیا پوری دنیا کے انسان تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں اور جب پوری دنیا کے انسان قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم ہی نہیں کرتے تو پھر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہی کہہ رہا ہے کہ کہو۔

جب اللہ کہہ رہا ہے کہو تو پھر اللہ کو بالکل سامنے آ کر کہنا چاہیے اور اسی زبان میں کہنا چاہیے جو زبان آپ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو آپ کی زبان ہے۔

اور پھر اس کے علاوہ ایک دوسری طرح کے جواب کی توقع کی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں تو عربی نہیں آتی ہمارے علماء ہمیں بتا رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو اس لیے ہم مان رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ تو اس کا بھی جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ آپ کو عربی جو کہ عربوں کی زبان ہے وہ نہیں آتی اور آپ کے علماء کو آتی ہے اس لیے وہ آپ کو کہہ رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہو تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ سچ بول رہے ہیں؟ کل کو اگر حقیقت کچھ اور نکلی تو کل کو یہ لوگ جن کو آپ علماء کہتے ہیں اور اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل رہے ہیں کیا یہ آپ کی ذمہ داری اٹھائیں گے؟ یہ آپ کا بوجھ اٹھائیں گے؟ یہ آپ کا حساب دیں گے؟ اگر نہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو کچھ بھی اللہ سے منسوب کر کے کہتے رہیں لیکن حقیقت یہ ہو کہ وہ اللہ نے کہا ہی نہ ہو اس لیے یہ جواب بھی بے بنیاد اور کالعدم ثابت ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اگر کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اسے علم ہے اللہ کیا ہے اور اللہ کیسے کلام کرتا ہے اللہ کیسے کہہ رہا ہے کہ کہو اس لیے پھر اس سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کیا ہے اور کہاں ہے اللہ کیسے کلام کرتا ہے اگر تو وہ اللہ کے بارے میں صحیح جواب دے دیتا ہے اللہ کے بارے میں ہر طرح کے سوالات کے جوابات دیکر مطمئن کر دیتا ہے تو پھر بلا شک وشبہ اللہ ہی کہہ رہا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر کسی کی بھی بات نہیں مانی جاسکتی۔

اب آتے ہیں حقیقت کی طرف اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کہہ رہا ہے کہ کہو لیکن اللہ کیسے کہہ رہا ہے اس حقیقت کو بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیتے ہیں۔

دنیا میں جو بھی آتا ہے کوئی ایک بھی عقل رکھنے والا شخص ایسا نہیں ہے کہ زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موقع پر اس کے سامنے یہ سوال نہ آیا ہو وہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوا ہو کہ آخر میری حقیقت کیا ہے؟ میں ہوں کون؟ میرا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور پھر اپنے ان سوالات کے جوابات کے لیے غور وفکر نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر کوئی شخص جس کی زندگی معمول کے مطابق چل رہی ہوتی ہے لیکن اچانک کوئی حادثہ پیش آنے سے وہ مایوس سا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ سوال بار بار اسے پریشان کرتا ہے کہ آخر میری حقیقت کیا ہے؟ میں دنیا میں کیا لینے آیا وغیرہ؟ ایسے ہی کوئی شخص اگر دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے وہ دنیاوی مال و متاع اکٹھا کر کر کے تھک جاتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کا دنیا میں آنے کا مقصد یہ مال و دولت کا حصول نہیں بلکہ کچھ اور ہے یوں وہ جاننا چاہتا ہے کہ آخر اس کی اپنی حقیقت کیا ہے وہ اس دنیا میں کیوں آیا؟ یا اس کے علاوہ بھی انسان کے سامنے کئی مواقع پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آخر اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے لیے کسی بھی مذہب، گروہ، فرقے، تنظیم یا رنگ ونسل وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ہو خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو یا کسی بھی مذہب کا نہ ماننے والا ہو یہ ایسا سوال ہے جو ہر کسی کے سامنے آتا ہے اور پھر اس سوال کے جواب کے حصول کا سب سے بہتر ایک ہی طریقہ ہے کہ غور وفکر کیا جائے، اپنی ہی ذات میں غور وفکر کیا جائے اپنے ارد گرد مخلوقات میں غور کیا جائے، آسمانوں وزمین میں کسی بھی مخلوق میں غور کیا جائے اور جب انسان غور کرتا ہے تو ابتداء میں مشکل پیش آتی ہے کچھ سمجھ نہیں آتا انسان خود کو بے بس سمجھنا شروع کرتا ہے لیکن اگر وہ ڈٹ جائے کہ نہیں میں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ میں اپنے ان سوالات کا جواب نہیں جان لیتا جب تک کہ میں حق کو نہیں پالیتا تو بالآخر اس پر حق کھلنا شروع ہو جاتا ہے اور یوں وہ حق کو پالیتا ہے۔

جب کوئی شخص غور وفکر کرتا ہے پیچھے نہیں ہٹتا جب تک کہ وہ حق کو پا نہیں لیتا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یعنی جب آپ اپنی ہی ذات میں، آسمانوں زمین میں کسی بھی مخلوق میں غور وفکر کریں گے تو بالآخر یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود آپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ایک ہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں یہی اللہ ہے۔

یہی بات قرآن کی سورۃ اخلاص میں کہی گئی ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

قُلْ کہنا پڑے گا یعنی جب کہا جا رہا ہے کہو تو کہنا پڑے گا هُوَ یہ جملہ ہے اور دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ گول والی '' ہ '' اور دوسرا لفظ '' و '' ہے، گول والی '' ہ '' کسی بھی ذات یا شئے وغیرہ کا اظہار کرتی ہے یعنی کسی بھی ذات یا شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کیونکہ اشیاء نہ صرف حاضر بھی ہیں بلکہ غائب بھی ہیں اور غائب دو طرح کا ہے ایک ماضی جو گزر چکا اور دوسرا مستقبل جو ابھی آگے چل کر سامنے آئے گا۔

اب کون سی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے غائب کی طرف یا حاضر کی طرف یہ واضح کیا جانا ضروری ہے یعنی جب بھی گول والی '' ہ '' کا استعمال کیا جائے گا تو اس پر زبر، زیر یا پیش وغیرہ کا استعمال ناگزیر ہے اگر ماضی غائب والی ذات یا شئے کا ذکر کیا جائے گا تو گول والی '' ہَ '' پر زبر کا استعمال کیا جائے گا جس کا مطلب ہوگا کہ اس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو پیچھے یعنی ماضی کا قصہ بن چکی اور اگر غائب مستقبل کی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی '' ہِ '' کے نیچے زیر کا استعمال کیا جائے گا اور اگر حال والی یعنی حاضر شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا اس کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی '' ہُ '' پر پیش کا استعمال کیا جائے گا جس کا معنی ہو گا کہ وہ ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے۔

سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں هُوَ کی گول والی '' ہ '' پر پیش کا استعمال کیا گیا ہے '' ہُ '' جس کے معنی ہیں اس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس وقت موجود ہے یعنی حال میں ہے تو ذرا غور کریں کیا ہے جو اس وقت موجود ہے؟ کیا ہے جو حال میں موجود ہے؟ کیا کچھ بھی ایسا ہے جو آپ کو اس وقت موجود نظر آ رہا ہے؟ تو آپ کو بہت کچھ نظر آئے گا مثلاً درخت نظر آ رہے ہیں جو اس وقت یعنی حال میں موجود ہیں، پہاڑ نظر آ رہے ہیں، دریا اور سمندر وغیرہ۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی کُل کا کُل ہے جو موجود ہے یا پھر ان کے علاوہ اور کچھ بھی ہے؟ تو جواب ہوگا کہ نہیں اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔ تو یہی هُوَ میں کہا جا رہا ہے گول والی '' ہُ '' پر پیش ہے اور آگے '' و '' کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں ''اور'' یعنی مزید، اور '' وَ '' پر زبر کا استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بنتے ہیں ''ویعنی اور'' ماضی کا صیغہ بن جائے یعنی اب بالکل واضح ہو گیا کہ هُوَ کے معنی ہیں دیکھو کیا ہے جو اس وقت موجود ہے جو حال میں موجود ہے؟ جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب '' و '' یعنی اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے وہ کیا ہے؟ آگے اسی کا جواب دیا گیا اللّٰہُ اللہ ہے۔ اللہ کی '' ہُ '' پر پیش ہے جس سے یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنیں گے اللہ ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰہُ تمہیں یہ کہنا پڑے گا هُوَ یعنی جو کچھ بھی اس وقت موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو کچھ بھی سامنے آئے گا یہ کیا ہے؟ یہ اللہ ہے۔

ذرا غور کریں اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کچھ بھی کھانے کو لاتے ہیں تو آپ اس کا کیا کریں گے؟ تو آپ جواب دیں گے کھانے کی شئے ہے تو ظاہر ہے اسے کھانے کے لیے ہی لایا گیا اور اسے کھائیں گے۔ اب اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ کھانے کی شئے ہے اسے کھایا جائے گا؟ تو آپ جواب دیں گے کہ وہ شئے خود بتا رہی ہے یعنی اس میں جو خصوصیات وصلاحیتیں موجود ہیں وہ بالکل واضح کر رہی ہیں کہ یہ کھانے کی شئے ہے۔

یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ کچھ بھی لاتے ہیں، بناتے ہیں یا کسی کو دیتے ہیں تو آپ بغیر مقصد کے فضول میں نہ ہی کچھ لائیں گے نہ ہی کچھ بنائیں گے اور نہ ہی بغیر مقصد کسی کو کچھ دیں گے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نہ صرف ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے بلکہ وہ کس مقصد کے لیے ہے اس میں موجود صلاحیتیں وصفات اس کے مقصد کو طے کرتی ہیں یا واضح کرتی ہیں۔

اب ذرا غور کریں کہ آپ کو سننے کی صلاحیت دی گئی، دیکھنے کی صلاحیت دی گئی اور نہ صرف آپ سنتے اور دیکھتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی تو کیا یہ صلاحیتیں آپ کو بغیر مقصد کے دے دی گئیں؟ کیا ان کا کوئی مقصد نہیں یا پھر ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے؟

اب جاننا یہ ہے کہ آیا ان کا مقصد کیا ہے؟ تو وہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ آپ کو سننے کی نہ صرف صلاحیت دی گئی بلکہ بہت کچھ آپ کو سنایا بھی جا رہا ہے جو رات دن آپ سن رہے ہیں اور ایسے ہی دیکھنے کی نہ صرف صلاحیت دی گئی بلکہ بہت کچھ آپ کے سامنے بھی رکھ دیا گیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں تو جسے آپ سن اور دیکھ

رہے ہیں اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت دی گئی تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب آپ پر یہ واضح ہو چکا کہ آپ کو سننے، دیکھنے جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور جو سمجھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں اس مقصد کے لیے دی کہ جو آپ سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ اور سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کریں تو کیا آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں؟ جب آپ اپنے گریبان میں جھانکیں گے تو آپ پر یہ کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آپ ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے۔ جس مقصد کے لیے آپ کو یہ صلاحیتیں دی گئیں کیونکہ آپ کو آسمانوں و زمین میں بہت کچھ سنایا اور دکھایا جا رہا ہے جسے آپ ہر لمحے نظر انداز کر رہے ہیں اور صرف اس کے پیچھے ان صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں جن سے آپ کی خواہشات پوری ہوتی ہیں یعنی آپ اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں اور اگر آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں یعنی جو کچھ بھی آپ کو سنایا اور دکھایا جا رہا ہے اگر آپ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا ''هُوَ اللهُ'' یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی ہے تو پھر آپ کو کس نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ هُوَ اللہُ؟ کیا اسی ذات اللہ نے نہیں؟ کیونکہ جیسے آپ کا جسم ہے آپ کے جسم میں ہر عضو دوسرے کیساتھ نہ صرف جڑا ہوا ہے بلکہ اس کیساتھ مشروط ہے ایسے ہی جیسے ایک مشین میں پرزے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مشروط ہوتے ہیں بالکل یہی مثال جو کچھ بھی موجود ہے اس وجود کی ہے یہ ایک ہی وجود ہے آپ کہیں سے بھی غور و فکر کا آغاز کریں گے تو آپ آگے بڑھتے جائیں گے ہر خلق دوسری کے ساتھ مربوط و مشروط ہیں یوں آپ اور اور کرتے کرتے وہاں تک پہنچ جائیں گے جہاں اور ختم ہو جائے گا آپ اس سے آگے نہیں جاسکیں گے یوں یہی وجود جو کہ اللہ ہے آپ کو کہنے پر مجبور کر دے گا کہ یہ جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

بالکل آسان الفاظ میں آپ پر واضح کرتے ہیں آپ ذرا غور کریں کہ آپ کو کچھ موجود نظر آ رہا ہے؟ تو جو بھی موجود ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا قصہ نہیں بن جاتا جب تک کہ اور ماضی نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا یہ اللہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ درخت بھی اللہ، پہاڑ بھی اللہ، دریا بھی اللہ، سمندر بھی اللہ، پانی بھی اللہ، زمین بھی اللہ، آسمان وغیرہ سمیت جو کچھ بھی موجود ہے وہ اللہ ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان ہے جو کہ آگے موجود بھی ہے اَحَدٌ احد جملہ ہے جو کہ دو الفاظ پر مشتمل ہے پہلا لفظ '' ا '' اور دوسرا لفظ '' حد '' ہے جب بھی کسی جملے کے شروع میں الف کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ نہ صرف سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اس سوال کا آگے جواب بھی موجود ہوتا ہے یوں احد کے شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور آگے اسی سوال کا جواب ہے '' حد '' اور حد کے معنی ہیں جس سے آگے نہیں جایا جاسکتا۔ یوں احد کے معنی بنتے ہیں جس سے آگے نہیں جایا جاسکتا یعنی ایک ہی اور کچھ ہے ہی نہیں اور احد کی '' د '' پر دو پیش کا استعمال یہ واضح کرتا ہے کہ جو وجود موجود ہے جب تک موجود ہے اللہ ہے اگر ماضی میں چلا جائے تو '' اللهَ '' ہو جائے گا اور جو آگے مستقبل میں ہے وہ '' اللهِ '' ہوگا۔

یعنی بالکل آسان الفاظ میں احد کے معنی یہ ہیں کہ مثال کے طور پر آپ اپنے ہی جسم کی مثال لے لیں اگر آپ کا نام عمران ہے تو آپ کے ہاتھ کو عمران نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ہاتھ کہا جائے گا انگلی کو انگلی کہا جائے گا، پاؤں کو پاؤں کہا جائے گا لیکن جب تمام کے تمام اعضاء کو اور اور کیا جائے یہاں تک کہ اور ختم ہو جائے تو جو پورا وجود سامنے آئے گا وہ تمام اعضاء کا مجموعہ نہ صرف ایک وجود سامنے آئے گا بلکہ ان تمام اعضاء کو بطور ایک وجود عمران کہا جائے گا، ہاتھ کو یا کسی بھی عضو کو عمران نہیں کہا جائے گا ہاں البتہ انہیں عمران کی آلاء یعنی اعضاء یا آیات کہا جائے گا۔

اگر پورے کا پورا جسم چھپا دیا جائے اور جسم کا کچھ حصہ یا کچھ اعضاء سامنے رہنے دیئے جائیں تو انہیں عمران نہیں بلکہ عمران کی آیات یا عمران کے اعضاء یعنی آلاء کہا جائے گا، انہیں عمران ہی کا وجود کہا جائے گا بالکل ایسے ہی جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ کا پورا وجود انسان سے پوشیدہ ہے سوائے تھوڑے کے اور جو نظر آ رہا ہے یہ اعضاء ہیں یہ اللہ کی آیات ہیں آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد آیت ہے اور آیت کے معنی ہیں پوری بات، پوری ذات، پوری شئے یا پورے وجود کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا جس میں غور کرنے جس کے پیچھے پڑنے سے پوری بات جو کہ حقیقت ہے پوری ذات، پوری شئے یا پورا وجود سامنے آجائے۔

آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں یعنی اللہ کی ذات کا ہی وجود نظر آ رہا ہے اللہ چھپا ہوا ہے اللہ کا ہی تھوڑا سا حصہ ہے جو

سامنے نظر آ رہا ہے اور جب آپ اس میں غور کریں گے اس کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ کیا ہے آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا آپ اللہ کو پالیں گے اس لیے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاں بھی اللہ فلاں بھی اللہ، اللہ واحد یعنی اور ایک نہیں بلکہ اللہ احد ہے ایک ہی وجود اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود ہے صرف اور صرف اللہ ہی کا وجود ہے اب اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرے گا وہ یہ کہے کہ وہ الگ ہے اور آسمان و زمین الگ ہیں اللہ الگ ہے تو وہ اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرے گا۔

اب جب آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ذرا غور کریں جب بھی آپ غور و فکر کریں گے تو کون ہے جو آپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دے گا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ کیا اللہ ہی نہیں جو یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ؟ اس طرح اللہ کہہ رہا ہے کہو تمہیں یہ کہنا پڑے گا جو کچھ بھی موجود ہے جو بھی وجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے ایک ہی وجود اور کچھ ہے ہی نہیں۔

اب اگلی آیت ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ.

اَللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے الصَّمَدُ الصمد ہے اللہ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الصمد کیا ہے یعنی الصمد کے معنی کیا ہیں تو الصمد کے معنی ہیں جو خلق کر رہا ہے جو خلق ہو رہا ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں وہ خود ہی ہے اللہ ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ الصمد کے معنی کیے جاتے ہیں بے نیاز جو کہ الصمد کے معنی نہیں ہیں بلکہ غنی کے معنی ہیں بے نیاز یعنی کسی کا بھی محتاج نہیں۔

الصمد اور غنی کے معنی کافی قریب ہیں لیکن ایک نہیں ہے کیونکہ الصمد ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے یعنی اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جو ہے ایک ہی وجود ہے جو خلق ہو رہا ہے جس سے خلق ہو رہا ہے اور جو خلق کر رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں بلکہ خود ہی ہے۔

جب اللہ الصمد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے اللہ کسی کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرتا ہے الگ سے وجود کا دعویدار بنتا ہے تو پھر اللہ غنی ہے یعنی اللہ اس کا محتاج نہیں اللہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ اللہ اپنا کام خود کرتا ہے۔ جو بھی الگ سے وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا یعنی جو بھی اللہ سے کٹے گا اور الگ سے وجود کا دعویدار بنے گا تو وہ اللہ کا شریک ہے اللہ کا دشمن ہے اور ظاہر ہے دشمن کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے نہ کہ دشمن سے اپنا کام لیا جاتا ہے۔

ذرا غور کریں اگر آپ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ یوں تو دو وجود بن جاتے ہیں اور الصمد ہونے کے لیے تو ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے تو پھر کیا اللہ الصمد ہو سکتا ہے؟ پھر اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا تو جو الصمد ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ ہے ہی نہیں ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا بلکہ جو اللہ وجود رکھتا ہے جو اللہ ہے وہ الصمد ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کہتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو ذرا غور کریں کیا ایسا اللہ الصمد ثابت ہو سکتا ہے؟ یعنی اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ ہے اگر پانی ہٹا دیا جائے تو کیا وہ پانی کے بغیر بارش برسا سکتا ہے؟ پہلی بات کہ اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ تو پھر دو وجود ثابت ہو کر اللہ الصمد ہی نہیں رہتا اور اگر مان لیا جائے کہ کوئی اللہ کا شریک بنا اس نے پانی کا اللہ سے الگ وجود تسلیم کیا تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اللہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود کا محتاج ہے یوں اللہ نہ تو الصمد ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی الغنی کیونکہ یوں نہ صرف دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں جس سے اللہ کے الصمد ہونے کا رد ہو جاتا ہے بلکہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود پانی کا محتاج ہو گیا۔

اسی طرح اگر سورج الگ ہے اور اللہ الگ تو پھر پہلی بات کے اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں اور دوسری بات کہ اللہ زمین پر نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اگر سورج کو ہٹا دیا جائے تو کیا وہ سورج کے بغیر زمین کو روشن کر سکتا ہے؟ سورج کے بغیر زمین کا نظام چلا سکتا ہے؟ اگر ممکن تھا تو ایسا کیا کیوں نہیں اور اگر کر رہا ہے اس کے باوجود کہ اللہ الگ اور سورج الگ ہے تو نہ صرف ایسا اللہ الصمد ثابت نہیں ہوتا بلکہ زمین کو روشن کرنے اور نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ کسی بھی شئے کی مثال سامنے رکھ لیں اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر وہ الصمد کیسے ہوا وہ تو کائنات بنانے کے لیے مادے کا محتاج ثابت ہو گیا کیوں کہ کائنات تو مادے سے وجود میں آئی اور مادہ گیسوں سے یوں گیسوں کا محتاج ثابت ہو گیا اور گیسیں نور یعنی انرجی سے یوں وہ انرجی کا بھی محتاج ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر اللہ الگ ہے اور نور یعنی انرجی الگ ہے تو پھر ایک تو اللہ الصمد ہی نہ ہوا کیونکہ اس کے علاوہ بھی وجود ثابت ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ تو نور یعنی انرجی کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔

اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر اللہ احد یعنی ایک ہی وجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اللہ تو واحد ثابت ہو جاتا ہے واحد یعنی اور ایک۔ ایک ہی صورت میں اللہ احد ثابت ہوتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ بھی ہے اسی ایک اللہ کا ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اللہ اسے برداشت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ اللہ احد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، اللہ واحد نہیں ہے یعنی اور ایک نہیں ہے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو یوں اللہ احد نہیں بلکہ واحد یعنی اور ایک ثابت ہو جاتا ہے کائنات اور ایک اللہ۔

جب آپ آسمانوں وزمین میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ جو وجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہ ایسا وجود ہے کہ نہ تو اس کو کوئی الگ سے بنانے والا ہے نہ ہی اسے بنانے کے لیے الگ سے مواد کی ضرورت ہے بلکہ یہ وجود الصمد ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ وجود خود ہی کر رہا ہے خود ہی ہو رہا ہے۔ مثلاً آپ کسی بھی خلق کی مثال لے لیں کسی بھی شئے میں بھی غور کر لیں تو کوئی دوسرا سامنے آئے گا ہی نہیں خالق، مخلوق اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے یہی وجود سامنے آئے گا۔

آم کے درخت کی ہی مثال لے لیں آم کے درخت کی تخلیق کے پیچھے بطور خالق آپ کو یہی مخلوقات ہی نظر آئیں گی سمندر، ہوائیں، بادل، سورج، چاند، زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات ہی بطور خالق آپ کے سامنے آئیں گی یوں خالق بھی یہی وجود اور جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یوں اس وجود کا یعنی اللہ کا الصمد ہونا اس سوال کو بھی مٹا دیتا ہے کہ اس کائنات کو کس نے خلق کیا۔ کوئی دوسرا ہوگا تو یہ سوال پیدا ہوگا اور اگر اس کائنات میں یعنی جو وجود ہے اس میں کوئی باہر سے آ کر کچھ خلق کر رہا ہو تب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اسے کس نے خلق کیا جب سامنے نظر آ رہا ہے کہ یہ خود ہی خالق ہے خود ہی خلق اور خود ہی وہ جس سے خلق کیا جا رہا ہے تو تمام تر سوالات ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

آپ اسی کو ایک اور پہلو سے بھی بہت ہی آسانی سے جان سکتے ہیں مثلاً آپ کوئی بھی شئے سامنے رکھ لیں کسی بھی شئے میں غور کریں تو وہ شئے صرف اور صرف تین وجود کو ثابت کرے گی یعنی کوئی بھی شئے جب اس میں غور کیا جائے تو وہ فعل، فائل اور مفعول یعنی خلق، خالق اور مخلوق کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔

ایک جو شئے آپ کے سامنے ہے اس کا وجود ثابت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور دوسرا وہ جس سے وجود میں آئی یعنی مواد اس کے وجود کا کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا اور تیسرا اس کا خالق یعنی اسے بنانے والا ثابت ہوتا ہے اس کے وجود کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

اب اگر یہ تینوں وجود مل جاتے ہیں تو پیچھے کوئی ایسا بچتا ہی نہیں جس کا وجود ثابت ہو اور اسے تلاش کیا جائے کیونکہ صرف اور صرف یہ تین ہی وجود ثابت ہوتے ہیں۔

اب آپ اس شئے کو دیکھیں تو وہ خود موجود ہے اس لیے اس کی تلاش یہیں ختم ہو جاتی ہے پھر دوسرا وجود جس سے وہ وجود میں لائی گئی یعنی جس سے بنائی گئی وہ بھی موجود ہے یوں اس کی بھی تلاش ختم ہو جاتی ہے اب پیچھے رہ جاتا ہے صرف اور صرف ایک ہی وجود جو کہ اس کا خالق ہے فاعل ہے اگر وہ بھی مل جائے تو تلاش ختم ہو جاتی ہے اس کے علاوہ پیچھے کوئی رہتا ہی نہیں جسے تلاش کیا جائے اور اگر وہ نہیں ملتا نہیں سامنے آتا تو پھر اسے اس وقت تک تلاش کیا جائے گا جب تک کہ وہ مل نہیں جاتا۔

آسمانوں وزمین یا جو کچھ بھی موجود ہے وہ تو بالکل سامنے ہے اور جس سے یہ سب خلق ہوا ظاہر ہے وہ بھی ان سب کی صورت میں سامنے ہے پیچھے رہ جاتا ہے ان کا خالق اب اسے تلاش کرنا ہے اور اگر وہ مل جائے تو تلاش ختم ہو جائے گی۔ اب آپ آسمانوں وزمین میں کہیں بھی غور وفکر کر لیں خواہ آپ اپنی ہی ذات میں غور وفکر کر لیں یا کسی بھی خلق میں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ خالق بھی بذات خود یہی وجود ہی سامنے آئے گا نہ کہ اس کے علاوہ کوئی

اور جو باہر سے آ کر خلق کر رہا ہے۔
مثلاً بارشیں برستی ہیں تو ظاہر ہے ان کا برسانے والا بھی کوئی ہے تو جب آپ بارشوں کے برسنے کے پیچھے جھانک کر دیکھیں کہ ان کو برسانے والا کون ہے تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا۔
ایسے ہی آپ کسی بھی پودے یا فصل کے خالق کو جاننے کے لیے اس میں غور وفکر کریں تو اس کے خالق کے طور پر بھی آپ کو یہی وجود جو مخلوقات نظر آ رہی ہیں یہی سامنے آئے گا، سمندر اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں، ہوائیں اپنی ذمہ داری، فضا اپنی ذمہ داری، زمین اپنی ذمہ داری زمین میں لاتعداد مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں، سورج اور چاند اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں ان کے پیچھے موجود مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں تو نہ صرف بارشیں برستی ہیں بلکہ ان سے نباتات بھی وجود میں آتی ہیں یوں جب آپ غور وفکر کریں گے تو یہی کُل کا کُل پورا وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا بطور خالق نہ کہ کوئی ایسی ذات سامنے آئے گی جو باہر سے آ کر کچھ کر رہی ہے۔
یوں تینوں وجود بالکل کھل کر سامنے آ گئے تو پیچھے تلاش کس کو کیا جائے گا؟ تلاش تو اسے کیا جاتا ہے پہلی شرط کہ اس کا وجود ثابت ہو اور دوسری شرط کہ وہ حاضر کی بجائے غائب ہو اور اگر جس کا بھی وجود ثابت ہے وہ سب کا سب سامنے ہے تو پھر پیچھے تلاش کسے کیا جائے گا؟ تلاش تو ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی تلاش کرتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ اسے تلاش کر رہا ہے جس کا کوئی وجود ہے ہی نہیں سوائے اس کے دماغ میں ایک تصور یا پھر عقیدے ونظریے کے۔
ان تینوں کو ایک کیا جائے تو یہ ہے " اَللّٰہُ الصَّمَدُ " یعنی نہ صرف ایک ہی وجود ہے بلکہ خالق، خلق اور مخلوق خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔
اب آگے دیکھیں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ.
لَمْ ہرگز نہیں کسی بھی صورت نہیں بالکل نہیں يَلِدْ
آگے بڑھنے سے پہلے یلد یولد میں اصل لفظ " لد " کو سمجھ لیں " لد " کے معنی ہیں ایک وجود کا دوسرے سے الگ ہونا یعنی ایک سے دوسرا وجود وجود میں آنا۔
لَمْ يَلِدْ بالکل نہیں کسی بھی صورت نہیں ہرگز نہیں اس نے خود سے کوئی وجود الگ کیا یعنی وہ کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں وَلَمْ يُوْلَدْ اور نہ ہی وہ کسی سے الگ ہوا یعنی نہ ہی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا وجود ہے جس سے اللہ وجود میں آیا۔ ظاہر ہے جب ایک ہی وجود ہے تو پھر یلد ولد کا تو تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی اس کے باوجود دوسرے وجود کا دعویدار ہو گا تب ہی یہ کہا جائے گا لَمْ يَلِدْوَلَمْ يُوْلَدْ.

اب ذرا غور کریں اگر آپ یہ عقیدہ ونظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور پھر آپ سے سوال کیا جائے کہ کائنات کو کس نے وجود دیا تو آپ جواب دیں گے اللہ نے تو یوں آپ اپنی زبان سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ احد نہیں بلکہ واحد ہے اللہ الصمد نہیں ہے اور اللہ نے یلد کیا یعنی اللہ نے ایک دوسرا وجود وجود میں لایا۔ ظاہر ہے جب آپ یہ کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو الگ سے یعنی بطور دوسرا وجود وجود میں لانے والا اللہ ہے تو اسے عربوں کی زبان میں یلد کہا جائے گا۔
قرآن میں اللہ کہہ رہا ہے لم یلد لیکن آپ ماننے کو تیار ہی نہیں اور جب آپ اللہ کو جاننے کے لیے اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں جہاد کریں یعنی اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں اپنی پوری کوشش کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی لم یلد ولم یولد یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی وجود ہے جب ایک ہی وجود ہے تو دوسرے وجود کا کوئی تصور ہی نہیں اس لیے یلد ولد کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جب اس میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہ وجود ہے ہی الصمد خود کار ہے خود ہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اس لیے واحد یا پھر یلد ولد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی کہ اس کو کس نے خلق کیا یہ بھی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر پہلے علم نہ ہونے کی بنیاد پر یہ سوال موجود تھا تو یہ سوال مٹ جاتا ہے کالعدم ہو جاتا ہے۔
اس کے باوجود اگر آپ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات پر ڈٹے رہیں گے اور یہی کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو اللہ نے الگ وجود دیا تو آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا تو دیکھیں اللہ نے قرآن میں آپ کے اس بہتان کی جگہ جگہ کتنی سخت

کیساتھ تردید کی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. البقرة ۱۱۶

وَقَالُوا یہ حال کا صیغہ ہےاس موجودہ وقت کی بات ہورہی ہے جس میں آج آپ موجود ہیں۔ اس وقت دنیا میں جوانسان موجود ہیں ان سے اللہ کلام کررہا ہے یہ لوگ جہاں باقی سب میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اختلاف کررہے ہیں وہیں اللہ کے بارے میں بھی کہہ رہے ہیں اتَّخَذَ تین الفاظ کا مجموعہ ہے شروع میں الف ہے جو کہ سوالیہ بنا دیتا ہے آگے ’’ ت ‘‘ ہے جو کائنات یعنی جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے اس کا اظہار کررہی ہے اگلا لفظ ہے ’’ خذ ‘‘ جس کے معنی ہیں اخذ کرنا یعنی یہ کہا جارہا ہے یہ جو کائنات ہے جو بھی وجود ہے یہ کیا ہے اللّٰہُ وَلَدًا اللہ ہے اس نے ولد اخذ کرلیا یعنی اس وقت جو لوگ دنیا میں آباد ہیں یہ اپنے قول وفعل سے یہ دعویٰ کررہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا، اللہ الگ ہے اور کائنات الگ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کرلیا یعنی اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے اللہ الگ ہے اور یہ کائنات اللہ الگ سے وجود میں لایا ہے اس لیے یہ کائنات الگ ہے ان کی اس بات کے رد میں اللہ کا کہنا ہے سُبْحٰنَهٗ یہ جملہ چار الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ہے ’’ سبح ‘‘ دوسرا ’’ ا ‘‘ تیسرا ’’ ن ‘‘ اور چوتھا گول والی ’’ ہ ‘‘ پر پیش ہے۔

سبح کے معنی ہیں جو بھی کرنے کا کہا جارہا ہے اس پر فوری تیزی کیساتھ اسی طرح عمل کیا جارہا ہے اور آگے الف کے معنی ہیں جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل، یعنی جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل جو بھی حکم دیا جارہا ہے جو بھی کرنے کو کہا جارہا ہے اسے فوری تیزی کیساتھ کررہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے؟ کون حکم دے رہا ہے؟ اور کون عمل کررہا ہے؟ تو آگے اسی کا جواب ہے ’’ ن ‘‘ یعنی ہم اللہ خود کو کہہ رہا ہے اور کیا ہے اللہ آگے اسی کا جواب ہے گول والی ’’ ہٗ ‘‘ پر پیش یعنی یہ جو وجود تمہیں نظر آرہا ہے یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کا وجود ہے اور تم جو کہہ رہے ہو اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے اور آسمانوں وزمین میں چھیڑ چھاڑ کررہے ہو یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بَلْ لَّهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اسی وجود کا ہے جو وجود موجود ہے جو ذات اپنا وجود رکھتی ہے جو کچھ بھی تمہیں نظر آرہا ہے یعنی جیسے آپ کے جسم میں جتنے بھی اعضاء ہیں یہ آپ کے ہیں اور آپ کے تمام اعضاء آپ ہی کے لیے کام کرتے ہیں مثلاً ہاتھوں کا کام ہے اپنے ہی وجود کی دیکھ بھال کرنا وجود کو کوئی نقصان نہ پہنچے وجود کی ضروریات اسے مہیا کرنا، آنکھوں کا کام ہے وجود کے لیے دیکھنا اسی طرح زبان کا کام ہے اپنے ہی وجود کی ترجمانی کرنا جیسے آپ کہتے ہیں یہ زبان میری ہے یہ ہاتھ میرے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ ہاتھ، پاؤں، زبان یا باقی اعضاء وجود سے الگ ہیں یا الگ سے اپنا کوئی وجود رکھتے ہیں بالکل اسی طرح جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے اسی کا وجود ہے كُلٌّ لَّهٗ تمام کا تمام جو کچھ بھی موجود ہے یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اسی وجود کا ہی ہے قٰنِتُوْنَ یہ جو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان کیساتھ چھیڑ چھاڑ کی جارہی ہے ان کے ساتھ ظلم کیا جارہا ہے ان کو ان کے مقامات سے ہٹایا جارہا ہے جس وجہ سے انہیں طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا ہے تکالیف کا سامنا ہے ہم ہیں قناعت کررہے یعنی اللہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ میں ہوں جو قناعت کررہا ہوں۔ جیسے کہ آپ اس وقت آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان کو دیکھیں ان کیساتھ جو ظلم وزیادتیاں انسان کررہا ہے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے فساد کی وجہ سے تو بدلے میں مخلوقات صبر کررہی ہیں برداشت کررہی ہیں کوئی شکوہ وشکایت نہیں کررہیں یہ ہے ان کا قناعت کرنا اور اللہ کہہ رہا ہے یہ میں قناعت کررہا ہوں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ میرا وجود ہے۔

اب آپ خود غور کریں انسان جو آسمانوں اور زمین میں چھیڑ چھاڑ کررہے ہیں فساد کررہے ہیں تمام مخلوقات کا غلط استعمال کررہے ہیں انہیں ان کے مقامات سے ہٹا رہے ہیں وہ کیا کہتے ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا وجود ہے، ہم اللہ سے دشمنی کررہے ہیں یا پھر ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ہمارے لیے ہی خلق کیا گیا ہے اس لیے ہم جو جی چاہیں ان کیساتھ کریں اور کررہے ہیں۔ جب انسانوں کا دعویٰ یہ ہے تو ظاہر ہے اللہ انسانوں کے اس دعوے کی تردید کررہا ہے کہ اگر اللہ الگ ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ الگ ہے تو یہ اللہ کا ولد اخذ کرنا ہے اور اللہ نے ولد اخذ نہیں کیا یعنی اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں لایا ہی نہیں اس کے سوا کوئی وجود ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں اس کا شریک یعنی کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ہُوَ الۡغَنِیُّ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ. قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ. یونس ۶۸، ۶۹

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ اس وقت دنیا میں جوانسان موجود ہیں جن سے اللہ خطاب کر رہا ہے جو قرآن کے مخاطب ہیں یعنی وہ جو خود کو مسلمان کہلوا رہے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا یعنی کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے لیکن ان کے برعکس اللہ ان کی بات کا رد کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ ولد اخذ کرے یعنی اس نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا ہُوَ الۡغَنِیُّ ھُوَ کیا ہے یہ آپ پیچھے جان چکے یہاں کہا جا رہا ہے کہ ھُوَ الغنی ہے یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے اللہ الغنی ہے یعنی ھوالغنی ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ ھو ہی ہے جو ہر کام خود ہی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے کا محتاج ہے ہی نہیں نہ وہ اپنا کام کسی دوسرے وجود سے کرواتا ہے اول تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنے گا تو ھوالغنی ہے وہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ وہ شریک ہونے کا دعویدار ہے تو اس کیساتھ شریکوں والا ہی سلوک کیا جائے گا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے آسمانوں و زمین الگ ہیں جو کچھ بھی ان میں ہے یہ الگ ہے تو پھر اس کا مطلب کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ تو ہر کام کے لیے ان مخلوقات کا ہی محتاج ہے؟ یوں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ وہ اپنے قول و فعل سے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ فقیر ہے لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی جیسے آپ کہتے ہیں یہ ہاتھ میرے ہیں زبان میری ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہی وجود ہے اور اگر کوئی الگ سے وجود ہونے کا دعویدار ہوگا تو اسے حق نہیں ہے کہ وہ شریک بنے اس کے باوجود اگر وہ اللہ کا شریک بنتا ہے یا شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ اپنا شریک برداشت نہیں کرتا یعنی جو وجود ہے یہ وجود اپنا شریک برداشت نہیں کرتا اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا یہ جو بھی کہہ رہے ہیں کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو اوپر آسمانوں میں موجود ہے ان کے پاس اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کوئی سلطان نہیں یعنی ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں کہ جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کر سکیں جب ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کر سکیں تو پھر اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کیوں اللہ پر ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں دیا جا رہا یعنی جن سے تم ہدایت کے لیے رجوع کر رہے ہو جو تمہارے آباؤ اجداد ہیں جو تمہارے ملاں ہیں جب اللہ کے بارے میں تمہیں علم دے ہی نہیں رہے وہ خود تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوال مت کرو اللہ کے پیچھے مت پڑو اللہ کو مت جانو تو تم کون ہوتے ہو اللہ پر بات کرنے والے؟ ظاہر ہے جب نہ تو خود تمہارے پاس اللہ کے بارے میں علم ہے اور نہ ہی تمہاری راہنمائی کے دعویدار جن کے پیچھے تم چل رہے ہو وہ تمہیں اللہ کے بارے میں علم دے رہے ہیں بلکہ وہ تو الٹا تمہیں روک رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوچنا بھی مت ورنہ تمہیں طرح طرح کے فتوؤں سے ڈراتے ہیں اور تم اللہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان رہے تو پھر تم یہ جو بغیر علم کے اللہ پر باتیں کیے جا رہے ہوں کیوں ایسا کر رہے ہو؟ کس نے تمہیں یہ حق دیا؟ کس بنیاد پر ایسا کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس تمہاری کسی ایک بھی بات کا ثبوت ہے؟ نہیں ہے تمہارے پاس کسی ایک بھی بات کا ثبوت جو تمہاری کسی ایک بھی بات کو سچا ثابت کر سکے جو تم اللہ پر کہہ رہے ہو۔

آپ خود بھی یہ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے بھی لوگ ہیں جو حق کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ اللہ کیا ہے تو ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور اگر اپنی طرف سے کوئی جواب دیں گے بھی تو اس پر لاتعداد سوالات پیدا ہو جائیں گے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ انہی لوگوں کو کہا جا رہا ہے جب تمہیں اللہ کے بارے میں علم دیا ہی نہیں جا رہا تو پھر تم کیوں اللہ پر بات کر رہے ہو اللہ کے بارے میں حق سامنے لایا جاتا ہے تو کیوں بغیر علم کے جھگڑ رہے ہو۔

قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ اللہ اپنے بھیجے ہوئے کو کہہ رہا ہے یعنی آج اس وقت اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ کو کہہ رہا ہے جس کے ذریعے اس وقت اللہ انسانوں سے کلام کر رہا ہے کہ انہیں کہو اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو افتراء کر رہے ہیں اللہ پر جھوٹ کذب وہ بالکل فلاح نہیں پا رہے۔

ظاہر ہے جب آپ کو اللہ کے بارے میں علم ہی نہیں تو آپ کیوں اللہ پر افترا کر رہے ہیں؟ اللہ سے منسوب کر کے طرح طرح کی باتیں گھڑ رہے ہیں؟ اللہ کے بارے میں جب کچھ علم ہی نہیں تمہارے پاس تو تم اللہ کی نمائندگی کے دعویدار کیسے بنے ہوئے ہو؟ اب بھی تمہارے پاس وقت ہے رجوع کر لو ورنہ کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے نہ صرف دنیا میں تمہارے لیے ہلاکت ہے بلکہ آخرت میں بھی تمہارے لیے ہلاکت ہے۔

اگلی آیت جس کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا اس میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہ اللہ پر جو افتراء کر رہے ہیں دنیاوی متاع کے لیے ایسا کر رہے ہیں صرف اور صرف دنیاوی مال و متاع کی خاطر یہ اس گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اللہ کے نمائندے بن کر انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

پھر یہی بات کہ اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا اس کا ذکر سورۃ الاسراء یعنی بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۱۱ میں بھی کیا ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا

الاسراء ۱۱۱

اللہ اپنے رسول یعنی اپنے بھیجے ہوئے کو جس کے ذریعے اللہ آج اس وقت انسانوں سے کلام کر رہا ہے یعنی انسانوں سے بات کر رہا ہے آج اس وقت انسانوں پر سب کچھ کھول کھول کر واضح کر رہا ہے انسانوں پر اپنی حجت کر رہا ہے جو بشر اس وقت انسانوں تک اللہ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا رہا ہے اللہ اسے کہہ رہا ہے وَقُلِ اور انہیں کہہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ کے لیے ہے ہی حمد یعنی اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی کوئی نقص کمی کجی کوتاہی یا عیب وغیرہ نہیں ہوتا اللہ کا ہر کام ہر لحاظ سے مکمل اور پرفیکٹ ہوتا ہے اب اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو ذرا غور کریں کائنات اللہ تو نہ ہوئی جب کائنات اللہ نہیں تو دیکھیں اس کائنات میں جو کچھ بھی خلق ہو رہا ہے وہ کیسے خلق ہو رہا ہے کون خلق کر رہا ہے؟ کیا یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے نہیں آئیں گی؟ جب یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے آئیں گی تو پھر اللہ کہاں گیا؟ دوسری بات جہاں تک تمہاری پہنچ ہے وہاں تک غور کرو جو بھی وجود میں آیا اسی کائنات نے خود ہی وجود میں نہیں لایا؟ جب اسی وجود نے خود ہی وجود میں لایا ہے اور یہ اللہ بھی نہیں تو اس میں حمد کہاں سے آ گئی کیوں کہ حمد تو صرف اور صرف ہے ہی اللہ کے لیے۔ آپ جب غور و فکر کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا یہی وجود ہی وہ ذات ہے یعنی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی وجود ہے ہی نہیں اللہ نے کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو نظر آ رہا ہے یہی ذات ہی اللہ ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی الگ سے اللہ ہے۔ اور مزید یہ بھی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور ہرگز نہیں ہے کہ ہو اس کا شریک اس کے ملک میں۔ جیسے آپ کا وجود آپ کی مِلک ہے آپ اپنے وجود کے مالک ہیں آپ کا وجود آپ کا مُلک کہلائے گا بالکل اسی طرح جو وجود ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یا جو بھی وجود ہے یہ اسی کی مِلک ہے یعنی اسی کی ملکیت ہے یہ خود ہی ہے اگر کوئی اس میں شریک بنے گا یعنی اگر کوئی فطرت سے بغاوت کرتا ہے اس کا شریک بنتا ہے تو اس کے لیے ہے ہی نہیں کہ وہ اس وجود کا شریک بن سکے یہ وجود یہ فطرت اسے قطعاً برداشت نہیں کرے گی یہ وجود جو کہ اللہ کا وجود ہے اللہ اپنے وجود میں اپنا شریک قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

کوئی بھی اگر فطرت کی ضد بنتا ہے تو یہ اس وجود کا شریک بنتا ہے یہ جو وجود ہے جو بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ ضد بننے والے کو کالعدم کر دیتا ہے اس کا نام و نشان مٹا دیتا ہے یہ وجود صرف اور صرف اسی کا وجود برداشت کرتا ہے جو اس کا اپنا وجود ہے جو اپنے وجود کے تابع رہے گا۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا اور ہرگز نہیں اس کو کہ ہو جائے اس کا ولی یعنی اس کے مقصد و مشن میں اس کا معاونت کار پست سے اور جو بڑا ہو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو رہا ہو یعنی اگر کوئی اس وجود کا شریک بنتا ہے اس کی ضد بنتا ہے اس کے خلاف چلتا ہے تو اس کا جو بھی مقصد و مشن ہے اس میں کوئی پست سے پست ہو یا بڑے سے بڑا خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے مقصد و مشن میں اس کی معاونت نہیں کر سکتا کہ وہ فطرت کے مقابلے پر قائم رہ سکے وہ اس وجود اللہ کے مقابلے پر ٹھہر سکے۔

یہی اللہ نے قرآن کے ایک اور مقام پر بھی واضح کر دیا۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔ الفرقان ۲

الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا یہی وجود ہی وہ ذات ہے جس کا ملک ہے یعنی جس کی ملکیت ہے جس کا وجود ہے آسمان اور زمین اور ہرگز نہیں اخذ کیا کچھ بھی کوئی ایک بھی ولد یعنی کوئی ایک بھی خلق یا کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو دوسرے وجود کی حیثیت سے وجود میں لایا گیا ہو ایک ہی وجود ہے جو وجود ہے اللہ ہے اللہ نے کوئی بھی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ اور نہ ہی کوئی ایسا ہے کہ اس کے لیے ہو جائے کہ وہ اس کے ملک میں شریک بن سکے یعنی جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا وجود نہیں اگر کوئی اس کا شریک بننے کی کوشش کرے گا یعنی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنے گا تو اس کے لیے ہے ہی نہیں کہ یہ وجود اسے بطور ایک دوسرے وجود کے برداشت کرے فطرت اسے کالعدم کر دے گی جو بھی فطرت سے مطابقت رکھنے کی بجائے اس کی ضد بنے گا تو فطرت اس کا نام ونشان مٹا دے گی فطرت یہ وجود جو کہ اللہ ہے اللہ کوئی دوسرا وجود برداشت کرتا ہی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو اللہ کے وجود میں اپنی من مانیاں کرے اور قائم رہ سکے ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا اور تمام کی تمام اشیاء یعنی جو کچھ بھی ہے پس سب کا سب پورے حساب کتاب یعنی پوری کیلکولیشن سے خلق ہو رہا ہے خلق ہوا ہے پوری میتھے میٹکس سے انتہائی پیچیدگیوں سے باریکیوں سے سب کا سب نظام چل رہا ہے یعنی یہ کائنات یہ وجود جو کہ اللہ ہے آپ کو اپنے آپ میں ایک دماغ نظر آئے گا جو انتہائی ذہین دماغ ہے جو رائی برابر بھی کہیں فرق نہیں کرتا جو کچھ بھی ہو رہا ہے پوری کیلکولیشن سے ہو رہا ہے اب اگر کوئی اس کیلکولیشن کے خلاف چلے گا اس کے رائی برابر بھی خلاف کرے گا تو ظاہر ہے یہ وجود اسے برداشت نہیں کرے گا۔

ایسی ہی مزید آیات ہیں جن میں اللہ نے مزید مختلف پہلوؤں سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اللہ نے ولد اخذ نہیں کیا یعنی یہ جو انسان کہہ رہے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کائنات کو کس نے وجود دیا تو پھر کہتے ہیں کہ اللہ نے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے یلد کیا یعنی اللہ نے اپنے علاوہ الگ سے وجود وجود میں لایا جس کو عربوں کی زبان میں یلد کہتے ہیں خود سے الگ وجود وجود میں لانا۔ اللہ نے یلد نہیں کیا یعنی کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں اس لیے اگر کوئی اس کا شریک بنے گا کسی بھی صورت میں یعنی اس وجود سے الگ وجود ہونے کا دعویدار بنے گا اس کی ضد بنے گا تو اس کو اللہ برداشت نہیں کرے گا یعنی یہ وجود اسے برداشت نہیں کرے گا فطرت اسے برداشت نہیں کرے گی فطرت اسے کالعدم کر دے گی۔

اب اس کے باوجود بھی اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو پھر آپ نہ صرف اللہ کے احد ہونے کا کفر کر رہے ہیں آپ کا کہنا ہے کہ ایک ہی وجود نہیں بلکہ دو یا تین وجود ہیں ایک کائنات، ایک جس سے کائنات وجود میں آئی اور ایک اللہ جس کو عربوں کی زبان میں کہا جائے گا اللہ واحد یعنی اللہ اور ایک ہے، اللہ کے علاوہ اور وجود بھی ہیں۔ حالانکہ اللہ نے سختی کیساتھ اس بات کی نفی کر دی کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی وجود ہے ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود نہیں ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔

اس کے علاوہ آپ اللہ کے الصمد ہونے کا کفر کر رہے ہیں اس کے علاوہ آپ اللہ کے یلد ولد کا دعویٰ کر رہے ہیں اب آپ سوچ لیں آپ کہاں کھڑے ہیں۔

پھر آگے آجاتی ہے سورۃ اخلاص کی آخری آیت وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور ہرگز نہیں اس کے لیے کہ وہ احد کافی ہو جائے یعنی جو بھی یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ ہوں تو دیکھو کیا وہ احد ثابت ہو جاتا ہے یا اگر کوئی جسے بھی اللہ کہتا ہے کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے، ایشور ہے گاڈ ہے تو جسے بھی اللہ ایشور یا گاڈ کہا جا رہا ہے دیکھو کیا وہ احد ثابت ہو جاتا ہے؟ جو احد ثابت نہیں ہوتا وہ اللہ ہے ہی نہیں کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی احد کافی ہو ہی نہیں سکتا اس لیے جو احد ثابت ہو جائے یعنی ایک ہی وجود اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں جو ایک ہی وجود ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ سورۃ اخلاص اللہ کے موضوع کو کس قدر کھول کھول کر واضح کر دیتی ہے سورۃ اخلاص سے بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے اللہ پر اٹھنے والے تمام سوالات کا دروازہ بند ہو گیا اس کے باوجود ہم مزید اور پہلوؤں سے آپ پر اللہ کو واضح کرتے ہیں۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. البقرۃ ۲۵۵

لَ کا ہُ جو موجود ہے جو وجود موجود ہے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہی بات باقی درج ذیل آیات میں بھی کہی گئی۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. النساء ۱۷۱

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. یونس ۶۸

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النحل ۵۲

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. طٰہٰ ۶

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الانبیاء ۱۹

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. الحج ۶۴

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الروم ۲۶

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. الشوریٰ ۴

لَـهُ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ '' ل '' پر زبر ہے '' لَ '' جس کے معنی ہیں کا، کی، کو وغیرہ اور دوسرا لفظ ہے گول والی '' ہ '' پر پیش '' ہُ ''۔ لَـهُ میں گول والی '' ہُ '' پر پیش سے اس کا معنی بنتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے جو وجود موجود ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون موجود ہے جب آپ غور کریں گے دیکھیں گے اپنے اردگرد غور کریں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ آپ موجود ہیں اور پھر صرف آپ ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ موجود ہے جیسے کہ درخت اور پہاڑ اور سمندر اور زمین اور چاند اور سورج سمیت جہاں تک آگے جایا جا سکتا ہے یہ ایک ہی وجود کی صورت میں سامنے آئے گا جیسے کہ ایک ہی وجود کے ہی تمام کے تمام اعضاء ہیں۔ اب جب کہ جو نظر آ رہا ہے یہی وجود موجود ہے تو پھر جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ کیا کسی اور کا ہے؟ اگر کسی اور کا ہوتا تو آیت میں گول والی '' ہُ '' پر پیش کا استعمال نہ کیا جاتا کیونکہ گول والی '' ہُ '' پر پیش اس کا اظہار کر رہی ہے اس کا ذکر کر رہی ہے اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو وجود موجود ہے جب آیات میں دوٹوک الفاظ میں کہا جا رہا ہے کہ جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے تو پھر اگر کوئی اس کے باوجود بھی بات کو اِدھر اُدھر لے جانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا کرنے والا کوئی مشرک ہی ہو سکتا ہے جو حق کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کو ہی حق کا نام دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ فاسق ہی ہو سکتا ہے جو اللہ کی بات کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو آج تک یہ سنتے آئے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہ اللہ کا ہے تو کیا یہ سب اللہ کا نہیں ہے؟ تو اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ جو وجود نظر آ رہا ہے یہ الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو کہ اللہ لفظ کے پردے میں اللہ آپ کے عقیدے و نظریے کا نام ہے تو پھر ایک ہی بات حق ہے یا تو آپ سچے ہیں اور قرآن جھوٹا ہے جو وجود موجود ہے جو نظر آ رہا ہے وہ حق نہیں بلکہ اس کے برعکس محض آپ کے دماغ کا تخیل آپ کے دماغ کی اختراع جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں جو محض اللہ کے نام پر من گھڑت عقیدہ و نظریہ ہے وہ حق ہے یا پھر آپ کا تخیل آپ کے دماغ کی اختراع اللہ کے نام پر آپ کا عقیدہ و نظریہ بے بنیاد و باطل ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں اور اس کے برعکس جو وجود موجود ہے وہی حق ہے قرآن سچا ہے۔

بلاشک وشبہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے لیکن اللہ وہ نہیں جسے آپ نے اپنے دماغوں میں اللہ کے نام پر عقیدہ و نظریہ اخذ کیا ہوا ہے بلکہ یہ آیات بذات خود کھول کھول کر واضح کر رہی ہیں کہ اللہ کسی عقیدے و نظریے کا نام نہیں بلکہ اللہ تو یہی وجود ہے جو وجود موجود ہے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اسی کا وجود ہی نظر آ رہا ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا اور اسی بات کو درج ذیل آیت میں بالکل کھول کر واضح کر دیا۔

اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. ابراھیم ۲

اللہ وہ ذات ہے جو وجود موجود ہے، جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

اس آیت میں مزید کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو وجود ہے جو موجود ہے وہی اللہ کی ذات ہے اللہ ہی ہے یعنی آپ کو جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا

ہے جب یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ظاہر ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ ہی کا تو ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے جسم کے تمام اعضاء آپ کے ہیں آپ کے وجود میں ہاتھ آپ کے ہیں آپ کے وجود میں پاؤں آپ کے ہیں آپ کے وجود میں جو کچھ بھی ہے آپ کا ہی ہے۔

یہاں تک حق اس قدر کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اہل العقائد یہ اعتراض کھڑا کر سکتے ہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ اس طرح اللہ کا ہے جیسے کہ ہمارے وجود میں تمام اعضاء ہمارے ہیں بلکہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جیسے ہم کسی شئے کو بناتے ہیں، لاتے ہیں یا خریدتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ ہماری ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہے نہ کہ اللہ کا وجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل العقائد مشرکین کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ جب قرآن میں لَهٗ کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو پھر کسی بھی صورت ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور یہ اس طرح اللہ کا ہے جیسے کوئی شئے الگ سے خریدی یا بنائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے یہ میری ہے۔ آیات میں الگ سے اللہ کا لفظ نہیں آیا بلکہ لَهٗ کا استعمال کیا گیا اور اس میں گول والی ''ہ'' پر پیش اس وجود کا اظہار کر رہی ہے جو وجود موجود ہے جو وجود موجود ہے وہی اللہ ہے نہ کہ اس کے علاوہ الگ سے کوئی اور اللہ ہے۔ اس لیے قرآن کی آیات ہی اہل العقائد مشرکین کے عقائد و نظریات و اعتراضات کا رد کر رہی ہیں اور پھر دوسری بات اس کے باوجود بھی اگر کوئی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دیکھیں اللہ کیسے اپنی آیات کو پھیر پھیر کر ہر پہلو سے کھول کھول کر سامنے لا رکھتا ہے کہ چاہ کر بھی کسی کے پاس کوئی عذر نہ رہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ. الانعام ۳

اور ھُوَ اللہ ہے، ھُوَ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ گول والی ''ہ'' پر پیش ہے اور دوسرا لفظ ''وَ'' پر زبر ہے، گول والی ''ہ'' پر پیش جو موجود ہے اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی موجود شئے کا اظہار کر رہی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجود ہے تو ذرا غور کریں کیا موجود ہیں؟ سب سے پہلے تو آپ خود موجود ہیں اسی طرح دیکھیں آپ کے علاوہ اور کیا موجود ہے؟ آگے آتا ہے ''وَ'' جس کے معنی ہیں اور پھر ''وَ'' پر زبر ہے جس سے ''وَ'' یعنی اور ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی کہ دیکھیں آپ اور آپ کے علاوہ کیا موجود ہے؟ جو موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے اور کچھ بھی نہ رہے جو کچھ بھی ہے سامنے آ جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اَللّٰهُ اللہ ہے۔ اَللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ اللہ ہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اس آیت میں بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہی ہے کوئی اور ہے ہی نہیں، اب اس کے بعد تو کسی بھی قسم کا کوئی اعتراض اٹھانا گویا کہ واضح طور پر علی الاعلان اللہ اور قرآن کا کفر ہوگا۔

جو شئے کسی کی ہوتی ہے تو وہ اس کی مِلک ہوتی ہے یعنی اس کی ملکیت ہوتی ہے اور جو مِلک میں ہوتا ہے وہ مُلک کہلاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ یہ شئے میری ہے یا یہ میرا ہے اس کا کب کہاں کیسے کیوں کتنا اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے یا اس نے کچھ کرنا ہے تو صرف اور صرف میری مرضی سے، میری مرضی کے بغیر اسے کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں میری مرضی کیخلاف اسے کچھ بھی کرنے کا کوئی حق نہیں ورنہ مرضی کیخلاف کوئی بھی عمل برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جب آیات سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہے اور اللہ کیا ہے یہ بھی واضح ہو چکا کہ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہے تو پھر آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ کی مِلک اور یہ اللہ کا مُلک ہونا چاہیے۔

یعنی جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ اللہ کی مِلک ہے یہ اللہ کی ملکیت ہے جب یہ اللہ کا ہے اس کی ملکیت ہے تو پھر یہ اللہ کا مُلک ہے اب دیکھیں یہی بات اللہ نے اس قرآن میں بھی واضح کر دی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. التوبہ ۱۱۶

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو وجود موجود ہے اسی وجود کی ملکیت ہے اسی کا مُلک ہے آسمان اور زمین

یعنی جو اللہ ہے تم نے اسے تھا کیا ہوا ہے اور جسے تم اللہ کے نام پر اللہ کہہ رہے ہو وہ اللہ ہے ہی نہیں بلکہ اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے جو وجود موجود ہے یہ تھا اللہ آسمان اور زمین اسی وجود کی ملکیت ہیں اسی کا مُلک

ہیں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الحدید ۲

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الحدید ۵

جو وجود موجود ہے اسی کا ملک ہے آسمان اور زمین یعنی جو وجود آپکو نظر آ رہا ہے جسے آپ فطرت کا نام دیں یا جو بھی کہیں آسمان اور زمین اسی وجود کی ملکیت ہے آسمان اور زمین اسی وجود کا ملک ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسی وجود کی مرضی کے خلاف رائی برابر بھی عمل کریں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا مقصد تخلیق اسی وجود کی غلامی ہے انہیں جو بھی صلاحیتیں یا جو کچھ بھی دیا گیا ان کا استعمال کرنا ہے تو اسی وجود کے لیے اسی کے ماتحت کرنا ہے ورنہ یہ وجود برداشت نہیں کرے گا۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. البروج ۹

یہی وہ ذات ہے جو موجود ہے اسی ذات کی ملکیت ہیں آسمان اور زمین، آسمان اور زمین اسی ذات جو وجود موجود ہے اسی کا ملک ہے۔

اب جب آسمان اور زمین اسی وجود جو کہ اللہ ہے اسی کا ملک ہیں تو ظاہر ہے انہیں اسی وجود کے لیے ہونا چاہیے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان کے وجود کا مقصد ان میں جو جو صلاحیتیں رکھی گئیں جس جس کو جو جو صلاحیتیں دی گئیں ان کا مقصد ان کا استعمال صرف اور صرف اسی وجود کے لیے کرنا ہے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس وجود کی مرضی کے خلاف کچھ بھی کرے اس وجود جو موجود ہے چاہے آپ اسے فطرت کہیں اس کے خلاف یا اس کی مرضی کے خلاف یا اس کے علاوہ کسی کے لیے اپنی کسی بھی صلاحیت کا استعمال کرے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی ایسا کرتا ہے تو پھر جس کا یہ وجود ہے جو کہ اس کی مِلک ہے یہ اس کا ملک ہے وہ اس کا مالک ہے تو وہ اسے سزا و جزا دینے پر بھی اختیار رکھتا ہے یہ وجود جو کہ اللہ ہے اللہ کا وجود ہے اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرتا ہے اس کے خلاف یا اپنی مرضی کے مطابق جو کچھ بھی اسے دیا گیا اس کا استعمال کرتا ہے تو اللہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔

یہی بات کئی آیات میں واضح کر دی گئی۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. آل عمران ۱۸۹

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النور ۴۲

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الفتح ۱۴

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الشوریٰ ۴۹

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا. المائدہ ۱۷

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا. المائدہ ۱۸

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ. المائدہ ۱۲۰

اور اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک یعنی اللہ کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں سے کچھ بھی اس کے لیے استعمال کیا جائے یا اللہ کے علاوہ کسی کا حکم مانے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا یا اللہ یعنی اس وجود جو موجود ہے اس کے علاوہ کسی کے لیے کچھ بھی استعمال کیا جائے گا تو پھر مالک برداشت نہیں کرے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. البقرۃ ۱۰۷

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. المائدہ ۴۰

کیا نہیں تمہیں یہ علم دے دیا گیا کہ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو وجود موجود ہے یعنی جو وجود تمہیں نظر آ رہا ہے جو وجود موجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جو موجود ہے یہ ہے اللہ جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے اسی کا ملک ہے آسمان اور زمین۔

اب تو آپ کو علم بھی دے دیا گیا اب اگر اس کے باوجود بھی آپ کچھ بھی اللہ کے علاوہ کسی کے لیے استعمال کرتے ہیں یا کچھ بھی اللہ کے علاوہ کرتے ہیں تو آپ

مجرم ہیں آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں کیونکہ اب تو آپ کو بالکل کھول کھول کر واضح علم دے دیا گیا ہر پہلو سے واضح کر دیا گیا۔
جیسے آپ کے جسم میں جو کچھ بھی ہے وہ آپ کا ہے یعنی جتنے بھی اعضاء ہیں وہ آپ کے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس کے لیے ہیں؟ یعنی آپ کے وجود میں جتنے بھی اعضاء ہیں ہر کسی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے ہر کسی میں کوئی نہ کوئی صلاحیتیں موجود ہیں تو آخر ان میں یہ صلاحیتیں کیوں رکھی گئیں کس کے لیے رکھی گئیں؟ یہ اعضاء کس کے لیے ہیں؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ ظاہر ہے میرے اعضاء ہیں تو ان کا مقصد میرے لیے ہی اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا ہے جیسے کہ زبان میں بولنے کی صلاحیت ہے تو زبان کا کام وجود کی ترجمانی کرنا ہے بالکل ایسے ہی جب یہ بات کھل کر واضح ہوگئی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ ایسے ہی اللہ کا ہے تو پھر ظاہر ہے یہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں جو بھی صلاحیتیں ہیں انہیں ان کا استعمال اسی وجود کے لیے کرنا چاہیے جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود جو کہ اللہ ہے تو دیکھیں یہی بات قرآن میں ایک دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہی گئی۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. البقرة ۲۸۴

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. آل عمران ۱۰۹

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. آل عمران ۱۲۹

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۲۶

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۱

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۲

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ. لقمان ۲۶

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النجم ۳۱

اور اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔
جب جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے نہ صرف اسی کا ہے یعنی اللہ کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے یعنی جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں جو بھی صلاحیتیں ہیں ان کا مقصد اسی وجود کے لیے استعمال کرنا ہے جو بھی کرنا ہے اسی وجود کے لیے کرنا ہے جیسے آپ کے وجود میں آپ کے تمام اعضاء کا مقصد آپ ہی کے لیے کام کرنا ہے آپ ہی کے لیے جس وجود کا وہ حصہ ہیں جس وجود میں وہ موجود ہیں اسی کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا ہے اور یہی اوپر آیات میں کہا گیا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. یونس ۵۵

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النور ۶۴

جان لو اس میں کچھ شک نہیں اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے جب یہ اللہ کا ہے جب یہ اللہ کا ملک ہے اللہ کی ملکیت ہے تو پھر ظاہر ہے اللہ ہی کے لیے ہے اب اگر کوئی ان میں سے کسی کا بھی اللہ کے علاوہ استعمال کرے گا تو وہ مجرم ہوگا وہ اللہ کا شریک ہوگا اور اللہ اپنے شریک کو قطعاً برداشت نہیں کرے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ. یونس ۶۶

جان لو اس میں کچھ شک نہیں اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۱

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النساء ۱۷۰

پس اس میں کچھ شک نہیں یعنی دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جو کہا جا رہا ہے اس کے خلاف کسی بھی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا جو

کہا جا رہا ہے جو حکم دیا جا رہا ہے ہر حال میں ہر صورت میں ایسے ہی کرنا ہے اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ یعنی جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب اللہ کے لیے ہے تو ظاہر ہے جو شئے جس کے لیے ہو اسی کے لیے اس کا استعمال کیا جائے گا نہ کہ کسی دوسرے کے لیے، جس کی شئے ہے جس کے لیے ہے اسی کا اس پر حق ہے اس کے علاوہ کسی کو اس پر حق حاصل نہیں اس لیے اگر کوئی کچھ بھی کرتا ہے کسی کا بھی استعمال کرتا ہے اور وہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ سے بچنا ہے ہی نہیں۔

اب تک مزید مختلف پہلوؤں سے بھی کھل کر واضح ہو چکا کہ یہ جو وجود نظر آ رہا ہے جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ یہ وجود الگ ہے اور اللہ الگ۔ مزید اور مختلف پہلوؤں سے بھی بالکل کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے تا کہ کسی بھی کفر کرنے والے کے پاس چاہ کر بھی کوئی عذر کوئی سوال یا کچھ بھی بہانہ نہ رہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. طٰه ٦

یہ سورۃ طہ کی آیت ہے اس کے علاوہ اور بھی ایسی آیات ہیں جو کہ پیچھے گزر چکی ہیں ان آیات میں کہا گیا کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کا سب اسی کا ہے جو وجود موجود ہے یعنی جو وجود آپ کو نظر آ رہا ہے یہ ایک ہی وجود ہے اور آسمان ہوں، زمین ہو یا جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان ہے یہ اسی وجود کا ہے جسے آپ فطرت کا نام دیں یا کائنات کا نام دیں یا جو بھی نام دیں۔

اب ذرا آپ خود غور کریں آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ان میں سے کسی میں بھی غور کریں کہ انہیں کون وجود میں لایا؟ انہیں کس نے وجود دیا؟ کیونکہ ظاہر ہے جس نے وجود دیا اسی کا ہوگا۔ اور جب آپ غور کریں تو آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان کو وجود میں لانے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں یا مخلوقات کا نام دیتے ہیں یا کوئی بھی نام دیتے ہیں جب یہی وجود ہے جو موجود ہے اسی نے ان سب کو وجود دیا یہی ان سب کو وجود میں لایا تو پھر ظاہر ہے یہ سب کا سب اسی کا ہوا تو جب اسی کا ہوا تو پھر اللہ کون ہے؟ کیا اللہ دیومالائی تصوراتی قصے وکہانیوں کا نام ہے؟ کیا اللہ، اللہ کے نام پر خود ساختہ من گھڑت عقائد ونظریات کا نام ہے جو نسل در نسل آباؤ اجداد سے منتقل ہوئے؟ یا پھر یہی وجود اللہ ہے جو وجود موجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں؟ حق بالکل واضح ہے۔

پھر آگے دیکھیں ایک اور پہلو سے آپکے سامنے رکھتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا. الرعد ٢

اَللّٰـهُ اللہ کی ''ہُ'' پر پیش ہے جس سے اس کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے الَّذِیْ یہ جو ذات ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ذات؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَو بلند ہیں آسمان بغیر کسی ایک بھی ستون کے دیکھ رہے ہو نَهَـا ہم ہیں اسے یعنی یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو یہ تم ہمیں دیکھ رہے ہو یعنی اللہ کی ذات ہی کو دیکھ رہے ہو۔

اس آیت میں بھی اسی وجود کو ہی اللہ کی ذات قرار دیا گیا کہ جو آپ آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہیں یہ ان کی صورت میں آپ اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہیں یہ کوئی دوسرا وجود نہیں ہے بلکہ آپ اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہیں۔

یہی بات ایک اور آیت میں کہی گئی

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا. لقمان ١٠

آسمانوں کی بغیر کسی ایک بھی ستون کے خلق کو دیکھ رہے ہو ہمیں یعنی اللہ کو دیکھ رہے ہو اسی ذات کو دیکھ رہے ہو۔

تَـرَوْنَهَا جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''تر'' ہے جس کا معنی دیکھنا اور اس کیساتھ ''و'' کا اضافہ ہے ''ترو'' یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں دیکھ رہے ہو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ تو ظاہر ہے دیکھ تو آسمانوں کو رہے ہیں لیکن آگے اس سوال کا جواب دیا

گیا کہ یہ جو آسمانوں کو دیکھ رہے ہو اصل میں یہ کس کو دیکھ رہے ہو ''نَ'' ہم تھے ہمیں دیکھ رہے ہو ''ھَا'' آسمانوں کو یعنی یہ جو تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہ بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہیں تم ہمیں یعنی اللہ کو دیکھ رہے ہو یہ آسمان اللہ ہی کا وجود ہیں یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو آسمانوں کی صورت میں تمہیں نظر آ رہی ہے یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے۔

پھر دیکھیں ایک اور پہلو سے اللہ کی ذات کیا ہے بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الرعد ۱۵

اور الہ کے لیے گویا کہ خود ہی اسے جو کرنا ہے اس کا اسے حکم مل رہا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النحل ۴۹

اور الہ کے لیے گویا کہ خود ہی اسے جو کرنا ہے اس کا اسے حکم مل رہا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے

اب ذرا غور کریں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے انہیں کون حکم دے رہا ہے اور وہ کس کے لیے اور کیسے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں؟ مثال کے طور پر آپ کی ضرورت ہے آکسیجن آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے آپ اپنے پھیپھڑوں کے ذریعے آکسیجن کے حصول کے لیے درختوں کو حکم دے رہے ہیں اور وہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ کو آکسیجن فراہم کر رہے ہیں ایسے ہی آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں سے کسی میں بھی غور کر لیں تو آپ کے سامنے یہی حقیقت آئے گی کہ حکم دینے والا بھی یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں اور جو حکم پر عمل کر رہا ہے جو خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے وہی کر رہا ہے جو اسے حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی یہی مخلوقات ہی ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر اللہ کیا ہے اس سے بھی بڑھ کر واضح ہو سکتا ہے؟ کہ اللہ یہی وجود ہے جو موجود ہے جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو نظر آ رہا ہے۔

اسی آیت کو مزید کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں جس سے ایسی باقی تمام آیات بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائیں گی۔

وَ اور لِلّٰهِ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''لِ'' اور ''الہ''۔ لِ کے معنی ہیں کے لیے اور الہ کے معنی ہیں کہ جس کو جو کچھ بھی دیا گیا اس کا کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے جس کے فیصلے کو مان کر یعنی جس کے کہے کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا وہ الہ کہلائے گا۔

وَلِلّٰهِ اور الہ کے لیے یَسْجُدُ گویا کہ خود ہی سجدہ کیے ہوئے ہے یعنی جو کچھ بھی دیا گیا اس کا استعمال جس کے لیے، جس کے پیچھے یا جس کی مان کر کر رہے ہیں خود کو مکمل طور پر اس کے لیے جھکائے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہیں جو الہ کے لیے سجدہ کیے ہوئے ہیں اور ان کا الہ کون ہے یعنی کس کو الہ بنائے ہوئے ہیں ایسے کہ گویا خود ہی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں؟ تو آگے انہی سوالات کے جوابات دے دیئے گئے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یعنی جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الہ ہے اور انہیں الہ بنانے والے بھی وہی ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واپس اسی پر پلٹ کر آئیں گے کہ جو کچھ بھی موجود ہے یہ نہ صرف ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں بلکہ یہی اللہ ہے۔

الگ الگ کریں گے تو خالق، خلق اور مخلوق بن جائے گا احد کریں گے تو اللہ، الگ الگ کریں گے تو الہ اور عباد بن جائیں گے اور احد یعنی ایک ہی وجود کریں گے تو اللہ ہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر حال میں اللہ ہی کی ذات نظر آئے گی کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

ایسے ہی جن جن آیات میں ان الفاظ کا استعمال ہوا ''لِلّٰهِ'' تو وہاں وہاں آپ ان تمام آیات کو اس پہلو سے بھی غور کر کے جان سکتے ہیں۔

اور یہی بات اور پہلوؤں سے بھی قرآن میں کہی گئی جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ. الحج ۱۸

کیا نہیں دیکھا؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا گویا کہ خود ہی اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جس کے لیے جھکائے ہوئے ہے یہی وجود ہے جو موجود ہے جو بھی آسمانوں اور جو بھی زمین میں ہے اسی وجود کو جو موجود ہے سجدہ کیے ہوئے ہے یعنی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کر رہا ہے۔

آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے کسی میں بھی غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ جیسے آپ کا وجود ہے اس میں مختلف اعضاء ہیں جن کو حکم دینے والا بھی یہی آپ کا وجود ہے اور جن اعضاء کو حکم دیا جا رہا ہے اور وہ خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں وہ بھی آپ کا ہی وجود ہے بالکل یہی حقیقت آپکے سامنے آئے گی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کو حکم دینے والا بھی یہی وجود ہے جو موجود ہے اور جنہیں حکم دیا جا رہا ہے جو خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں وہ بھی یہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

پھر اسی طرح مزید اور پہلو سے بھی آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے؟

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. الحشر ۱

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. الصف ۱

سَبَّحَ لِلّٰہِ جو حکم دیا جا رہا ہے بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے اسی وقت فوراً اسی طرح اس پر عمل کر رہا ہے الٰہ کے لیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ایسا کر رہا ہے اور کون الٰہ ہے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْض جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الٰہ ہے اور یہی سب کا سب ہے جو عباد بھی ہیں جو کہ سبح کر رہے ہیں۔
بالکل کھل کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبح کرنے والا بھی یہی وجود اور الٰہ بھی یہی وجود کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

سبح کے معنی ہیں جو بھی حکم دیا جا رہا ہے اس پر بغیر کسی عذر، حیلے یا بہانے کے اسی وقت فوری اسی طرح عمل کرنا جیسے کرنے کا حکم دیا گیا۔
اب آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں غور کریں کہ ان مخلوقات کو کون حکم دے رہا ہے اور کس کے لیے یہ عمل کر رہی ہیں؟ جب آپ غور کریں گے تو وہی بات کہ حکم دینے والا بھی یہی وجود سامنے آئے گا جو وجود موجود ہے اور مخلوقات جو کچھ بھی کر رہی ہیں وہ اسی وجود کے لیے کر رہی ہیں جو وجود موجود ہے۔

مثلاً ایک درخت اگر پھل لاتا ہے تو ذرا غور کریں وہ یہ کام کس کے لیے کر رہا ہے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں کر رہا انہی مخلوقات کے لیے نہیں کر رہا؟ اسی طرح ہوائیں چلتی ہیں تو کس کے لیے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں؟ سورج روشنی دے رہا ہے تو کس کے لیے دے رہا ہے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں دے رہا انہی مخلوقات کے لیے؟

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ جس کے لیے کر رہا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کوئی اور نہیں بلکہ یہی وجود ہے جو موجود ہے جب یہی وجود ہے جو موجود ہے اسی کے لیے سب کے سب سبح کر رہے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اللہ کیا ہے؟ کیا اللہ اس وجود سے الگ ہے؟ نہیں بالکل نہیں قرآن کی آیات بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں واضح کر رہی ہیں کہ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہی ہے اللہ ہی کا وجود ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے جس کے لیے کر رہا ہے وہی اللہ ہے تو جب آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی وجود کے لیے کر رہا ہے تو پھر ظاہر ہے قرآن کے مطابق اللہ یہی وجود ہے نہ کہ کوئی خود ساختہ دیومالائی تصوراتی اللہ کے نام پر عقائد و نظریات کا نام اللہ ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ. الجمعہ ۱

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. التغابن ۱

گویا کہ خود ہی جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر فوری سے بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے عمل کر رہا ہے اللہ کے لیے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً آپ کے ہاتھ جو کچھ کرتے ہیں کوئی بھی عمل کرتے ہیں آپ کے پاؤں چلتے ہیں آپ کی زبان بولتی ہے آپ کے جسم کا کوئی بھی عضو جب بھی کوئی عمل یعنی کوئی کام کرتا ہے تو کیا ایسا ہے کہ وہ خود ہی وہ کام کر رہے ہوتے ہیں یا پھر انہیں حکم دیا جا رہا ہے ہوتا ہے لیکن وہ حکم دینا ایسا ہے کہ دیکھنے والے کو یہی لگتا ہے کہ گویا خود بخود ہی کام کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کو دماغ کنٹرول کرتا ہے دماغ کچھ بھی کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن دماغ کا حکم دینا ایسا ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا دیکھنے والے کو یہی نظر آتا ہے کہ گویا جسم کے تمام اعضاء خود ہی کام کر رہے ہیں بالکل اسی طرح آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے انہیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن وہ حکم دینا ایسا ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا جس وجہ سے نظر آنے میں یہی لگتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں تمام کی تمام مخلوقات گویا کہ خود بخود ہی کام کر رہی ہیں حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے جسم میں غور کریں تو ساری حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی یوں سمجھیں کہ آپ کا یہ پانچ چھ فٹ کا وجود اصل وجود جو کہ اللہ کا وجود ہے اس کا ہی چھوٹے پیمانے پر ایک نمونہ ہے یہی وجہ ہے جس وجہ سے محمد نے کہا تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورۃ پر خلق کیا ہے صورۃ کا مطلب شکل نہیں بلکہ جیسے آپ کا وجود ہے اگر آپ اس میں غور کریں تو بالکل اسی طرح اللہ کا وجود ہے آپ اللہ کو انتہائی آسانی سے جان جائیں گے۔

آپ کے جسم کے ہر عضو میں سینسرز ہیں ایسے آلات نصب ہیں جو لہروں کو موصول کر کے ان میں موجود پیغام کو سمجھ کر عضو کو اس کا حکم دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں آپ کا دماغ پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے دماغ جب بھی کسی عضو کو حکم دیتا ہے تو وہ لہروں یعنی ملائکہ کے ذریعے ہی حکم دیتا ہے اور متعلقہ عضو میں موجود سینسرز یعنی وہ آلات اس پیغام کو موصول کر کے سمجھ کر آگے اس عضو کو اس کے سمجھنے کی صلاحیت کے مطابق حکم دیتے ہیں بالکل اسی طرح اللہ کا جو وجود ہے اس وجود میں جو ساتواں درجہ ہے جو کہ سب سے اوپر ہے یوں کہیں کہ وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کا سر ہے اس میں دماغ ہے اللہ کے وجود میں ساتواں درجہ دماغ ہے جو پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے احکامات دیتا ہے زمین میں ایک مقام ایسا ہے جہاں پر سینسرز نصب ہیں یعنی ایسے آلات نصب ہیں جو اوپر سے آنے والے پیغامات کو موصول کر کے نہ صرف سمجھنے بلکہ آگے متعلقہ مخلوقات تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں زمین کا وہ مقام مکہ ہے۔ مکہ زمین کا وہ مقام ہے جہاں ایک کمرہ نما عمارت موجود ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس مقام پر یہ عمارت کھڑی ہے اس مقام پر زمین میں ایسے پتھر موجود ہیں جو کہ زمین کا دماغ ہیں زمین کی تمام مخلوقات کو یہاں سے احکامات دیئے جا رہے ہیں زمین کی تمام مخلوقات اس مقام کے آگے خود کو جھکائے ہوئے ہیں لیکن نظر آنے میں ایسا لگتا ہے گویا کہ تمام کی تمام مخلوقات خود بخود ہی کام کر رہی ہیں انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے آپ کے وجود میں سات درجے ہیں ساتواں درجہ سر ہے جس میں دماغ ہے اور دماغ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے جسم کے تمام اعضاء کو احکامات دیتا ہے لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جسم کے اعضاء کو کوئی احکامات دینے والا نہیں بلکہ سب کے سب گویا کہ خود ہی اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔

یہی اللہ نے ایک اور پہلو سے قرآن میں واضح کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النور ۴۱

کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تم نے خود یہ دیکھا جو گویا کہ خود ہی سبح کر رہا ہے یعنی جو اسے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس پر ایسے عمل کر رہا ہے گویا کہ خود ہی کر رہا ہے کوئی حکم دینے والا ہے ہی نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین ہے گویا کہ خود ہی سبح کر رہا ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ایک تو یہ جو وجود موجود ہے اسی کا ہے دوسرا یہ سب کا سب اس طرح اپنے اپنے کام کر رہا ہے گویا کہ انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں بلکہ خود ہی جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے فوری سے اسی طرح اس پر عمل کر رہا ہے جیسے کہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ دیکھنے میں آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے بظاہر ایسے ہی نظر آ رہا ہے کہ انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں بلکہ ہر ایک خود ہی اپنا اپنا کام کر رہا ہے لیکن اگر آپ آسمانوں اور زمین میں غور و فکر کرتے ہیں تو یہی حقیقت سامنے آتی کہ حکم دینے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے اور جس طرح حکم دیا جا رہا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ ان احکامات پر ایسے عمل کر رہے ہیں جیسے کہ کوئی حکم دینے والا ہے ہی نہیں گویا خود ہی تیزی سے اپنے اپنے کام پر معمور ہیں جب

حقیقت یہ سامنے آتی ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ جب احکامات دینے والا بھی یہی وجود اور جسے احکامات دیئے جا رہے ہیں وہ بھی یہی وجود تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ کون ہے؟ کیا اس وجود، جو وجود موجود ہے اس کے علاوہ کوئی اللہ ہے؟ یا پھر حقیقت یہ ہے کہ جو وجود موجود ہے یہی اللہ ہے؟ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی وجود ہے ہی نہیں اور یہی اللہ ہے۔

یوں اس طرح مزید پہلوؤں سے بھی کھل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ دیو مالائی تصوراتی قصے و کہانیوں کا نام نہیں ہے اللہ کے نام پر بے بنیاد و باطل نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات اللہ نہیں ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان تمام تر عقائد و نظریات کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہی ہے جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے آپ پر کھول کھول کر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے؟

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. ابراهیم ۳۲

اَللّٰهُ اللہ ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب بھی موجود ہے الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض آسمانوں و زمین کی خلق ہی اللہ کی ذات ہے۔

اسے آپ بے شک یہ کہیں کہ آسمانوں و زمین کی خلق ہی اللہ کی ذات ہے یا پھر یہ کہیں کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں و زمین کو خلق کیا تو ایک ہی بات سامنے آئے گی جو کہ حق ہے۔

اب ذرا آپ غور کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا؟ تو جس نے خلق کیا، جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات اللہ ہے۔

جب آسمانوں اور زمین یعنی یہ سیارہ جس پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں غور کیا جائے اور جانا جائے کہ یہ کس طرح وجود میں آئے انہیں کس نے وجود دیا تو حقیقت بالکل کھل کر آپ کے سامنے آ جائے گی۔

آسمانوں اور زمین یعنی یہ سیارہ زمین جس پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں یہ کیسے وجود میں آئے اسے آپ پر واضح کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر نور یعنی انرجی ہے جو دخانٍ یعنی گیسوں کی صورت میں موجود ہے جسے خلا کا نام دیا جاتا ہے خلا میں دو گیسیں آپس میں ملتی ہیں تو جس مقام پر ان کا آپس میں اختلاط ہوتا ہے وہاں ایک ستارہ وجود میں آ جاتا ہے یعنی ایک آگ کا گولہ وجود میں آ جاتا ہے جس سے مزید گیسیں خارج ہوتی ہیں ان گیسوں سے مزید ستارے یعنی آگ کے گولے وجود میں آتے ہیں۔

خلا میں گیسوں کے اختلاط سے ستارے آگ کے گولے یعنی سورج وجود میں آتے ہیں وہ آگ کے گولے اس وقت تک جلتے ہیں جب تک کہ ان میں جلنے والی یعنی اختلاط ہونے والی گیسوں کے مالیکیولز مکمل طور پر نہیں ٹوٹ جاتے اور ان سے خارج ہونے والی مزید گیسوں سے اسی طرح ستارے یعنی سورج آگ کے گولے وجود میں آتے ہیں اور ان کے مالیکیولز بھی جب تک مکمل طور پر نہیں ٹوٹ جاتے وہ جلتے رہتے ہیں اس طرح کئی اقسام کے سورج یعنی آگ کے گولے جب اپنی جلنے کی مدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں تب تک ان پر جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آ چکی ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو کر اوپر سے جم جاتی ہے یوں جو پہلے ایک ستارہ تھا یعنی آگ کا گولہ تھا وہ سیارے میں بدل جاتا ہے لیکن اندر آگ جلتی رہتی ہے، اب باہر جھاگ کے جم جانے سے چٹانی تہہ وجود میں آنے کی وجہ سے اندر سے گیسیں باہر خارج نہیں ہو پاتیں جس وجہ سے گیسیں اندر بھرتی جاتی ہیں جو بالآخر اتنی بھر جاتی ہیں کہ گیسوں کے دباؤ سے وہ سیارے زوردار دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں جس سے ان میں وجود میں آنے والا مادہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر اسی رفتار سے خلا میں سفر کرنا شروع کر دیتا ہے یعنی ستارے کے پھٹنے سے جو شہابیے وجود میں آتے ہیں وہ اسی سمت میں خلا میں تیرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اب وہ شہابیے کچھ ستاروں کے قریب سے جب گزرتے ہیں تو وہ ستارے انہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جس سے اس ستارے پر وقتاً فوقتاً شہابیوں کی بارشیں ہوتی ہیں جس سے آنے والا مواد پگھلتا ہے یوں نہ صرف اس سے گیسیں خارج ہو کر ستارے کے گرد جمع ہوتی رہتی ہیں بلکہ ستارے پر آہستہ آہستہ جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آ جاتی ہے پھر بالآخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ستارے کی اپنے ہی محور پر گردش کی وجہ سے بالکل ایسے ہی دباؤ پڑنے سے جیسے گاڑی چلنے

سے پیچھے کو دباؤ پڑتا ہے جھاگ کی تہہ جگہ جگہ سے اوپر کو اٹھ جاتی ہے اس کے بعد اس سے خارج ہونے والی گیسیں جو اس کے گرد اکٹھی ہوئی ہوتی ہیں ان کی وجہ سے جھاگ کی تہہ باہر سے ٹھنڈی ہو کر جم جاتی ہے جس سے انتہائی سخت چٹانی تہہ وجود میں آجاتی ہے یوں جو پہلے ایک ستارہ یعنی آگ کا گولہ تھا وہ سیارے میں بدل جاتا ہے اور آگے اپنے تکمیلی کے مراحل طے کرتا ہے۔

یہ زمین جس پر آپ موجود ہیں یہ بھی ایک وقت تھا کہ ایک ستارہ تھی جو بعد میں ارض یعنی ایک سیارہ بن گئی۔ ایک وقت تھا کہ یہ زمین بالکل سورج کی مانند آگ کا گولہ تھا کہ گیسیں پگھل رہی تھیں پھر اس پر کچھ شہابیوں کی بارشیں ہوتی رہی جس سے وہ شہابیے پگھلتے رہے اور ان کے پگھلنے سے ایک تو ان سے اس پر جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آگئی اور دوسرا ان سے گیسیں خارج ہو کر اس کے گرد اکٹھی ہوتی رہیں، زمین کے اپنے ہی محور پر گھومنے کی وجہ سے دباؤ پڑنے کی وجہ سے جیسے گاڑی چلنے پر پیچھے کو دباؤ پڑتا ہے وہ جھاگ جگہ جگہ سے اوپر کو اٹھ گئی اور باہر خارج ہونے والی گیسوں کی وجہ سے جھاگ جم کر چٹانی تہہ میں بدل گئی یوں آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا آیا کہ ستارے کی آگ اندر چلی گئی اور اس پر وجود میں آنے والی جھاگ کی تہہ ٹھنڈی پڑ گئی جس سے زمین ستارے سے سیارہ بن گئی ایسا سیارہ کہ جس کے اوپر تو چٹان نما پہاڑ اور چٹانی تہہ جھاگ کے ٹھنڈے ہونے سے وجود میں آگئی لیکن اس چٹانی تہہ کے نیچے آگ ہے یعنی لاوا ہے، ویسے تو آگ کو اگر ڈھانپ دیا جائے تو وہ جلنا رک جاتی ہے کیونکہ اسے جلنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے نہیں ملتی ایسے ہی زمین پر چٹانی تہہ وجود میں آنے سے نیچے آگ ٹھنڈی پڑ جانی چاہیے تھی لیکن وہ ٹھنڈی نہ پڑی اس کی وجہ یہ ہے کہ خلا سے جو پہلے مختلف اقسام کے شہابیے آئے ان میں ایسے عناصر موجود تھے جن کی وجہ سے اس آگ کو جلنے میں مدد مل رہی ہے اور تب تک زیر زمین یہ آگ جلتی رہے گی جب تک کہ وہ مواد جل جل کر ختم نہیں ہو جاتا جو جلنے میں مدد فراہم کر رہا ہے یوں جب جھاگ کی تہہ جم جانے سے چٹانی تہہ وجود میں آگئی تو اس کے بعد زمین پر مزید شہابیوں کی بارشیں ہوتی رہیں، شہابیوں کی بارشوں سے آنے والے مواد کو چٹانی تہہ کے گرم ہونے کی وجہ سے حرارت ملنے سے مواد میں کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوتے رہے جس سے ان شہابیوں سے آنے والا مواد کریک ہو کر اس سے گیسیں خارج ہو کر زمین کے گرد اکٹھی ہوتی رہی یوں جب یہ مراحل مکمل ہو گئے تو زمین کے اپنے ہی محور پر گردش کی وجہ سے دباؤ پڑنے پر مٹی کی تہوں نے پھسلنا شروع کیا یوں ایک طرف چٹانوں نے انہیں روکا تو دوسری طرف سے دباؤ پڑنے کی وجہ سے یہ پھسل کر آپس میں دھنستی چلی گئیں یوں ایک تو یہ مٹی کی تہیں سکڑ گئیں جس سے جگہ جگہ گڑھے بن گئے اور دوسرا نہ صرف نیچے کو بھی دھنسیں بلکہ اوپر کو بھی اٹھ گئیں جو کہ چٹانوں کے علاوہ پہاڑ وجود میں آئے۔ پھر جب یہ مراحل مکمل ہو گئے تو سورج کے وجود میں آنے سے سورج کی توانائی جب زمین کے گرد گیسوں کے مرکب میں داخل ہوئی تو ان میں کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوئے جس سے نہ صرف یہ گیسوں کا مرکب سات تہوں میں تقسیم ہو گیا بلکہ زمین پر آخری چار مراحل میں چار اقسام کے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے آکسیجن وہائیڈروجن وجود میں آئیں اور پھر ان کے اختلاط سے پانی بارشوں کی صورت میں زمین پر اترا جو بلندیوں سے گہرائیوں کی طرف بہتا رہا جس سے زمین کا کٹاؤ ہو کر نالے، چشمے، نہریں اور دریا وجود میں آئے اور جو زمین کی تہوں کے پھسل کر سکڑنے سے گڑھے وجود میں آئے ان میں پانی بھرتے بھرتے سمندر وجود میں آگئے اور بالآخر جب آکسیجن وہائیڈروجن کا لیول اس سطح پر آگیا کہ مزید اختلاط نہیں ہوگا تو بارشیں تھم گئی یوں اس کے بعد سمندروں سے پانی بخارات بن کر اڑنے لگا جس سے بارشیں اور موسم وجود میں آئے۔ یوں پانی سے زمین پر زندگی کا آغاز ہوا ایک طرف سمندروں میں جان وجود میں آئی اور دوسری طرف نباتات یوں دونوں طرف ارتقاء ہوتے ہوتے ایک طرف تیر کر، رینگ کر، چل کر اور اڑ کر حرکت کرنے والی مخلوقات وجود میں آئی تو وہیں دوسری طرف ارتقاء کرتے کرتے زمین باغات میں بدل گئی۔

اب ذرا غور کریں کیا کوئی باہر سے اللہ آیا جس نے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں کو وجود دیا جو وجود میں لایا؟ یا پھر یہی وجود جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں یہی آسمانوں وزمین کا خالق ہے؟ اسی وجود نے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں یعنی سات آسمانوں کو وجود دیا؟ جب حقیقت یہ ہے کہ کوئی باہر سے نہیں آیا بلکہ یہی وجود ہی ان کا خالق ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ کیا ہے؟ کیا یہی وجود جو موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ نہیں ہے؟ بے شک ایک ہی وجود موجود ہے اور جو وجود ہے یہی اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔ اب جبکہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے آپ پر واضح ہو گیا تو پھر دیکھیں یہی بات اللہ نے ایک اور پہلو سے آپ کو کہی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضَ. الاحقاف ۳۳

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۔ الاسراء ۹۹

کیا اور نہیں دیکھ رہے کہ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا وہ ذات خلق کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو، یعنی کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا؟ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو آج تم پر یہ حقیقت بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ آسمانوں وزمین کو خلق کرنے والا یہی وجود ہے نہ کہ کوئی باہر سے ان کو خلق کرنے والا کوئی آیا تو جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا وہی ذات تو اللہ ہے جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے تم ماننے کو تیار ہی نہیں۔

آسمانوں اور زمین کو خلق کرنے والی ذات یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کچھ بھی کہیں یعنی ھُوَ، ھُوَ ہی اللہ ہے، ھُوَ نے ہی آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے اللہ یہی وجود ہے جو موجود ہے۔ جو موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ بات دو ٹوک الفاظ میں درج ذیل آیت میں بھی واضح کر دی گئی

ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۔ الحدید ۴

اور ھُوَ ہی وہ ذات ہے جس نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو۔

ھُوَ کیا ہے پیچھے تفصیل کیساتھ کئی بار واضح کیا جا چکا کہ جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے یعنی جو کچھ بھی موجود ہے یہی اللہ کی ذات ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے یہی بطور مخلوق اور یہی بطور خالق اور یہی جس سے خلق کیا جا رہا ہے سامنے آئے گا یہ ہے اللہ کا الصمد ہونا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ قُلِ اللّٰہُ ۔ سباء ۲۴

پوچھو ان سے کون ہے جو گویا خود ہی تمہارا رزق بن رہا ہے جو گویا خود ہی تمہارے رزق کے طور پر تمہارے سامنے آ رہا ہے آسمانوں اور زمین سے، تمہیں کہنا پڑے گا تم یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے اللہ ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ آسمانوں اور زمین سے کون ہے گویا کہ خود ہی آپ کا رزق بن رہا ہے یا پھر بے شک آپ یہ کہیں کہ آپ کو رزق دے رہا ہے دونوں صورتوں میں حق ہی سامنے آئے گا۔ تو ذرا غور و فکر کریں جو آپ کی ضروریات ہیں وہ آپ کے لیے کون وجود میں لا رہا ہے جنہیں آپ استعمال کر رہے ہیں؟ جب آپ غور و فکر کریں تو سب سے پہلے اس بات میں غور کریں کہ آپ کا رزق یعنی آپ کی ضروریات ہیں کیا؟ سب سے پہلے تو آپ کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہے کھانے کے لیے طرح طرح کے پھل سبزیوں کی ضرورت ہے سواری کے ذرائع کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ آپ کی ضرورت ہیں، جسم کو مختلف اقسام کی حرارت کی صورت میں توانائی کی ضرورت ہے اسی طرح باقی بھی جتنی ضروریات ہیں تو ذرا غور کریں یہ تمام تر ضروریات کون فراہم کر رہا ہے؟

آکسیجن تو درخت فراہم کر رہے ہیں پھل بھی درخت فراہم کر رہے ہیں، سواری کے ذرائع بھی یہی آسمانوں وزمین میں جو مخلوقات ہیں یہی وجود میں لا رہے ہیں جسم کو حرارت کی صورت میں درکار توانائی سورج فراہم کر رہا ہے اسی طرح چاند کا بھی اپنا کردار ہے آپ کا رزق یعنی آپ کی جو بھی ضروریات ہیں ان کو فراہم کرنے والی یہی مخلوقات ہیں یہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جس میں زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات درخت، پہاڑ، سمندر، ہوائیں، سورج اور چاند وغیرہ ہیں نہ کہ کوئی اور الگ سے کوئی وجود یا ذات سامنے آئے گی۔

جب حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سے رزق فراہم کرنے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ جب حقیقت یہ ہے کہ جو آسمانوں وزمین سے رزق بن رہا ہے یہی وجود ہے جو موجود ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ اللہ کون ہوا؟ قرآن میں تو دو ٹوک الفاظ میں کہا جا رہا ہے جو رزق فراہم کر رہا ہے وہی اللہ ہے تو جب رزق فراہم کرنے والا وجود یہی ہے جو موجود ہے تو پھر ظاہر ہے اللہ یہی وجود ہے جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔ ایک ہی وجود ہے

اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور جو وجود ہے یہی اللہ ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ. الرحمٰن ۲۹

یَسْئَلُهٗ گویا کہ خود ہی اپنی حاجت روائی کے لیے لپک رہا ہے اور جس کی طرف لپک رہا ہے جو بھی ہے آسمانوں اور زمین میں تمام کے تمام مراحل ہیں ھُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہ بن جائے تو جو وجود سامنے آئے گا یہی ہے تمام کی تمام حالتوں میں۔ اس سے واضح بھی کوئی آیت ہو سکتی ہے؟ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے گویا کہ خود ہی اپنے حاجت روائی کے لیے لپک رہا ہے اور جس کی طرف لپکا جا رہا ہے وہ بھی گویا کہ خود ہی اس کی حاجت روائی کر رہا ہے یہ کیا ہے آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا كُلَّ یَوْمٍ هُوَ تمام کے تمام مراحل ہیں جو بھی موجود ہے درخت اور پہاڑ اور سمندر اور ہوائیں اور زمین اور زمین میں موجود لاتعداد جاندار و بے جان مخلوقات اور سورج اور چاند وغیرہ وغیرہ یہ تمام کے تمام مراحل ہیں هُوَ فِیْ شَاْنٍ ھُوَ ہے تمام کی تمام حالتوں میں یعنی جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے یہ تمام کے تمام مراحل ہیں جیسے کوئی کام مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوتا ہے بالکل اسی طرح اس وجود میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ اسی کے تمام مراحل ہیں یہی وجود ہے اللہ ہی کی ذات ہے تمام کی تمام حالتوں میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں آپ کو آکسیجن کی ضرورت ہے آپ اپنی اس حاجت روائی کے لیے کیا کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں جو آکسیجن کو وجود میں لا رہا ہے یا پھر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنی اس حاجت روائی کے لیے گویا خود ہی سوال کر رہے ہیں اپنی اس حاجت روائی کے لیے لپک رہے ہیں اور جو آکسیجن وجود میں لا رہا ہے یعنی درخت وہ بھی خود ہی آپ کی حاجت روائی کر رہا ہے۔

آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور درخت آکسیجن خارج کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح آپ کاربن خارج کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور درخت کاربن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ تو جو آپ کے لیے فضلہ ہے جسے آپ خارج کر رہے ہیں وہ دوسری مخلوق کی ضرورت ہے اس کا رزق ہے اسی طرح کُل کے کُل وجود میں آپ کو نظر آئے گا تمام کی تمام مخلوقات ہی ہیں جو محتاج ہیں اور اپنی حاجت روائی کے لیے جن کی طرف لپک رہی ہیں یعنی جو حاجت روائی کر رہا ہے وہ بھی یہی مخلوقات ہی ہیں سائل بھی خود اور حاجت روا بھی خود کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. الحدید۳

هُوَ جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا، جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود ایک ہی ذات سامنے آئے گی اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یہی وجود یہی ذات الْاَوَّلُ مخصوص اول ہے وَ الْاٰخِرُ اور یہی ذات مخصوص آخر ہے وَالظَّاهِرُ اور جو کچھ بھی ظاہر ہے یہی ایک ہی ذات ہے وَالْبَاطِنُ اور جو کچھ بھی باطن ہے یعنی جو ظاہر نہیں بلکہ ظاہر کے پیچھے چھپا ہوا ہے جو ظاہر کے پردے میں ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔

اللہ نے قرآن میں یہ آیت لا کر اللہ کی ذات کو اس قدر کھول کھول کر سامنے رکھ دیا کہ اس کے باوجود بھی اگر کوئی نہیں مانتا اور آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو ہی اللہ قرار دیتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر ایسے شخص سے بڑھ کر نہ تو کوئی اندھا اور بہرا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے اپنی ذات کے بارے میں تمام تر بحث و مباحثے کو سرے سے ہی ختم کر دیا کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے خواہ جو آپ کو نظر آ رہا ہے یا پھر آپ کو نظر نہیں آ رہا، جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یہی ذات ہے جو کہ مخصوص اول ہے یعنی ہر لمحے اول بھی ہے اور

مخصوص آخر یعنی ہر لمحے آخر بھی ہے اور الظاہر ہے یعنی جو کچھ بھی ظاہر ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اور جو کچھ بھی ظاہر نہیں ہے بلکہ ظاہر کے پیچھے یا اس کے پردے میں ہے چھپا ہوا ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ اس آیت سے بھی واضح کچھ اور ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں بالکل دو ٹوک اور ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واضح کر دیا گیا کہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یہی تو اللہ کی ذات ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی وجود ہے ہی نہیں اور کوئی ذات ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ ظاہر ہے جب الاول اور الآخر اور الظاہر اور الباطن ہے ہی اللہ تو پیچھے رہ کیا گیا؟ پیچھے کچھ رہے گا تو کسی دوسری ذات یا کسی دوسرے وجود کا کوئی تصور ہو گا لیکن جب پیچھے کچھ رہا ہی نہیں تو پھر ایک ہی ذات ہے اس کے علاوہ دوسرے کسی وجود کا تو تصور تک بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود آج تک نہ صرف ایسی آیات کو چھپا دیا گیا ان پر بات ہی نہیں کی گئی بلکہ قرآن کا کفر کرتے ہوئے اپنے انہی باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کو ہی اللہ کی ذات قرار دیا جاتا رہا اس کے باوجود کہ وہ عقائد و نظریات قرآن سے کھلم کھلے متصادم ہیں۔ اور یہی وجہ ہے جس وجہ سے ان لوگوں نے آج تک قرآن کی ان آیات کو چھپایا، ان پر بات نہ کی کیونکہ انہیں علم ہے اگر ان آیات کو سامنے لایا جائے گا ان پر بات کی جائے گی تو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو ترک کرنا پڑے گا جو یہ کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ ہر صورت اسی پر ہی رہنا چاہتے ہیں جس پر انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

یہ لوگ قرآن کو تو ترک کر سکتے ہیں لیکن اپنے مشرک آباؤ اجداد کو نہیں جو بہت بڑے جاہل تھے۔ یہ لوگ اللہ کے رسولوں کا کذب تو کر سکتے ہیں لیکن یہ کبھی بھی اپنے مشرک آباؤ اجداد کو ترک نہیں کر سکتے جو ان کے اعمال سے نہ صرف ثابت شدہ ہے بلکہ آپ پر بھی کھول کھول کر واضح کر دیا گیا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ یہی وجود ہی اللہ ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا. النساء ۱۲۶

وَ اور لِلّٰهِ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے '' لِ '' اور '' الہ ''۔ لِ کے معنی ہیں کے لیے اور الہ کے معنی ہیں کہ جو کچھ بھی دیا گیا اس کا کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے جس کے فیصلے کو مان کر یعنی جس کے کہے کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا وہ الہ کہلائے گا۔

وَلِلّٰهِ اور الہ کے لیے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یعنی جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الہ ہے اور انہیں الہ بنانے والے بھی وہی ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔

آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب کو جو کچھ بھی دیا گیا جو جو صلاحیتیں بھی دی گئیں نہ صرف سب کو وجود دینے والا سب کو صلاحیتیں وغیرہ یا جو کچھ بھی دیا گیا دینے والا یہی وجود ہے جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے بلکہ سب کے سب اسی کے لیے ہی ان سب کا استعمال کر رہے ہیں اسی کے فیصلے کے مطابق ہی سب کا سب استعمال کر رہے ہیں یعنی یہاں تک بالکل واضح ہے کہ الہ بھی وہی ہے جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے اور الہ بنانے والے بھی یہی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے پھر آگے کہا گیا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا.

وَكَانَ اور قدر میں کر دیا گیا، جو پہلے سے ہی طے شدہ ہے یعنی اس کے علاوہ کچھ بھی ممکن ہی نہیں، جو کہا جا رہا ہے گویا کہ وہ ہو چکا اللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے یعنی اگر آپ آسمانوں و زمین میں یا کہیں بھی غور کریں تو آپ کو ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہی نظر آئے گا اور احاطہ کرنے والی بھی یہی مخلوقات ہی ہیں تو اس آیت میں کہا گیا کہ جس نے ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے وہ اللہ ہے اور جب غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہی وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے اسی نے احاطہ کیا ہوا ہے۔

مثلاً بشر کی ہی مثال لے لیں کہ بشر کا بھی ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے کہ بشر اس سے باہر نکل ہی نہیں سکتا یعنی بشر آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا یوں اس کے رزق کی صورت میں یہی وجود ہی ہے یہی مخلوقات ہی ہیں جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی بشر کو زمین پر وجود میں لایا گیا تو نہ صرف اس کی ضروریات کی صورت میں اس کا احاطہ کیا ہوا ہے بلکہ زمین کے گرد گیسوں کا انتہائی پیچیدہ ترین حصار قائم کیا ہوا ہے جو زمین کو لاتعداد تباہیوں و نقصان سے محفوظ رکھے ہوئے ہے ایسے ہی جو کچھ بھی ہے نہ صرف ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہے بلکہ احاطہ کرنے والا بھی یہی وجود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. آل عمران ۱۹۰

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ. الرعد ۲

وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْھٰرًا وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ. الرعد ۳

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. الرعد ۴

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. النحل ۷۹

یہ چند آیات ہیں ان میں اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ آسمانوں وزمین کی خلق میں یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اور یہ سب خلق کیسے ہوا، آسمانوں کا بغیر ستونوں کے بلند ہونا، نظام کا چلنا، سورج و چاند سمیت تمام کے تمام ستارے وسیارے جو اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں، زمین میں تمام کی تمام مخلوقات کا ایک سائیکل میں ہونا، زمین پر چوٹیاں یعنی جو کہ پہاڑ ہیں اور ان میں ذخیرہ شدہ زمین کے مختلف عناصر، ان سے وجود میں آنے والی نباتات، ثمرات، باغات اور ایسے ہی زمین کے گرد خلا میں تیرتے ہوئے شہابیے وغیرہ سمیت جو کچھ بھی ہے سب کی سب اللہ کی آیات ہیں۔ یہ محض چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے اللہ نے ہر پہلو سے سامنے لا رکھا کہ جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات کے معنی کیا ہیں؟ تو اس کا جواب ہر لحاظ سے کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں جس سے نہ صرف آیات کی وضاحت ہو جائے گی بلکہ اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا۔

آیات جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد ''آیت'' ہے اور آیت کی ضد ہے ''بیّن''۔ بیّن کے معنی ہیں کسی بھی بات، شئے یا ذات کا ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھلم کھلا بالکل سامنے ہونا اس کا کوئی ایک بھی پہلو یہاں تک کہ رائی برابر بھی چھپا ہوا نہ ہونا اور اس کے بالکل برعکس آیت کے معنی ہیں کہ پوری بات، شئے یا ذات کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا چھوٹا سا حصہ چھوٹا سا پہلو یعنی تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا آیت کہلاتا ہے جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے یا جس کے پیچھے پڑنے سے اصل اور مکمل وجود، مکمل بات، شئے یا ذات کا بالکل کھل کر سامنے آ جانا۔

یعنی کسی بھی وجود، بات، شئے یا ذات کا وہ چھوٹا سا یا تھوڑا سا حصہ آیت کہلاتا ہے جو نہ صرف سامنے ہوتا ہے بلکہ اس کی گہرائی میں جانے سے اس کے پیچھے پڑنے سے جو مکمل وجود، مکمل بات، شئے یا ذات چھپی ہوئی تھی وہ بالکل کھل کر سامنے آ جائے کہ یہ کس کا تھوڑا سا حصہ سامنے تھا۔

آسمانوں وزمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے، سورج، چاند، ستارے وسیارے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں جس سے یہ بات

بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جو کچھ بھی سامنے نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات کا تھوڑا سا حصہ ہے اور اس وقت تک کوئی اللہ کو نہیں جان سکتا اللہ کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتا ان کی اتباع نہیں کرتا یعنی ان کے پیچھے پڑتے ہوئے مکمل وجود کو نہیں جان لیتا۔

یہی وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں غور و فکر کرو، اپنی ہی ذات میں غور و فکر کرو کیونکہ جب تم ان میں سے کسی میں بھی غور کرو گے تو تم آگے بڑھتے بڑھتے حق کیا ہے اسے جان جاؤ گے تم پر اللہ کی ذات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی تم پر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ کا وجود نظر آ رہا ہے۔ یوں تم پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہی وجود ہے یہی ذات ہے جس نے تمہیں وجود میں لایا اور اسی نے تم میں صلاحیتیں رکھیں تمہیں ذہانت دی اور جب اسی وجود نے تمہیں وجود دیا اور اسی نے تمہیں سب کچھ دیا تو پھر ظاہر ہے تمہارا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ تم اور تمہیں جو کچھ بھی دیا اسی وجود کی ملکیت ہے اسی وجود کا ہے اور اسی کے لیے ہے اس لیے ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرنا ہے تو اسی وجود کے لیے استعمال کرنا ہے جیسے تمہارے وجود میں مختلف اعضاء ہیں جو تمہارے ہیں اور تمہارے لیے ہیں جن کا مقصد ہے اپنی صلاحیتوں کا اپنے اسی وجود کے لیے استعمال کرنا جس وجود میں موجود ہیں، اس وجود کو کسی بھی قسم کے نقصان سے بچانا اس کی حفاظت کرنا جس مقصد کے لیے اس وجود نے تمہیں وجود میں لایا اسی مقصد کو پورا کرنا یہی وجود یہی ذات ہی اللہ ہے۔

یوں آپ پر اس پہلو سے بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ کسی دیومالائی عقیدے و نظریے کا نام نہیں بلکہ اللہ یہی ذات ہے جس کا وجود تمہیں ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الرقیب'' رقیب کے معنی ہیں مثلاً آپ کہیں بھی موجود ہیں تو وہاں آپ کے علاوہ جو موجود ہے۔ اللہ الرقیب ہے یعنی آپ کہیں بھی چلے جائیں آسمانوں میں چلے جائیں، زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں سمندروں کی گہرائیوں میں چلے جائیں جہاں بھی چلے جائیں وہاں جو بھی آپ کے علاوہ موجود ہے وہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ اگر آپ آسمانوں میں چلے جاتے ہیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا کون ہے؟ کیا یہی وجود نہیں جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے؟ اسی طرح آپ زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ کون موجود ہو گا؟ کیا یہی وجود نہیں جسے آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جسے کائنات کا نام دیتے ہیں یا پھر فطرت کا نام دیتے ہیں؟

ایسے ہی اگر آپ سمندروں میں چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا کون موجود ہو گا؟ کیا پانی و سمندری مخلوقات ہی کی صورت میں یہی وجود نہیں ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور ہے؟ آپ جہاں بھی چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا یہی وجود ہے یہی ذات ہے جو ہر طرف آپ کو کھلم کھلا نظر آ رہی ہے یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ یہی ذات ہے جو ہر طرف آپ کو نظر آ رہی ہے اس کی آیات کی صورت میں۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں جی اللہ تو کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ایسا کوئی اللہ اگر ہو بھی تو وہ الرقیب ثابت ہوتا ہی نہیں کیوں کہ الرقیب تو یہی وجود ہے جو آپ کو ہر طرف مخلوقات ہی کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ جب الرقیب یہی وجود ہے تو پھر اس وجود کے علاوہ کوئی اللہ ہو ہی نہیں سکتا نہ ہی ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''المومن'' مومن کے معنی ہیں وہ ذات جس نے وجود میں لایا اس کی طرف سے جو بھی حکم دیا جا رہا ہے، جو بھی کرنے کا کہا جا رہا ہے یا جس سے روکا جا رہا ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والا۔ اللہ المومن ہے یعنی وہ اللہ کا وجود ہے جسے وجود میں لانے والی ذات جو کہ یہی وجود ہے جو ہر طرف نظر آ رہا ہے کی طرف سے جو بھی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہا ہے اور جس کے کرنے سے روکا جا رہا

ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس سے رک رہا ہے۔

اب اگر آپ تھوڑا سا بھی غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ وجود میں لانے والی اور حکم دینے والی بھی یہی ذات ہے جو آپ کو ہر طرف مخلوقات کی صورت میں نظر آ رہی ہے اور جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی یہی ذات مخلوقات ہی کی صورت میں ہر طرف نظر آ رہی ہے۔

مومن کی ضد ہے مشرک۔ مشرک کے معنی ہیں جو الگ سے یعنی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار ہے مثلاً آپ اپنے ہی وجود کی مثال لے لیں آپ کے وجود میں تمام کے تمام اعضاء جو کہ آپ ہی کا وجود ہیں اور اس وقت تک آپ کا ہی وجود ہیں جب تک کہ تمام کے تمام اعضاء آپ کے یعنی نفس جو کہ دماغ ہے اس کیساتھ جڑے رہیں گے اور دماغ کے تابع رہیں گے لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی عضو دماغ سے کٹ جاتا ہے یا اپنی من مانی کرتا ہے اپنی مرضی کرتا ہے تو وہ ایک دوسرا وجود بن جاتا ہے۔

اگر تمام کے تمام اعضاء دماغ کیساتھ جڑے رہتے ہیں تو ایک آپ ہی کا وجود ہے کوئی دوسرا وجود نہیں اور اگر ان میں سے کوئی بھی دماغ سے کٹ جاتا ہے یعنی آپ سے کٹ جاتا ہے اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرتا ہے تو وہ دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے۔

بالکل یہی مثال مومن اور مشرک کی ہے۔ آسمانوں وزمین میں یا کُل کے کُل وجود میں جو کچھ بھی ہے اگر تو وہ اپنے مقام پر قائم رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے یعنی وہ اللہ سے جڑا ہوا ہے تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں وہ اللہ ہی کا وجود ہے اور اگر کوئی اللہ سے کٹ جاتا ہے اپنی من مانیاں کرتا ہے اپنی مرضیاں کرتا ہے تو وہ الگ سے وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے یعنی وہ اللہ کا شریک بن جاتا ہے اور ایسا کرنے والا مشرک کہلاتا ہے۔

یہی آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے بھی کہا تھا کہ اگر کوئی اللہ کا خالص غلام بن جاتا ہے یعنی خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دیتا ہے ایسے ہی جیسے آپ کے وجود میں آپ کے اعضاء ہر لحاظ سے آپ کے غلام ہیں آپ کے ہاتھ آپ کے غلام ہیں اگر کوئی ایسے ہی اللہ کا غلام بن جاتا ہے تو اللہ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے اللہ ان سے دیکھتا ہے یعنی اس کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہوتا ہے، اس کا سننا اللہ کا سننا، اس کا چلنا اللہ کا چلنا، اس کا بولنا اللہ کا بولنا یعنی اللہ کا کلام کرنا اس کا ہر عمل اللہ کا عمل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے اگر وجود میں کوئی عضو خالص وجود کا غلام ہے تو کوئی بھی کام کوئی بھی عمل عضو کا عمل نہیں بلکہ وجود کا عمل کہلائے گا جیسے بظاہر ہاتھ کام کرتے ہیں لیکن آپ یہ نہیں کہتے کہ ہاتھوں نے کیا بلکہ آپ کہتے ہیں کہ فلاں کام میں نے کیا، اسی طرح بظاہر دیکھ تو آنکھیں رہی ہوتی ہیں لیکن آپ یہ نہیں کہتے کہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں یا آنکھوں نے دیکھا بلکہ آپ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں یا پھر میں نے دیکھا ایسے ہی جسم میں کوئی بھی عضو کوئی بھی کام کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ کام میں نے کیا اور اگر آپ کے وجود سے کوئی بھی عضو کاٹ دیا جائے اور کسی دوسرے وجود کا حصہ بن جائے اس کی بات مانے تو پھر آپ یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا کام میرا کام بلکہ تب وہ اسی کا کام کہلائے گا جس کا وہ ٹول بنا جس کا اس نے حکم مانا۔ اسی کا اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ ذکر کیا جیسا کہ درج ذیل آیت آپ کے سامنے ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ. آل عمران ۲۰

اور اللہ ہے دیکھ رہا ہے عباد سے یعنی عباد کیساتھ۔

عباد عبد کی جمع ہے اور عبد کے معنی ہیں غلام، جیسے آپ کے وجود میں آپ کے اعضاء آپ کے غلام ہیں آپ ان سے جو جی چاہے کام لیں وہ آگے سے رائی برابر بھی شکوہ وشکایت نہیں کرتے نہ ہی کوئی ڈھیل کرتے ہیں بلکہ جو آپ کہتے ہیں وہی کر رہے ہیں۔ اللہ اپنے غلاموں کیساتھ دیکھ رہا ہے کا مطلب بالکل وہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں میں آنکھوں کیساتھ دیکھ رہا ہوں، میں کیمرے کیساتھ دیکھ رہا ہوں، میں دور بین کیساتھ دیکھ رہا ہوں وغیرہ۔

جو بھی اللہ کے عباد یعنی غلام ہیں ان کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہے یعنی اسی ذات کا دیکھنا ہے جس ذات میں سب کا سب موجود ہے جس نے وجود میں لایا جو کہ یہی وجود ہے جو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود ہے یہ اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔
اللہ کا ایک اسم ہے ''الشکور'' یعنی اللہ الشکور ہے۔ الشکور شکر سے جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا جس مقصد کے لیے دیا گیا اور اس کی ضد ہے کفر جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر دینا جس مقصد کے لیے دیا گیا۔
اللہ الشکور ہے یعنی جو شکور ہے وہ اللہ ہی کا وجود ہے اس کا کوئی الگ سے وجود نہیں ہے۔
اب آپ خود غور کریں کہ اگر اللہ الگ ہے اور یہ جو وجود ہے یہ الگ اور اللہ الگ سے اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر اللہ الشکور کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ کیونکہ الشکور کے معنی ہیں وہ جو جسے جو کچھ بھی دیا گیا تو سب کے سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے جس مقصد کے لیے دیا گیا تو کیا ایسا کوئی اللہ الشکور ثابت ہو سکتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟ جسے کوئی دینے والا ہی نہ ہو اور پھر جو دیا وہ کس مقصد کے لیے دیا اس کا استعمال کیا ہے جب راہنمائی کی جائے تو وہ اسی مقصد کے لیے اس سب کا استعمال کرے؟ نہیں ایسا کوئی اللہ الشکور ثابت ہی نہیں ہوتا جو محض بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہو جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔
اب دیکھیں اور غور کریں کہ کیا یہی وجود جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود الشکور یا کفور ثابت نہیں ہوتا؟ آپ اپنی ہی مثال لے لیں اگر تو آپ اس سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے آپ کو دیا گیا تو آپ شکور ہیں اور الشکور اللہ ہے یعنی آپ جو بھی کر رہے ہیں وہ آپ کا کرنا نہیں بلکہ اسی ذات کا کرنا ہے جس نے آپ کو سب دیا آپ کا اپنا تو کوئی وجود ہی نہیں بلکہ آپ تو جو ایک ہی وجود ایک ہی ذات ہے اس میں اس کا ایک عضو ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے جسم میں آپ کے اعضاء ہیں۔
یوں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ خود ہی ہے جو وجود میں لا کر صلاحیتیں وغیرہ دے رہا ہے اور خود ہی ہے کہ ان صلاحیتوں کا یا جو کچھ بھی دیا گیا اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔
اللہ کا ایک اسم ہے ''المصور'' مصور کے معنی ہیں صور کرنے والا یعنی مادے کو یا مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر کوئی صورت دینے والا ان سے کچھ وجود میں لانے والا۔ جیسے کہ آپ بذات خود ایک صورہ ہیں، درخت، چرند، پرند سمیت تمام کی تمام مخلوقات صورہ ہیں۔ اب ذرا غور کریں کہ کیا آپ کو جس مواد سے وجود میں لایا گیا یعنی جس مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر آپ کو صور کیا گیا تو کیا آپ کو صور کرنے والا کوئی اس کائنات کے باہر سے آیا؟ یا پھر یہی وجود ہی ہے جس نے آپ کو صور کیا؟
درختوں کی ہی مثال لے لیں درخت جو کہ صورہ ہیں تو غور کریں درخت جس مواد سے وجود میں آئے اس مواد کو کس نے مختلف مراحل سے گزار کر درختوں کی شکل میں ڈھال دیا؟ کیا کوئی ایسا مصور ثابت ہوتا ہے جو اس کائنات کے باہر سے آ کر مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر درختوں کو صور کر رہا ہے؟ یا پھر المصور آپ کو یہی وجود ہی نظر آئے گا جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں۔
درختوں کو کس نے صور کیا؟ جب آپ درختوں کی خلق میں غور کریں گے تو آپ کے سامنے سمندر، سورج، چاند، زمین، ہواؤں سمیت لاتعداد مخلوقات آئیں گی یعنی یہی ایک ہی وجود سامنے آئے گا جو موجود ہے جس نے درختوں سمیت ہر کسی کو صور کیا اور صور کر رہا ہے۔
یوں آپ پر واضح ہو گیا کہ المصور تو یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جب یہی وجود المصور ثابت ہوتا ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ؟
حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ نہیں اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر آپ خود غور کریں ایسا اللہ جس کا کوئی

وجود ہی ثابت نہ ہو وہ المصور کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ المصور تو یہی وجود ہے تو پھر اللہ اسی وجود کو ہونا چاہیے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی ایسا اللہ ثابت ہوسکتا ہے جس کا کوئی وجود نہ ہو سوائے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کے۔

اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الخالق'' جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے جو انہیں خلق کر رہا ہے وہی اللہ ہے۔

آسمانوں و زمین میں کسی بھی خلق میں غور کریں کہ اسے کس نے خلق کیا؟ اس کا خالق کون ہے تو آپ کے سامنے یہی وجود ہی سامنے آئے گا جسے آپ ہر طرف دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً آپ اپنی ہی تخلیق میں غور کریں کہ آپ کو کس نے خلق کیا تو ذرا غور کریں اگر آپ کے والدین کو ہٹا دیا جائے تو آپ کا کوئی وجود ہوتا؟ نہیں بالکل نہیں۔ آپ کی خلق میں آپ کے والدین جو کہ ایک بشر مرد اور ایک بشر عورت آ جاتی ہے پھر اس سے بھی پہلے آپ اپنے والد میں نطفے کی صورت میں وجود میں آئے آپ کے والد کی صورت میں ایک مشین نے مختلف عناصر سے ایک نطفہ خلق کیا جس سے آپ کی والدہ کے جسم نامی ایک مشین نے آپ کو خلق کیا۔

والد میں نطفے کی صورت میں وجود میں آنے سے پہلے آپ نباتات کی صورت میں وجود میں آئے اسی طرح والدہ کے پیٹ میں خلق کے مراحل کے پیچھے بھی نباتات ہی سامنے آتی ہیں، نباتات زمین نے خلق کیں، نباتات کی خلق میں زمین کے علاوہ سورج اور چاند سمیت لاتعداد مخلوقات سامنے آئیں گی یوں جیسے جیسے آپ غور و فکر کرتے جائیں پیچھے سے پیچھے جائیں تو الخالق کے طور پر وہی ذات آپ کے سامنے آئے گی جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو کہ الخالق ہے۔

ایسے ہی آپ نباتات میں غور کریں کہ ان کا خالق کون ہے؟ جب آپ نباتات کی خلق میں غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں سمندروں کا اپنا کردار ہے، ہواؤں کا اپنا کردار، بادلوں کا اپنا کردار، فضا کا اپنا کردار، زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات کا اپنا کردار، سورج اور چاند کا اپنا کردار، جب تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں تو اس سے نباتات خلق ہوتی ہیں یوں اسی طرح جتنا پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو یہی مخلوقات کا مجموعہ ہی بطور خالق سامنے آئے گا کُل کا کُل یہی ایک ہی وجود سامنے آئے گا جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

آپ کسی کی بھی تخلیق میں غور کر لیں تو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے الخالق وہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی حق آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے۔ اب ذرا غور کریں جب الخالق یہی وجود ہی سامنے آتا ہے تو پھر ایسا کوئی اللہ ہوسکتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں؟ جو اس وجود سے الگ کوئی وجود ہو اور پرآسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے؟

جب الخالق یہی وجود ثابت ہوتا ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ تو یہی وجود ہی ثابت ہوتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الرزاق'' رزق بننے والا یا رزق دینے والا۔ رزق کہتے ہیں ضروریات کو، آپ ایسا کریں کہ سب سے پہلے اپنی ضروریات کی فہرست بنائیں پھر غور کریں کہ وہ تمام کی تمام ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ تمام کی تمام ضروریات کون آپ کو فراہم کر رہا ہے؟ مثلاً آپ کے رزق میں سے ہی آکسیجن ہے آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو ذرا غور کریں ایک تو آکسیجن کو آپ مخلوق کہتے ہیں دوسرا آکسیجن تو درخت خلق کر رہے ہیں اور یہ آسمان یعنی فضا آپ کو فراہم کر رہی ہے یعنی یہ جو وجود جو آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود ہی الرزاق ثابت ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں، یا کسی بھی مخلوق کی ضروریات کو لے لیں تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہی وجود ہے جو ہر کسی کو اس کا رزق یعنی ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہا ہے۔ پھل، سبزیاں، اناج وغیرہ آپ کی ضروریات ہیں تو یہی وجود ہی آپ کو آپ کی یہ ضروریات یعنی رزق

فراہم کر رہا ہے۔ پانی آپ کی ضروریات میں سے ایک ہے تو پانی بھی آپ کو یہی وجود ہی خلق کر کے فراہم کر رہا ہے۔ اب جبکہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہی وجود ہی الرزاق ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا کوئی ایسا اللہ ہوسکتا ہے جو اس وجود سے الگ کوئی وجود رکھتا ہو جو اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ بالکل نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر اس وجود کو ہٹا دیا جائے ان مخلوقات کو ہٹا دیا جائے جو کہ بطور الرزاق ہی سامنے آتی ہیں تو پھر کیا ایسا اللہ کسی ایک بھی مخلوق کو رزق فراہم کر سکتا ہے؟ تو اسکا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ ہرگز نہیں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی یہ کہا جاتا ہے کہ جی اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر اس کا مطلب کہ وہ تو ان مخلوقات کا محتاج ہے، وہ اسی وجود کا محتاج ہے اسی لیے تو ان سے کام لے رہا ہے اور اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اور ایسا تو کسی بھی صورت اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ یہی وجود ہی الرزاق ہے اور الرزاق اللہ ہے یعنی یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی موجود ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الصمد'' جس کا معنی ہے کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، خالق، خلق اور مخلوق خود ہی ہے ایک ہی وجود۔ یعنی خلق کرنے والا، جو خلق ہو رہا ہے اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے ایک خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ، اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر ایسا اللہ کسی بھی صورت الصمد ثابت ہوتا ہی نہیں کیونکہ اگر کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے تو پھر ظاہر ہے دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں اور جب دو وجود ثابت ہو جائیں تو پھر وہ الصمد کیسے ہوا؟ الصمد تو ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر اگر اللہ الگ ہے جو کہ خالق ہے، خلق اور مخلوق الگ ہے تو پھر بھی ایسا اللہ تو الصمد ثابت ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خلق کرنے کے لیے یا کچھ بھی کرنے کے لیے اپنے علاوہ کسی دوسرے وجود پر انحصار کر رہا ہے اس کا محتاج ہے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو پھر ایسا اللہ الصمد ثابت ہی نہیں ہوتا تو جو الصمد ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ کیسے ہوا؟ وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا اس لیے مشرکین آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کا نام اللہ نہیں ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے جو آپ کو الصمد نظر آ رہا ہے یعنی اس ایک ہی وجود کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، خالق بھی خود، جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود اور جس سے خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود کوئی دوسرا ہے ہی نہیں بلکہ خود ایک ہی ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے نہ کہ اللہ کسی دیومالائی بے بنیاد اور باطل عقیدے و نظریے کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الغنی'' جس کے معنی ہیں کہ کسی کا بھی محتاج نہیں یعنی جو بھی کام کرتا ہے خود ہی کرتا ہے اپنا کام وہ کسی سے بھی نہیں کرواتا وہ اپنے کام کے لیے کسی بھی قسم کا کسی دوسرے کا یعنی جو اس کا شریک ہونے کا دعویدار بنے گا اس کا محتاج نہیں ہے۔ اب آپ سے ہی سوال ہے کہ اگر اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر ایسا اللہ الغنی کیسے ثابت ہوا؟ وہ تو الغنی ثابت ہی نہیں ہوتا کیونکہ اگر اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ وجود ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ وہ تو اپنے ہر کام کے لیے اس کائنات کا محتاج ہے، بارشیں برسانے کے لیے پانی کا محتاج، سمندروں، ہواؤں سمیت لاتعداد مخلوقات کا محتاج، اگانے کے لیے سورج، چاند اور زمین سمیت لاتعداد مخلوقات کا محتاج، کسی کو بھی خلق کرنے کے لیے وہ انہی مخلوقات کا محتاج، مثلاً اگر ان مخلوقات کو ہٹا دیا جائے اس کائنات کو ہٹا دیا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا، وہ ہر لحاظ سے اپنے ہر کام کے لیے اسی وجود کائنات کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی ایک بھی کام ایسا نہیں جو خود کر رہا ہو یہاں تک کہ آپ کوئی ایک رائی برابر بھی کوئی کام یا شئے ایسی نہیں ملے گی جو اس نے خود کیا ہو اور اس کے لیے اس نے

ہرلحاظ سے خود پر انحصار کیا ہو بلکہ آپ کو جو کچھ بھی ملے گا وہ اسی وجود جو موجود ہے اسی کا ہی ملے گا۔

اب جو الغنی ثابت ہی نہ ہو جو خود محتاج ثابت ہو جائے تو وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ ثابت ہونا تو بہت دور کی بات بلکہ ایسے کسی اللہ کا تو کوئی وجود ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آپ کُل کائنات میں غور وفکر کرلیں آپ کو اسی کائنات اسی وجود کا ہی سب کچھ ملے گا اس کے علاوہ کسی دوسرے کا کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اب جب کسی دوسرے کا کچھ ملتا ہی نہیں تو پھر کوئی دوسرا وجود کیسے ثابت ہوگا؟ یوں تو کوئی دوسرا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا اور جو خود اپنا وجود ہی ثابت نہ کر سکے وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ اپنا وجود ثابت کرنے کی بجائے زبردستی منوانے کے لیے ملاّؤں کا محتاج ہے اور پھر کوئی ایک بھی ملاّں ایسا نہیں جو اس کے بارے میں کیے جانے والے کسی ایک بھی سوال کا اطمینان بخش جواب دے سکے۔ تو جو اپنا وجود ہی ثابت نہیں کرسکتا بلکہ الٹا اپنا وجود منوانے کے لیے ملاّؤں کا محتاج ہے ایسا کوئی اللہ ہوسکتا ہے؟ اللہ تو الغنی ہے تو جو الغنی ثابت ہونا تو بہت دور اپنا وجود ہی ثابت نہ کر سکے وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ یہ محض ان کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کا نام ہے جن کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اب جب کہ ہر لحاظ سے یہ واضح ہو چکا کہ نہ صرف ایک ہی وجود ہے جو کہ موجود ہے بلکہ یہی الغنی ہے اپنا ہر کام خود کر رہا ہے بارشیں نہ صرف خود برسا رہا ہے بلکہ رائی برابر بھی کسی کا محتاج نہیں ایسے ہی اپنا ہر کام خود کر رہا ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی حق ہر لحاظ سے کھل کر آپ پر واضح ہو چکا۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الوکیل'' وکیل کے معنی ہیں اپنی بات کو منوا کر ہی رہنے والا۔

اب ذرا غور کریں کہ کون ہے جو الوکیل ثابت ہوتا ہے کیا کوئی ایسا اللہ الوکیل ثابت ہوتا ہے جس کا اپنا ہی کوئی وجود نہ ہو؟ جو آج تک اپنا وجود ہی نہ منوا سکا؟ جو آج تک اپنا وجود ہی نہ منوا سکا وہ خاک الوکیل ثابت ہوگا۔ بلکہ دیکھیں کہ وکیل کون ثابت ہوتا ہے۔

اللہ نے اپنے ہر رسول کو یہی کہا کہ ہم نے تجھے وکیل بنا کر نہیں بھیجا یعنی تیرا کام یہ نہیں کہ تُو منوا کر ہی چھوڑے بلکہ تیرے ذمہ صرف اور صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے وکیل تیرا ربّ کافی ہے یعنی وہ ذات جس نے عدم سے وجود دیا اور نہ صرف وجود دیا بلکہ جتنی بھی ضروریات ہیں وہ خلق کر کے مہیا کر رہی ہے وغیرہ، جو ذات ربّ ہے وہ وکیل کافی ہے۔

یہ بات آپ قرآن کی درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُم. الجمعہ ۲

هُــوَ جو بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ حد نہیں آجاتی یعنی جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب حد آجائے جس سے آگے جایا ہی نہیں جاسکتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا کہ اس ایک ہی وجود کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِیْ یہی وجود ہی وہ ذات ہے بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُم جو کھڑا کرتی ہے ایک رسول امیّن میں انہی میں سے۔

اس آیت سے آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ یہی وجود ہی وہ ذات ہے یعنی اللہ ہے جو رسول کو بعث کرتا ہے اور پھر جب رسول کو بعث کرتا ہے رسول آجاتا ہے تو پھر دیکھیں کیا کہا۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ. الانعام ۱۰۷

اور نہیں تُو ان پر وکیلوں سے یعنی اللہ اپنے بعث کیے ہوئے رسول کو کہہ رہا ہے ربّ جو کہ یہی وجود ہے جو آپ کو ہر طرف فطرت کی صورت میں نظر آ رہا ہے اپنے بعث کیے ہوئے رسول سے کہہ رہا ہے کہ اے میرے رسول یہ جو تُو ان پر حق ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کر واضح کر رہا ہے اس کے باوجود بھی یہ نہیں مان رہے تو تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں نہ ہی تجھے کوئی ایسی منصوبہ بندیاں کرنے کی ضرورت کہ تُو ان کو منوا کر ہی چھوڑے بلکہ تُو وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا اس لیے تجھ پر صرف اور صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ۔ النحل ۸۲

پس اس میں کچھ شک نہیں تجھ پر کیا ہے؟ تجھ پر صرف اور صرف یہ ہے کہ ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر پہنچا دینا اور بس کیونکہ۔

وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ۔ العنکبوت ۱۸

اور کچھ بھی نہیں ہے الرسول پر مگر صرف اور صرف یہ کہ کھول کھول کر پہنچا دینا۔

رسول، اللہ کے وجود میں اللہ کی زبان ہوتا ہے جس کا کام ہوتا ہے وجود کی ترجمانی کرنا محض پیغام کو کھول کھول کر پہنچا دینا اس لیے رسول وکیل نہیں ہوتا کیونکہ وجود میں صرف زبان ہی نہیں ہوتی بلکہ وجود میں اور بھی بہت سے اعضاء ہوتے ہیں جن میں ہاتھ بھی ہوتے ہیں اگر کوئی زبان سے نہیں مانتا تو پھر ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اس لیے رسول کا کام نہیں منوانا بلکہ منوانا تو ربّ کا کام ہے جو کہ اللہ ہے اور دیکھیں یہی بات آگے واضح کر دی گئی۔

وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ۔ الاسراء ۶۵

اور کافی ہے تیرے ربّ سے وکیل یعنی جیسے تُو رسول اللہ کی زبان ہے ربّ کی زبان ہے ایسے ہی اللہ کا ید یعنی اللہ کے ہاتھ بھی ہیں تو جب منوانے کا وقت آئے گا تُو تیرا ربّ منوالے گا، لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لیے تُو ایسا کر اپنی ذمہ داری پوری کر تُو کھول کھول کر پہنچا دے جیسے ہی تُو پہنچا لے گا اپنی ذمہ داری کو پورا کر لے گا تو اس کے بعد ہاتھ حرکت میں آئیں گے تب ہر کوئی مانے گا۔

جب بھی اپنی بات کسی کو منوانا ناگزیر ہو جائے تو یہ اصول ہے کہ پہلے زبان سے منع کیا جائے گا تا کہ کل کو اس کے پاس یہ بہانہ یا عذر نہ رہے کہ اگر اسے زبان سے منع کیا جاتا تو وہ مان جاتا، اس بہانے کو دور کرنے کے لیے حجت کرنے کے لیے پہلے زبان سے بات کی جاتی ہے زبان اپنا کام کرتی ہے اور جب زبان اپنا کام مکمل کر لیتی ہے تو اس کے فوری بعد ہاتھ حرکت میں آتے ہیں پھر جو زبان سے نہیں مانتے جو استکبار کرتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے ہم وہی کریں گے جو ہماری مرضی ہے وہ ہاتھ کے حرکت میں آنے سے مانتے ہیں یوں اللہ منواتا ہے اللہ وکیل ہے۔

اب دیکھیں کہ ماضی میں جب بھی منوایا گیا تو وکیل کون ثابت ہوا؟ اللہ نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف اور جب وہ زبان سے نہ مانے تو آسمانوں وزمین میں یہی مخلوقات ہی ہیں جو حرکت میں آئیں، جب یہی مخلوقات جو کہ اللہ کا ید یعنی ہاتھ ثابت ہوا تو ہر کوئی مان گیا لیکن تب ماننا کوئی نفع نہ دیا۔ بالکل ایسے ہی بعد میں جب جب منوانے کا وقت آیا تو وکیل یہی مخلوقات ہی ثابت ہوئیں۔

یعنی آپ پر ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے نہ صرف یہ ایک ہی وجود ہے بلکہ یہی وہ ذات ہے جو پہلے زبان سے اپنی بات پیش کرتی ہے کہ مان جاؤ جس کے لیے ایک خلق بشر کو سامنے لایا جاتا ہے جب وہ اپنی ذمہ داری پوری کر لیتا ہے تو پھر یہی وجود ہی ہے جو حرکت میں آتا ہے یعنی وکیل بنتا ہے جب یہی وجود وکیل بنتا ہے تو ہر کوئی مان جاتا ہے۔

اب جب یہ ثابت ہو چکا کہ الوکیل یہی وجود ہی ہے جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے تو پھر اللہ کیا ہے؟ کیا اللہ الگ ہے اور یہ وجود جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں یہ الگ ہے؟ جب یہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں، یہی وجود ہی ربّ ہے، یہی وجود ہی وکیل ہے تو پھر اللہ کیا ہے یہ اب بھی سوال رہتا ہے؟

نہیں بلکہ بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے، آپ اللہ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ اللہ اتنا بڑا ہے اور آپ اتنے چھوٹے ہیں کہ آپ کی بصارت اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتی اور جہاں تک آپ کی بصارت ہے یعنی آپ دیکھ سکتے ہیں وہاں تک آپ کو کوئی دوسرا نہیں کوئی اور نہیں بلکہ ایک اللہ ہی کا وجود ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اس لیے اللہ ہی کا وجود نظر آئے گا۔

اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو چکا نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی کوئی اللہ سے کفر ہی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں اللہ الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے الوکیل ثابت کرے؟ اگر وہ اسے الوکیل ثابت کر دے تو کون ہے جو حق کا طلب گار ہو اور وہ حق سے کفر کرے؟ بلکہ آپ اپنے آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو حق ثابت تو کریں لیکن انہیں حق ثابت کرنا تو دور کی بات آپ نے تو ان پر بات کرنے کی بھی پابندی عائد کی ہوئی ہے اگر کوئی ان پر

بات کرے گا ان کے خلاف سوچے گا یا ان کے لیے کوئی دلیل مانگے گا تو وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائے گا وہ کافر، مشرک، مرتد، زندیق، فاسق وفاجر اور نہ جانے کیا کیا ہو جائے گا۔

اب اگر آپ حق پر ہوں آپ کے پاس حق ہو تو آپ ایسا کریں؟ یہ ممکن ہی نہیں کیوں کہ حق نہ تو کسی ملامت کرنے والی کی پرواہ کرتا ہے، نہ کسی سے ڈرتا ہے، نہ خوف کھاتا ہے، نہ ہی کسی بھی قسم کی بیساکھیوں کا سہارا لیتا ہے بلکہ حق تو سامنے والے کو آزاد کرتا ہے کہ جاؤ اپنی تحقیق کر لو جہاں تک بھاگ سکتے ہو بھاگ لو بالآخر تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے جو کہ حق ہے جو کھول کھول کر سامنے لا رکھا گیا۔

حق سامنے والے کو کسی دائرے میں قید نہیں کرتا، اس کی آنکھیں اور کان بند نہیں کرتا، اس کے دماغ پر تالا نہیں لگاتا نہ ہی کسی دائرے میں قید کرتا ہے بلکہ حق سامنے والے کو پہلے تو آزاد کرتا ہے اسے اپنی پوری تحقیق کرنے کی دعوت اور موقع دیتا ہے پھر اسے اس کے ہر سوال کا جواب دیکر مطمئن کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس باطل کو ہر لمحے یہ خوف کھائے جاتا ہے کہ کہیں حق سامنے نہ آجائے کیونکہ اسے علم ہے حق سے سامنا ہونے کی دیر ہے باطل چکنا چور ہو جائے گا باطل حق کا سامنا نہیں کر سکے گا اسے مٹنا ہی ہو گا جس وجہ سے باطل دائروں میں بند کرتا ہے قید کرتا ہے تحقیق وسوالات کا دروازہ بند کرتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''القوی'' قوی کے معنی ہیں کہ اگر کسی سے مقابلہ ہوتا ہے کسی سے لڑائی ہوتی ہے جنگ ہوتی ہے تو ان میں سے جو بچ جائے یعنی جو دوسرے کو شکست دے دے اس کا وجود مٹا دے اسے مار دے اور خود بچ جائے اس کا اپنا وجود برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ قوی کا معنی قوت والا بھی کر سکتے ہیں۔

اللہ القوی ہے یعنی اللہ وہ ذات ہے کہ جس سے جب بھی مقابلہ کیا گیا، جب بھی اس سے دشمنی کی گئی، جب بھی اس سے لڑائی وجنگ کی گئی تو اس وجود نے اپنے دشمن کو مٹا کر رکھ دیا اور خود بچ گیا یعنی اسے کچھ بھی نہ ہوا اس کا کچھ بھی نہ بگڑا یوں وہ وجود قوت والا ثابت ہو گیا۔ اب جو بھی القوی ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ اسے قرآن سے ہی آپ پر واضح کرتے ہیں اس لیے دیکھیں قرآن کی درج ذیل آیت میں اللہ نے کیا کہا۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً. فصلت ۱۵

فَاَمَّا عَادٌ پس جو عاد ہیں یعنی جو قوم نوح نے کیا جس کے سبب ہلاک ہوئی تو اس کے بعد والی قوم نے بھی وہی کیا اب آگے یہ واضح کر دیا گیا کہ انہوں نے کیا کیا فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ پس کیا کر رہے ہیں؟ استکبار کر رہے ہیں زمین میں بغیر حق کے یعنی اِس وقت دنیا میں جو لوگ موجود ہیں جو قومیں موجود ہیں آج یہ جو زمین میں بڑے بنے ہوئے ہیں کہ زمین میں وہی ہو گا جو ہماری مرضی ہے، کیسے اگایا جائے گا، کیسا نظام ہو گا ہم طے کریں گے وہی نظام چلے گا جو ہم چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حق حاصل نہیں یعنی اگر تو زمین کے خالق یہ ہیں، آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ان سب کو وجود میں لانے والے یہ ہیں ان کو سب کچھ دینے والے یہ ہیں تو پھر بلا شک وشبہ یہی اس کے مالک ہیں اور انہی کو حق حاصل ہے کہ یہ طے کریں زمین میں کیا ہو گا اور کیا نہیں کون سا نظام ہو گا اور کون سا نہیں، انہیں اپنی من مانیاں ومرضیاں کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اگر آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اسے انہوں نے خلق نہیں کیا ان کو وجود میں لانے والے یہ نہیں ان کو جو کچھ بھی دیا گیا انہیں وہ سب دینے والے یہ نہیں ہیں تو پھر یہ لوگ کس بنیاد پر زمین کے مالک بن بیٹھے؟ انہیں کس نے یہ حق دیا کہ یہ زمین میں بڑے بن بیٹھیں کہ زمین میں سب کچھ وہی ہو گا جو یہ چاہیں گے اور اگر ان کی مرضی کے خلاف کچھ ہوتا ہے تو یہ کہہ رہے ہیں وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اور کہہ رہے ہیں کون ہے جو ہم سے قوت میں بڑھ کر ہے یعنی کون ہے جو ہم سے لڑ کر ہمیں شکست دے سکتا ہے؟ کون ہے جو ہم سے جنگ کر سکتا ہے؟ یعنی ہم مشینوں، ایجادات، اسلحے وبارود اور فوجوں وغیرہ سمیت طرح طرح کی منصوبہ بندیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں کوئی بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا بالکل عین اسی طرح اُنہوں نے بھی کیا تھا اور وہ بھی ایسا ہی کہتے تھے جو قوم نوح کے بعد ہوئے جنہوں نے وہی کیا جو ان سے پہلے قوم نوح بھی کر چکی تھی اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہیں دیکھ رہے؟ اَنَّ اللّٰهَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا ان سے بڑھ کر قوت میں جس کا یہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا الَّذِيْ خَلَقَهُمْ اللہ تھا وہ جس ذات نے انہیں خلق کیا یعنی عدم سے مختلف مراحل سے گزار کر وجود میں لایا۔ اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلق کرنے والی ذات کون ہے جو اللہ ہے؟ تو آگے اس سوال کا بھی جواب دے دیا گیا ھُوَ ہے وہ ذات جس نے انہیں خلق کیا یعنی جو کچھ بھی موجود ہے جو تمہیں نظر آ رہا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا، جب تک کہ حد نہیں آ جاتی اور جب حد آ جائے اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا بلکہ یہی وجود اللہ ہے وہی ذات جس نے انہیں خلق کیا اَشَدُّ مِنۡھُمۡ قُوَّۃً یہ ذات یعنی فطرت اللہ کی ذات جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے یہ ذات ان سے بڑھ کر ہے قوت میں یعنی اتنی بڑھ کر کہ اس ذات سے بڑھ کر قوت والا ہے ہی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کیساتھ دشمنی کر کے اپنا وجود بچا سکے، کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کے ساتھ جنگ کر کے اللہ کی آیات کا کذب کر کے اپنا وجود بچا سکے۔ جو قوۃ میں اس قدر بڑھ کر ہو کہ اس سے بڑھ کر کوئی نہ ہو تو وہ القوی کہلاتا ہے یوں یہ کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ نہ صرف آپ کو اللہ کا ہی وجود نظر آ رہا ہے بلکہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں اور یہی ذات جو کہ اللہ کی ذات ہے القوی ہے۔

اس آیت میں نہ صرف بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ قوی ہونا کیا ہے بلکہ ثابت ہو گیا کہ القوی یہی ذات ہے جسے آپ فطرت کا نام دیتے ہیں، جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں اور آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ پوری دنیا پر کب کا قابض ہے یعنی امریکی قوم استکبار کر رہی ہے زمین میں اور امریکہ کا یہی کہنا ہے کہ میں سپر پاور ہوں یعنی امریکہ سے قوت میں بڑھ کر کوئی بھی نہیں، کوئی بھی امریکہ سے جنگ نہیں کر سکتا، کوئی بھی امریکہ سے لڑ کر اسے شکست نہیں دے سکتا اس لیے پوری دنیا پر لازم ہے کہ وہی نظام قائم کریں اسی نظام پر چلیں جو ہم چاہیں گے، یوں پوری دنیا میں وہی نظام مسلط کر دیا گیا جو امریکہ کی چاہت تھی، پوری دنیا میں ترقی کے نام پر وہی ہو رہا ہے جو امریکہ کی چاہت ہے۔ اتنے بڑے دعوے کے باوجود امریکہ خود ایک ہی قوت کو اپنے سے بڑھ کر نہ صرف سمجھتا ہے اور تسلیم کرتا ہے بلکہ خود اس بات کا اعلان بھی کرتا ہے۔

قوت میں سب سے بڑھ کر ہونے کا دعویدار امریکہ جب بھی سونامی آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، طوفان یا ایسی ہی ہلاکتیں آتی ہیں تو ان کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے اور انہیں نیچرل ڈزاسٹرز کا نام دیتا ہے یعنی قدرتی آفات، فطرت کی مسلط کردہ ہلاکتیں اور امریکہ اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہے کہ یہ فطرتی ہلاکتوں و تباہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ہر خطے ہر ملک میں وہ جو طاقت ور ہیں وہ بھی ایسے ہی ظلم و زیادتیوں کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں اور ان کا بھی اپنے عمل سے یہی کہنا ہے کہ کون ہے جو ہم سے قوت میں بڑھ کر ہے؟ یعنی ہم جو جی چاہے کریں کوئی ہمیں روکنے والا نہیں، کوئی ایسا نہیں جو ہمارا مقابلہ کر سکے مثلاً آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بالکل یہی دعویٰ پاکستان نامی ریاست میں فوج اور اس کے خفیہ اداروں کا ہے جو جسے چاہتے ہیں اغوا کرتے ہیں غائب کرتے ہیں قتل کرتے ہیں لوگوں کے اموال لوٹ لیتے ہیں طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں ایسے مظالم کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں، جو بھی ان کی قید میں ہوتا ہے یہ اپنے عمل اور زبان سے کہتے ہیں کہ یہاں ہم سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں کوئی بھی نہیں جو تمہیں ہم سے چھڑا سکے یا پھر ہمیں کچھ بھی کرنے سے روک سکے حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں یہ استکبار فی الارض کر رہے ہیں یہ لوگ طاقت کے نشے میں کھلم کھلا اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور جلد ہی یہ اپنے مشرک آباؤ اجداد آل فرعون اور جو ان سے پہلے تھے کی مثل ہلاک کیے جانے والے ہیں لیکن انہیں اس بات کا شعور نہیں ہے۔

یوں آپ آج خود دیکھ رہے ہیں اور ثابت ہو چکا کہ ایک ہی وجود ہے ایک ہی ذات ہے جو کہ القوی ثابت ہوتی ہے اور وہ ہے یہی وجود جسے آپ فطرت کا یا کائنات کا نام دیتے ہیں جو کہ ربّ ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کسی بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔

اب اگر اس کے باوجود بھی کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہے تو اسے اس آسمانوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کو جس کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں اسے القوی ثابت کرنا ہوگا؟ اور جب ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ القوی تو فطرت ہے تو پھر فطرت کے علاوہ کوئی اللہ ہے ہی نہیں نہ ہی کسی بھی صورت ہو سکتا ہے یہ فطرت ہی ہے جو آپ کا ربّ ہے اور آسمانوں پر چڑھایا ہوا ملاؤں و مذہبی طبقے کا خود ساختہ و بے بنیاد اللہ القوی ہونا تو بعد کی بات ہے اپنا وجود ہی ثابت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور الٹا خود اپنے وجود کو زبردستی منوانے کے لیے ملاؤں و مذاہب کا محتاج ہے۔

یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی موجود ہے جو بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الظاہر'' جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے۔

جو کچھ بھی کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی نظر آ رہا ہے اب اس سے بھی بڑھ کر حق واضح ہو سکتا ہے؟ اب آپ سے ہی سوال کرتے ہیں جسے آج تک اللہ قرار دیا جاتا رہا جو کہ محض بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے کہ کائنات الگ اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے تو کیا وہ الظاہر ہے؟ کیا وہ کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے؟ سامنے نظر آنا تو بہت دور کی بات بلکہ آج تک کوئی ایک بھی خلق ایسی نہیں کہ جس نے اسے دیکھا ہو اور پھر دیکھنا تو بعد کی بات ہے اس کا تو کوئی وجود ہی ثابت نہیں ہوتا۔ جس کا کوئی وجود ہی نہیں وہ ظاہر کہاں سے ہوگا اور پھر نظر کہاں آئے گا؟

جو کھلم کھلا سامنے ہے ہی نہیں وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے اور جو کھلم کھلا ہر طرف ہر سو نظر آ رہا ہے اس کے علاوہ کوئی اللہ ہو ہی نہیں سکتا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔ یوں اس پہلو سے بھی نہ صرف اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے بلکہ آج تک اللہ کے نام پر پائے جانے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا، کوئی خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لے نہ صرف وہ اپنے ان عقائد و نظریات کو سچا ثابت نہیں کر سکتا بلکہ اسے ہر صورت حق کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ زبان سے واضح کر دیئے جانے کے بعد اپنی خوشی سے تسلیم کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرے یا پھر اللہ کے ید یعنی ہاتھ کو حرکت میں آتا دیکھ کر یعنی عذاب عظیم کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر نہ صرف تسلیم کرے بلکہ یہ تسلیم کرنا اسے کچھ نفع نہیں دے گا اور دنیا و آخرت میں ذلت آمیز ہلاکت و رسوائی کا سودا کرے۔

یہ چند اسماء الحسنیٰ ہیں جن سے آپ پر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی تمام کے تمام اسماء الحسنی سے یہی حق ہی آپ کے سامنے آئے گا اور کوئی ایک بھی اسم ایسا نہیں جس کی بنیاد پر جو اللہ ہے ہی نہیں جسے آسمانوں پر چڑھا دیا گیا اس کا کوئی وجود ثابت ہو یا پھر وہ کسی ایک بھی اسم پر پورا اتر سکے۔

تمام کے تمام اسماء اللہ کے ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ. الحدید ۴

اور ھُوَ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اب آپ خود غور کریں اور فیصلہ کریں کہ آپ کہیں بھی چلے جائیں تو وہاں آپ کے ساتھ کون ہوگا؟ کیا یہی وجود نہیں جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا؟ یہ آیت بھی اللہ کی ذات کو اس طرح کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ رائی برابر بھی کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ اللہ کیا ہے۔

آسمانوں میں چلے جائیں تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا جو کچھ بھی موجود ہے جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں، زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں تو یہی مخلوقات ہی سامنے آئیں گی یہی وجود جو کچھ بھی موجود ہے، سمندروں میں چلے جائیں تو وہاں بھی یہی وجود ہی ساتھ ہوگا، ایسے ہی آپ کہیں بھی چلے جائیں تو وہاں اسی وجود کو ہی اپنے ساتھ پائیں گے اور یہی تو کہا گیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو جو تمہارے ساتھ ہے وہ ہے اللہ۔

یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے۔ جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے اور آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے اور اگر بات کی جائے مشرکین کے خیالی اللہ کی تو وہ کیسے جہاں بھی ہوں ساتھ ثابت ہو سکتا ہے جو کہ ہے ہی آسمانوں پر چڑھا ہوا؟ یوں مشرکین کے خیالی اللہ کا تو وجود ہی کالعدم ثابت ہو گیا جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ مشرکین کا خود ساختہ بے بنیاد و باطل عقیدہ و نظریہ ہے جو کہ دجل عظیم ہے جس کا باب لد سے قتل کر دیا گیا۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا. المجادلہ ۷

اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی جیسا کہ پیچھے یہ بات واضح کی جا چکی کہ آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے کس نہ کسی مقصد کے لیے دیا گیا اور پھر کس شئے کا کیا مقصد ہے اسے جاننا ہو تو شئے میں موجود صلاحیتیں اس کے مقصد کو واضح کرتی ہیں۔ آپ کو آنکھیں دیں جن سے دیکھنے کی صلاحیت ہے تو ظاہر ہے دیکھنے کے لیے ہی آنکھیں دیں اور پھر آپ کے دیکھنے کے لیے آپ کے سامنے کیا رکھا؟ یہی وجود جو کچھ بھی آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے تو یہ جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے اسی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تم دیکھ رہے ہو، تمہیں آنکھیں دیں اور یہ وجود بھی تمہارے سامنے ہے تم ہر لمحے اسی وجود کو ہی تو دیکھ رہے ہو ہر طرف جو بھی تمہیں نظر آ رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو دیکھ رہے ہیں جو دیکھا جو کہ یہی وجود ہے آسمانوں وزمین ہیں جو کچھ بھی ان میں موجود سامنے ہے بصارت کی رسائی میں ہے یہ سب دیکھا ہے تو کیا ہے یہ؟ آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا اَنَّ اللّٰهَ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا یعنی یہ ہے اللہ جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور آج تک اللہ کو تھا کیے ہوئے تھے تمہیں علم ہی نہ تھا کہ اللہ ہے کیا۔ پھر آگے دیکھیں اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک عظیم ثبوت بھی ساتھ ہی پیش کر دیا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ خود ہی علم رکھ رہا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی غور کرو کون ہے جسے خود علم ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے؟ مثلاً اگر آپ کی مٹھی میں کوئی شئے ہو اور مٹھی بند ہو تو کون ہے جس کو علم ہے کہ مٹھی میں کیا ہے؟ کیا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں تو بالکل اسی طرح جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کا علم اس کے علاوہ کسی اور کو ہو ہی نہیں سکتا جس وجود میں آسمانوں وزمین موجود ہیں۔ جو کہ یہی وجود ہی سامنے آئے گا یعنی ھُوَ ہی سامنے آئے گا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا اور پھر دیکھیں آگے یہی واضح کیا گیا کہ ھُوَ ہی اللہ ہے مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ نہیں ہو رہا تین میں سے کوئی انتہائی خفیہ بات کرے یعنی جیسے کہ سرگوشی کر کے کسی کو بتایا جاتا ہے تا کہ کوئی سن نہ لے مگر ھُوَ ان کا چوتھا ہوتا ہے وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ اور نہ پانچ مگر ھُوَ ان کا چھٹا ہوتا ہے وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ اور نہ ہی اس سے کم اور نہ ہی اس سے زیادہ مگر ھُوَ یعنی کم سے کم بھی ہوں تو ساتھ ھُوَ ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی ہوں تو ساتھ ھُوَ ہے هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا جہاں کہیں بھی ہیں ھُوَ ان کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے پہلے حصے میں تو واضح کر دیا کہ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جس کا بھی وجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ حد نہیں آ جاتی یعنی جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا بلکہ یہی اللہ ہے اور اللہ ہی میں ہے جو کچھ بھی ہے، آسمانوں وزمین بھی اللہ ہی کے وجود میں ہیں جب آسمانوں وزمین اللہ ہی کے وجود میں ہیں تو ظاہر ہے پھر اللہ ہی ہے جسے علم ہے کہ آسمانوں وزمین میں کیا کچھ ہے۔ اور آگے مزید انتہائی آسان مثال سے واضح کر دیا کہ ھُوَ اللہ ہے۔ کہیں پر بھی کوئی تین ہوں تو چوتھا ھُوَ ہے اور آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ ہاں جہاں کہیں بھی چلے جائیں یا جتنے بھی ہوں وہاں یہی وجود ہو گا ان کیساتھ، ایسے ہی کہا کہ پانچ ہوں تو چھٹا ساتھ ھُوَ ہے اور پھر مزید انتہائی زبردست مثال دے دی کہ ان سے بھی کم سے کم ہوں جتنے کم ہو سکتے ہیں اب ظاہر ہے کم سے کم تو ایک ہوتا ہے، چھوٹے سے چھوٹا ایک، اب اگر اللہ الگ سے کوئی اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پہلی بات کہ وہ ساتھ ہے ہی نہیں ایسے جیسے کہ تین ساتھ ہوتے ہیں اور وہ چوتھا ساتھ ہو اور دوسری بات کہ ادنیٰ یعنی چھوٹے سے چھوٹے، نیچے سے نیچے، کم سے کم جو کہ چھوٹے سے چھوٹا ایک ہوتا ہے اگر وہاں اللہ الگ سے موجود ہے تو وہ ادنیٰ تو رہے گا ہی نہیں یعنی وہ چھوٹے سے چھوٹا ایک تو رہے گا ہی نہیں۔ ہاں البتہ ایک ہی صورت پیچھے بچتی ہے کہ نہ صرف اللہ اس کیساتھ ہو بلکہ وہ کم سے کم چھوٹے سے چھوٹا ایک ہی رہے اگر وہ خود اپنے آپ میں اللہ ہی کا وجود ہو اللہ کوئی الگ سے وجود نہ ہو اور یہی حق ہے جو کہ آیت سے بالکل کھل کر واضح ہو گیا۔

ایسے ہی اکثر جس سے زیادہ نہ ہو یعنی جتنا زیادہ ہو سکتا ہے اب اگر اللہ الگ سے وجود ہے تو پھر اللہ کے علاوہ تو کوئی اکثر ہو ہی نہیں سکتا ہاں البتہ ایک صورت ہے کہ اکثر بھی رہے اور اللہ بھی ساتھ موجود ہے وہ یہ کہ اللہ الگ سے وجود نہیں بلکہ اکثر اللہ ہی کا وجود ہو۔

یہ آیت کھول کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ جو کچھ بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب حد آ

جائے یعنی اورختم ہوکر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا نہ صرف ایک ہی وجود ہے بلکہ یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۙ النور ۳۵

اَللّٰہُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب ہے نُوۡرُ نور ہے یعنی انرجی ہے السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ آسمان اور زمین یعنی جو خلائیں ہیں اور جو مادہ ہے سب کا سب نور یعنی انرجی ہے۔

آپ کو دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ جو کچھ بھی موجود ہے اس میں سے جو ظاہر ہے دیکھ رہے ہیں یعنی آپ آسمانوں وزمین کو دیکھ رہے ہیں تو جو بھی آپ دیکھ رہے ہیں یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے اور یہ وجود یعنی آسمانوں وزمین نور یعنی انرجی ہے۔ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ نور یعنی انرجی ہی ہے جو آپ کو آسمانوں یعنی گیسوں اور ارض یعنی مادے کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔ کس طرح یہ سب کا سب انرجی ہے اسی کو ایک مثال سے واضح کیا گیا مَثَلُ نُوۡرِہٖ مثل ہے اس نور کی یعنی انرجی کی کَمِشۡکٰوۃٍ جیسے کہ مشکاۃ ہیں جتنے ہو سکتے ہیں۔ مشکاۃ کہتے ہیں جیسے کہ آپ نے دیکھا ہو گا لالٹین کے گرد شیشے کا ایک خول سا ہوتا ہے بالکل ایسا ہی ہر طرف سے بند خول ہو گویا کہ شیشے کی گیند ہو اس میں سے روشنی تو گزر سکے لیکن دھواں وغیرہ نہ گزرے یعنی جس کی ضرورت ہے وہ تو آگے کو جا سکے لیکن جس کی آگے ضرورت نہیں اگر اس کے باوجود جائے تو نقصان کا باعث بنے اسے اس حالت میں آگے نہ جانے دے بلکہ اسے کسی ایسی حالت میں بدل کر آگے بھیجے کہ وہ نقصان کی بجائے فائدہ مند بن جائے۔ ایسے ہی گویا کہ شیشے کے گول گیند نما بال ہوں جو ایسے ہی ایک دوسرے کے اندر ہوں جیسے گیند کے اندر گیند، اس کے اندر اور گیند، اس کے اندر اور گیند۔ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ اس میں ہے چراغ یعنی آگ جل رہی ہے اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ مصباح یعنی جو چراغ جل رہا ہے جو آگ جل رہی ہے وہ شیشوں میں ہے جیسے کہ پیچھے واضح کیا گیا کہ مشکاۃ ہر طرف سے بند گیند نما خول ہے اور بہت سے مشکاۃ جیسے گیند کے اندر گیند، اس کے اندر اور گیند، اس کے اندر اور گیند اور جو مشکاۃ ہیں وہ شیشے کے ہیں ان میں چراغ جل رہا ہے اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ جو شیشہ ہے وہ بالکل ایسا ہے جیسے کہ انتہائی روشن اور چمکتا ہوا ستارہ ہے یُّوۡقَدُ گویا کہ خود ہی جل رہا ہے مِنۡ شَجَرَۃٍ جتنے بھی سلسلہ ہیں ان میں سے ہر سلسلہ یعنی جیسے ایک دو میں تقسیم ہو جاتا ہے دو آگے چار میں ایسے ہی جیسے جیسے آگے بڑھتے جانا مزید پھیلتے جانا مُّبٰرَکَۃٍ جن میں ہیں ہی برکات یعنی جن میں رائی برابر بھی کسی ایک بھی مخلوق کے لیے نقصان نہیں بلکہ ہر لحاظ سے فائدے ہی فائدے ہیں زَیۡتُوۡنَۃٍ ایک ایسا تیل کہ جتنے بھی تیل ہو سکتے ہیں اس میں ہیں لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ نہ ہی ان میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھی شرقی اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھی غربی یعنی مثال کے طور پر اگر آپ کو کسی خاص مقام یا شئے کے لیے حرارت چاہیے جس کے لیے آپ آگ جلائیں تو اس سے خارج ہونے والی حرارت خاص اسی شئے یا اسی مقام پر ہی نہیں جائے گی بلکہ اِدھر اُدھر بھی جائے گی جو کہ آپ کے مقصد میں شامل ہی نہیں تھا ایسے ہی آپ کوئی بھی کام کرتے ہیں تو آپ سے لاتعداد ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جن کا آپ کے مقصد کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن اگر ایسا ہو کہ جو بھی کام کیا جائے اس کا رائی برابر بھی کوئی سائیڈ افیکٹ نہ ہو یعنی صرف اور صرف وہی ہو جو آپ چاہتے ہیں رائی برابر بھی اس کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو یہ ہے لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ پھر آگے ہے یَّکَادُ زَیۡتُہَا وہ تیل جس کے جلنے سے سلسلے ہیں گویا کہ خود ہی جل رہا ہے یُضِیۡٓءُ شعائیں جو کہ اس چراغ سے خارج ہو رہی ہیں جیسے ہی ان کیساتھ ٹکرا رہے ہیں تو ان شعاعوں کے ذرات پھٹ کر ان سے تابکاری بے نقاب ہو رہی ہے وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ اور اگر ہرگز نہیں جو ہو رہا ہے آگ مس کر رہی یعنی آگ کے اس پر اثر انداز ہونے سے پھٹ کر تابکاری بے نقاب نہیں ہو رہی نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ نور پر نور ہی نور یعنی ایک ذرہ جو کہ بذات خود نور یعنی انرجی ہوتا ہے اس کے پھٹنے

سے کئی اقسام کی انرجی وجود میں آ رہی ہے وہ انرجی ہر اگلے مرحلے پر مزید پھیل رہی ہے یَھْدِی راہنمائی کرتا ہے اللّٰہُ اللہ ہے لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اس کے لیے وہ نور ہے جو اس کے قانون پر پورا اتر رہا ہے وَیَضْرِبُ اور جو پہلے سامنے لار کھا تھا پھر چھپا دیئے جانے کے باوجود سامنے لا رہا ہے اَللّٰہُ اللہ ہے الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اسے کس کے لیے اللہ سامنے لا رہا ہے مثالیں لوگوں کے لیے سامنے لا رہا ہے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ ہے ہر شئے کیساتھ علم رکھ رہا ہے یعنی وہ ذات اللہ ہے جو ہر شئے سے علم رکھ رہا ہے جو کہ یہی وجود ہی سامنے آتا ہے جو موجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ موجود ہے ہی نہیں کسی کا وجود ہے ہی نہیں۔

یہ آیت چونکہ نہ صرف آیت ہے بلکہ مثال بھی ہے تو اب اس کی حقیقت کیا ہے یعنی وہ حقیقت کیا ہے جسے اس مثال سے سامنے لایا گیا اسے بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ آیت کے شروع میں ہی نہ صرف یہ واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یہ بھی کھول کر واضح کر دیا کہ یہ اللہ ہے۔

جو ہر طرف آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے یہ تو ہو گیا ''الظاہر'' یعنی جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جسے آپ کائنات کہتے ہیں یہ تو ہو گیا ''الظاہر'' تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف الظاہر ہی ہے یا پھر ''الباطن'' بھی ہے یعنی یہ جو ظاہر ہے اس کے پیچھے بھی کچھ ہے؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ اسے جاننے کے لیے آپ کو الظاہر میں غور کرنا پڑے گا یعنی اس کی گہرائی میں جانا ہو گا اس کے پیچھے پڑنا ہو گا کہ وہ کہاں لیکر جاتا ہے تب ہی آپ پر واضح ہو گا کہ الباطن کیا ہے۔

اور الباطن کیا ہے جب آپ آسمانوں وزمین یا جو کچھ بھی ظاہر ہے اس میں آپ غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ الباطن نور ہے یعنی انرجی ہے۔ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اصل میں نور یعنی انرجی ہی ہے جو گیسوں جو کہ آسمان ہیں اور مادہ جو کہ ارض ہیں کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔ نور یعنی انرجی کیسے آسمانوں وزمین یعنی گیسوں اور مادے کی صورت اختیار کرتی ہے اسے واضح کرنے کے لیے اللہ نے سورۃ النور کی اس آیت میں یہ آسمان اور زمین یعنی جس زمین پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں کی مثال بیان کی کہ ان میں کیسے نور یعنی انرجی گیسوں اور مادے میں بدل رہی ہے۔ سب سے پہلے آپ دیکھیں تو آپکو مشکاۃ نظر آئیں گے جیسے کہ زمین کے گرد گیسوں کی تہیں ہیں اور ان کے دوسری جانب ایک چراغ جل رہا ہے جو کہ سورج ہے آپ زمین پر ہیں آپ کی طرف سے سورج جو کہ ایک چراغ ہے وہ ان تہوں کے اس پار ہے یوں یہ گیسوں کی تہیں سورج کے لیے مشکاۃ ثابت ہو جاتی ہیں اور پھر یہ تہیں بالکل ایسے ہیں جیسے گویا کہ انتہائی شفاف شیشہ ہو کہ آر پار سب ایسے نظر آ رہا ہے گویا کہ درمیان میں کچھ ہے ہی نہیں۔ سورج زمین سے بہت دور ہے لیکن آپ کو وہ بہت قریب نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے آپ دوربین یا کیمرے سے زوم کر کے دیکھتے ہیں تو شئے بالکل قریب دکھائی دیتی ہے بالکل اسی طرح زمین سے سورج کو دیکھنے سے زمین کے گرد گیسوں کی تہیں یہی کردار ادا کرتی ہیں کہ سورج بالکل قریب نظر آتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سورج سے جو نور یعنی انرجی خارج ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے کہ تابکاری کو کسی خول میں بند کر دیا گیا ہو یعنی سورج سے خارج ہونے والی انرجی جو شعاعوں کی صورت میں زمین کی طرف آتی ہے وہ گرم نہیں بلکہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور جیسے ہی وہ زمین کے گرد گیسوں کی پہلی تہہ سے ٹکراتی ہیں تو جیسے بم پھٹتا ہے ایسے ہی ان شعاعوں کے نوری ذرات پھٹتے ہیں ان کے پھٹنے سے ایک قسم کی انرجی مزید کئی اقسام کی انرجی یعنی نور میں تقسیم ہو کر شعاعوں کی صورت میں مزید آگے کو بڑھتی ہے۔ زمین کے گرد گیسوں کی اگلی تہہ ان میں سے کچھ شعاعوں کو واپس منعکس کر دیتی ہے اور جن کی ضرورت ہوتی ہے انہیں آگے بڑھنے دیتی ہے جو نوری شعاعیں آگے بڑھتی ہیں وہ اگلی تہہ میں داخل ہونے سے جب گیسوں سے ٹکراتی ہیں تو ان شعاعوں کے نوری ذرات مزید پھٹتے ہیں اور ایک ایک قسم کا نور یعنی انرجی کئی کئی اقسام کی انرجی میں تقسیم ہو کر مزید بڑھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے اسی طرح سورج سے خارج ہونے والے نور یعنی انرجی کی شعاعیں آگے بڑھتے پھٹ کر مزید نور یعنی انرجی میں تقسیم ہو کر پھیلتے ہوئے زمین کی اس پہلی تہہ جس میں آپ موجود ہیں میں داخل ہوتی ہیں اور پھر اس میں داخل ہونے سے بھی انرجی کے ذرات آکسیجن کیساتھ ٹکرانے سے پھٹتے ہوئے نہ صرف تابکاری خارج کرتے ہوئے جیسے کہ بم پھٹتے ہیں آگے بڑھتی ہیں یہاں تک کہ زمین میں داخل ہو جاتی ہیں پھر زمین میں بھی وہ زمین کے عناصر سے جب ٹکراتی ہیں تو زمین میں بھی انتہائی چھوٹے چھوٹے دھماکے ہوتے ہیں اور تابکاری بے نقاب ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسی دوران زمین کے اندر زیتون جسے آپ خام تیل کا نام دیتے ہیں وہ بھی انہی مراحل سے گزرتا ہوا مختلف عناصر کی صورت میں تقسیم ہوتا ہوا آگے بڑھتا چلا آتا ہے یعنی جیسے سورج سے خارج ہونے والی انرجی یعنی نور آگے بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے سلسلوں کی صورت میں بالکل ایسے ہی زمین میں الزیتون یعنی خام تیل بھی ایسے ہی سلسلوں میں آگے بڑھتے ہوئے زمین کی نباتات اگانے والی تہہ تک آجاتا ہے اور یہاں آنے تک وہ سلسلہ درسلسلہ بہت سے عناصر کی صورت میں پھیل چکا ہوتا ہے۔

سورج سے آنے والی نور یعنی انرجی کی شعاعیں جو زمین میں داخل ہوتی ہیں وہ انہی عناصر سے جب ٹکراتی ہیں تو زمین میں تابکاری پیدا ہوتی ہے جس سے وہ عناصر نباتات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو نباتات برکات ہوتی ہیں یعنی ان سے وجود میں آنے والی ہر شئے ہر لحاظ سے مکمل، پرفیکٹ اور ان کے استعمال کرنے والوں کو بھی رائی برابر بھی کسی نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ صرف اور صرف فائدے ہی ہوتے ہیں۔

آپ پیچھے یہ بات جان چکے ہیں کہ مادہ گیسوں سے ہی وجود میں آیا گیسوں کو مختلف کیمیائی مراحل سے گزارا جائے تو وہ مادے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور اگر مادہ واپس کیمیائی عوامل یا مراحل سے گزارا جائے تو وہ واپس گیسوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ سورج سے آنے والی نور یعنی انرجی کی شعاعوں سے فضا میں یا زمین میں کوئی بھی کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوتے ہیں مادہ کیمیائی عوامل سے گزرتا ہے تو بلاشک وشبہ گیسیں خارج ہوتی ہیں لیکن وہ وہی گیسیں اور اتنی ہی خارج ہوتی ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے ایک رائی برابر بھی نہ تو کچھ زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی رائی برابر کچھ کم، کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتا یہ ایسا بہترین نظام ہے جسے مشکاۃٍ کہا گیا۔

اب آپ خود بھی آسمانوں وزمین میں غور وفکر کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں جو اس وجود سے الگ اپنا وجود رکھتی ہے اور وہ باہر سے آکر یا باہر بیٹھے ہی کچھ ایسا کر رہی ہے جس سے یہ سب ہو رہا ہے بلکہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور یہی آیت میں بھی کہا گیا۔

جو بھی وجود ہے جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے یہ نور یعنی انرجی ہے جو مختلف مراحل سے ایسے گزرتی ہے کہ کوئی سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتا اور اس سے گیسیں و مادہ وجود میں آرہا ہے اور پھر مادہ وگیسیں واپس مراحل طے کرتے ہوئے نور یعنی انرجی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یوں یہ ایک سرکل ہے نور یعنی انرجی جو کہ مختلف مراحل سے گزر رہی ہے اور تمام کی تمام مراحل میں یہی نور یعنی انرجی ہی کسی نہ کسی حالت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ الباطن نور یعنی انرجی ہے اور ظاہر گیسیں و مادہ یہی سرکل چل رہا ہے الظاہر والباطن۔

جسے آپ گرمی کہتے ہیں یہ ایسا نہیں ہوتا کہ سورج سے گرم شعاعیں خارج ہو کر زمین پر آتی ہیں یعنی سارے رستے وہ گرم ہی رہتی ہیں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ رستے میں گرم نہیں ہوتیں جب وہ زمین کے گرد گیسوں کی تہوں میں داخل ہوتی ہیں تو ایسے ہی پھٹتی ہیں جیسے بم پھٹتے ہیں یعنی ان شعاعوں کے نور یعنی انرجی پر مشتمل ذرات جب زمین کے گرد گیسوں میں گزرتے ہیں تو پھٹتے چلے جاتے ہیں اور مزید نور کے ذرات میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں اور جس آسمان میں آپ رہ رہے ہیں جب یہاں پہنچتے ہیں تو آکسیجن سمیت ان گیسوں کیساتھ ملنے سے جو گیسیں اس فضا میں ہیں پھٹتے ہیں جس وجہ سے ان سے تابکاری بے نقاب ہوتی ہے یعنی حرارت خارج ہوتی ہے جسے آپ گرمی کہتے ہیں۔

اللہ کا نظام یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے نوری یعنی انرجی کے ذرات ایسے ہیں جو شعاعوں کی صورت میں زمین میں داخل ہو کر زمین میں خام تیل کے کیمیائی عوامل سے گزر کر عناصر میں تقسیم ہونے سے جو گیسیں وجود میں آتی ہیں ان کیساتھ مل کر پھٹیں جس سے زمین کے اندر حرارت پیدا ہوئی اور نباتات کے وجود میں آنے سمیت زمین کے اندر یعنی مٹی کی تہوں میں نظام چلے لیکن اگر آپ وہی گیسیں زمین کے باہر خارج کریں گے تو سورج سے آنے والے نور کے وہ ذرات جنہوں نے زمین کے اندر جا کر ان گیسوں سے ٹکرانے سے پھٹنا تھا وہی گیسیں باہر فضا میں موجود ہونے سے فضا میں ہی ان کیساتھ ٹکرا کر پھٹیں گے جس سے زمین پر تابکاری یعنی حرارت بڑھ جاتی ہے۔

آج خام تیل کو مختلف مراحل سے گزار کر جو کچھ بھی خلق کیا جا رہا ہے تو اس سے طرح طرح کی گیسیں خارج ہو رہی ہیں جو فضا میں بھر چکی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سورج سے آنے والی وہ شعاعیں جو بظاہر ٹھنڈی ہوتی ہیں لیکن ان میں تابکاری بھری ہوئی ہوتی ہے وہ زمین میں جا کر زمین کے اندر ان گیسوں سے ٹکرا کر

تابکاری بےنقاب کرنے کی بجائے انسانوں کے مفسد اعمال کے سبب خارج کی جانے والی گیسوں کے فضا میں بھر جانے کی وجہ سے ان کیساتھ ٹکرا کر پھٹ رہی ہیں جس سے ان میں موجود تابکاری بےنقاب ہوکر درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

یہ ہے آج درجہ حرارت دن بہ بدن بڑھتے ہی چلے جانے کی اصل وجہ اور پھر اس سے مزید فساد در فساد ہوکر ہر سطح پر طرح طرح کی تباہیاں آ رہی ہیں۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر حق بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو موجود ہے اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو الباطن میں نور یعنی انرجی ہے اور الظاہر میں جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے۔ ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ واضح ہو چکا کہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام اللہ نہیں ہے ایسا کوئی اللہ اپنا وجود نہیں رکھتا یہ محض مشرکین کے دماغ کی اختراع ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. ابراھیم ۱۰

اس وقت جو لوگ دنیا میں موجود ہیں انہیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں کہا جا رہا ہے قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ کہا ان کو ان میں انہی سے بھیجے گئے رسولوں نے جیسے آج تم میں تمہی سے رسول بھیج دیا گیا جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے، کیا اللہ میں شک کر رہے ہو؟ یعنی جیسے آج اللہ نے ان میں انہی سے رسول بعث کر کے ان کی طرف اپنا بشر رسول بھیج کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ کیا ہے اس کے باوجود بھی اللہ میں شک کر رہے ہیں کہ اپنے باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کو ترک نہیں کر رہے ایسے ہی اللہ نے جب جب بھی رسول بعث کیا تو اللہ کے رسول نے آ کر بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ ہی کا وجود ہے جو تمہیں ہر طرف نظر آ رہا ہے کیا تم اب بھی اللہ میں شک کر رہے ہو؟ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں و زمین جب تک فاطر ہیں یعنی بالکل ویسے کہ ویسے ہیں جیسے اول وجود میں لائے گئے تو اللہ ہے اور اگر کوئی فاطر نہیں رہتا یعنی اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے اس میں تبدیلی کر دی جاتی یا تبدیلی کرتا ہے تو وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کا شریک بن جاتا ہے تو دیکھو تم جو رات دن اعمال کر رہے ہو کیا کر رہے ہو؟ اگر تو تم فطرت سے مطابقت رکھتے ہو تو اللہ ہی کا وجود ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اور اگر تم فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے تم فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے اس کیساتھ جڑنے کی بجائے اس کی ضد بن رہے ہو اس میں تبدیلیاں کر رہے ہو فطرت کیساتھ دشمنی کر رہے ہو تو تم اللہ کے شریک ہو اور اللہ یعنی فطرت اپنا شریک یعنی دوسرا وجود برداشت نہیں کرتی فطرت اسے اذیت ناک طریقے سے نشان عبرت بناتے ہوئے جو اس کی سزا ہے اس سے دوچار کرتے ہوئے مٹا دیتی ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے، ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی اللہ کا شریک بنتا ہے الگ سے دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنتا ہے یعنی اپنے مقام سے ہٹ کر الگ سے اپنے وجود کا دعویٰ کرتا ہے فطرت میں تبدیلیاں کر کے اسے فطرت کی ضد دوسرا وجود بنا دیتا ہے تو اللہ اپنا شریک برداشت نہیں کرتا یعنی فطرت دوسرا وجود برداشت نہیں کرتی۔ یعنی اب آپ پر ہے کہ آپ جو کہ ایک ہی وجود ہے اللہ میں اپنے مقام پر قائم ہو کر اسی وجود کا حصہ بن جاتے ہیں آپ کا الگ سے کوئی وجود ہے ہی نہیں جیسے مشین میں پرزے کی طرح اپنے مقام پر فٹ ہو کر بذات خود مشین ہی بن جاتا ہے پرزے کا الگ سے کوئی وجود نہیں یا پھر مشین سے الگ ہو کر پرزہ ایک دوسرا وجود بن جاتا ہے ایسے ہی فطرت سے کٹ کر الگ سے وجود ہونے کے دعویدار بنتے ہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ. ابراھیم ۱۹

اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تمہیں جو دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اسی لیے دی گئی کہ تم دیکھو تو کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا ہے جو ہر طرف تمہیں نظر آ رہا ہے؟ کیا ہے جو تم نے ہر طرف دیکھا؟ آگے اسی سوال کا اللہ خود ہی جواب دے رہا ہے کیونکہ انسان دیکھ تو رہا ہے انسان نے دیکھا تو ہے لیکن اسے علم

ہی نہیں اس نے غور ہی نہیں کیا کہ یہ کیا ہے جو اس نے ہر طرف دیکھا گیا ہے کس کا وجود ہے اس لیے اللہ خود واضح کر رہا ہے کہ جو دیکھا وہ کیا ہے اَنَّ اللّٰہَ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا یعنی تم جسے اللہ کہہ رہے ہو جو کہ تمہارے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کا نام ہے وہ اللہ نہیں ہے بلکہ جو اللہ ہے اسے ہی تم ہر طرف دیکھ رہے ہو لیکن تم نے اللہ کو تھا کیا ہوا ہے۔ اب جب یہ کہا گیا کہ جو تم نے دیکھا یہ تھا اللہ تو آگے سے سوال کیا جاتا ہے انسان سوال کرتا ہے تو پھر اس میں تو بہت کچھ ایسا ہے جو کہ خبیث ہے مثلاً سور ہے، سانپ، بچھو، چوہے اور ایسے ہی بہت سا فضلہ اور گند وغیرہ ہے اس لیے یہ اللہ کا وجود کیسے ہو سکتا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ آسمانوں وزمین کی خلق بالحق ہے تو اللہ ہے اگر بالحق نہیں تو اللہ نہیں بلکہ اس کا شریک ہے۔ تو کیا یہ سب بالحق ہے؟ جو بھی خبائث ہیں کیا خبائث بالحق ہیں؟ اگر خبائث بالحق ہوتے تو اللہ ان سے بچنے کا حکم کیوں دیتا؟ کیا خبائث کے خلق ہونے کا ذمہ دار اللہ ہے؟ یا پھر اللہ تو ہے ہی طیب یہ تم انسان ہو جنہوں نے طیب کو خبیث میں بدل دیا۔ یہ جن کی بنیاد پر تم کہہ رہے ہو کہ یہ اللہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ زمین پر بہت سی مخلوقات ہیں جو خبیث ہیں تو جان لو خبائث کی حقیقت بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ تمہارے جسم میں کوئی خرابی کر دی جائے کوئی پھوڑا پھنسی کوئی زخم ہو جائے۔

اللہ نے تو یہ زمین طیب خلق کی تھی تم نے اس میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس میں پنگے لیکر اسے خبیث بنا دیا یعنی خراب کر دیا، انسان کی حقیقت جسم میں وائرس کی سی ہے جو نہ صرف اپنے ہی وجود سے کٹ کر الگ سے پورا ایک وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے بلکہ اندر سے جسم کو نقصان پہنچاتا ہے خرابیاں کرتا ہے تباہی مچاتا ہے۔ انسان اللہ کے وجود میں وائرس ہے جسے جہاں تک رسائی حاصل ہے تباہی ہی مچا رہا ہے خرابیاں کر رہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الزمر ۴۶

قُل کہو! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کہو تو آگے سے کہا جا رہا ہے کہو اللّٰہُ یعنی کہو اللہ ہے۔ وہی بات کہ آپ کو دیکھنے کی صلاحیت دی تو آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی کی بات ہو رہی ہے کہ تمہیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو تم دیکھ رہے ہو اللہ ہے ہو اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اب آپ خود غور کریں کہ دیکھو تو آپ آسمانوں وزمین سمیت جو بھی اپنا وجود رکھتا ہے انہیں یا ان میں سے ہی دیکھ رہے ہیں تو پھر اللہ کیا ہوا؟ یعنی پھر بھی اگر نہیں مانتے اور اگر یہ سوال کرتے ہیں کہ بہت کچھ خبیث نظر آ رہا ہے، گند نظر آ رہا ہے تو کیا یہ سب اللہ کا وجود ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو گند ہے یہ اللہ کا وجود ہے اس لیے یہ جو نظر آ رہا ہے اللہ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تو آسمانوں پر ہی چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا اللّٰہُ اللہ ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا مَّ وہ جو یعنی اللہ کیا ہے اللہ وہ ہے جو فَاطِرَ فاطر تھے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں وزمین۔ یعنی آسمانوں وزمین فاطر تھے تو اللہ ہی کا وجود تھا اور آج اگر کچھ بھی فاطر نہیں ہے تو وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کا شریک بن چکا ہے اور کس نے فطرت سے ہٹایا؟ خبائث کیا ہیں؟ جو کچھ بھی خبیث ہے ان کا ذمہ دار انسان ہے انسان نے فطرت میں تبدیلیاں کیں جب فطرت میں تبدیلی کی جائے گی تو ظاہر ہے پہلے ہی واضح کر دیا کہ فطرت کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اس لیے اگر تبدیلی کی جائے گی تو خرابی ہو جائے گی اور جس میں بھی تبدیلی کی جائے گی بالآخر وہ خبیث بن جائے گی۔

اس آیت میں یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی گئی کہ اللہ طیب ہے اور طیب صرف اور صرف وہ ہے جو کہ فاطر ہے یعنی اپنی اسی اصل حالت میں ہے جس پر وہ اول وجود میں لایا گیا جس پر وہ انسان کو وجود میں لانے سے پہلے تھا اور جو خبیث ہے وہ اللہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسے ہی ہے جیسے جسم میں کوئی خرابی ہونے سے جسم کا کچھ حصہ خراب ہو جائے کوئی زخم ہو جائے، کوئی پھوڑا پھنسی بن جائے۔

یہی آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے بھی کہا اور یہی ہر رسول نے کہا کہ اللہ طیب ہے اور طیب سے حب کرتا ہے یعنی طیب کو ہی اپنی طرف کھینچتا ہے یہاں تک کہ اپنا وجود بنا لیتا ہے۔

یوں یہ سوال بھی بالکل ختم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی خبث ہے کیا وہ بھی اللہ ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ نہیں وہ اللہ نہیں ہے اللہ تو طیب ہے ہاں البتہ وہ تب تک

اللہ ہی کا وجود ہے جب تک کہ اسے مٹا نہیں دیا جاتا اس کا وجود ختم نہیں کر دیا جاتا اور جب تک اس کا وجود ہے اس کی اہمیت وحیثیت ایسے ہی ہے جیسے کہ جسم میں کہیں کوئی پھوڑا، پھنسی وغیرہ نکلی ہو تو جو حصہ جو گوشت اس سے متاثر ہوتا ہے۔

یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ فطرت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کسی بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

آپ قرآن میں درجنوں مقامات پر دیکھتے ہیں کہ اللہ قرآن میں جگہ جگہ گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم نے انہیں ہلاک کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نے بھی ان قوموں کو ہلاک کیا وہی اللہ ہے اور اگر اللہ کو جاننا ہے تو پھر یہ جان لیا جائے کہ ان قوموں کو کس نے ہلاک کیا؟ اگر یہ جان لیا گیا کہ ان قوموں کو کس نے ہلاک کیا تو بلا شک وشبہ وہی اللہ ہے۔

اگر تو ہلاک کرنے والا وجود وہی سامنے آتا ہے جو ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات ہیں تو بلا شک وشبہ وہی اللہ اور اگر وہ سامنے نہیں آتا تو خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ اللہ وہی ذات ہے جس نے ان قوموں کو ہلاک کیا صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اور جب غور و فکر کیا جائے تو آپ کے سامنے یہی وجود ہی آئے گا جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جنہیں آپ آسمانوں وزمین کا نام دیتے ہیں۔ ان قوموں کو فطرت نے ہلاک کیا اور جب انہیں فطرت نے ہلاک کیا تو پھر ظاہر ہے یہی وجود فطرت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کوئی الگ سے اپنا وجود رکھتا ہے اور اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔

یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے نہ صرف یہی ایک ہی وجود ہے ایک ہی ذات ہے بلکہ یہ اللہ ہے اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ. آل عمران ٦٢

اور نہیں ہے جتنے بھی الٰہ ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی الٰہ مگر اللہ۔

آگے بڑھنے سے پہلے الٰہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا خواہ وہ آپ کا جسم ہو جسم میں ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک، کان سمیت بہت سے اعضاء ہیں وہ سب دیئے گئے، سننے دیکھنے اور جو دیکھتے سنتے ہیں اسے سمجھنے اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی، آپ کو مال، اولاد، ذہانت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ ومرتبہ یا جو کچھ بھی دیا تو ان میں سے کسی کا بھی جس کے فیصلے کے مطابق استعمال کریں گے وہ آپ کا الٰہ کہلائے گا اور آپ جو اس کی بات مان کر اس کے فیصلہ کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے تو یہ آپ اس کی عبادۃ کہلائے گی جسے اردو میں غلامی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی کی بات ماننا اس کی بات مان کر اس کے مطابق عمل کرنا۔

آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا تو جو بھی آپ کو یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے کس کا کب کہاں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے یعنی آپ کو جو بھی دیا گیا تو اس کا استعمال کب کہاں کتنا اور کیسے کرنا ہے جس کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے آپ ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے تو جس کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے وہ آپ کا الٰہ کہلائے گا اور آپ جو اس کی بات مانیں گے اس کے فیصلے کے مطابق عمل کریں گے جسے اطاعت کہا جاتا ہے تو ایسا کرنا یعنی اطاعت کرنا اس کی عبادۃ یعنی غلامی ہو گی۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اور جتنے بھی الٰہ ہیں یعنی جتنے بھی ایسے ہیں جو یہ فیصلہ کرتے ہیں تمہیں بتاتے ہیں کہ جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، کچھ بھی کرنے کی صلاحیتیں ہوں، سننے دیکھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی صلاحیتیں ہوں، کوئی عہدہ، مرتبہ یا کوئی مقام ہو یہ سب کیوں دیا گیا ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے ایسے جتنے بھی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی بات مانی جائے، جس کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ان

میں سے کسی کے بارے میں بھی فیصلہ کرے کہ کیوں دیا گیا اور اس کا استعمال کیا ہے کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اِلَّا اللّٰہُ مگر اللہ یعنی صرف اور صرف اللہ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ان میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے، کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اور کس کے پیچھے استعمال نہیں کرنا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو یہ جملہ ''اللہ'' اپنی وضاحت خود کر رہا ہے۔

'' اللہ '' اللہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''ال اور الہٰ''۔ الہٰ کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''ال'' کے معنی کیا ہیں؟ کسی بھی لفظ کے شروع میں ''ال'' یعنی الف لام کا استعمال اسے مخصوص کر دیتا ہے۔ جہاں بھی کسی لفظ یا جملے کے شروع میں ''ال'' کا استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ عام کا نہیں بلکہ خاص کا ذکر کیا جا رہا ہے خاص کی بات کی جا رہی ہے۔

''ال اور الہٰ'' کو جمع کیا جائے تو ''اللہ'' بنتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں مخصوص الہٰ یعنی جتنے بھی ایسے ہیں جو یہ فیصلہ کر رہے ہیں جو تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا وہ کس مقصد کے لیے دیا گیا اس میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے، کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اور کس کے پیچھے نہیں۔ جتنے بھی ایسے ہیں جن کی بات مانی جا رہی ہے ان میں سے جو مخصوص ثابت ہو جائے جو خاص ثابت ہو جائے وہ الہٰ ہے یعنی اس کی بات مانی جائے گی اس کے فیصلے کے مطابق جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا۔

اب آپ پر فرض ہے کہ آپ غور و فکر کریں اور یہ جانیں کہ جتنے بھی الہٰ ہیں ان میں سے وہ کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے جو خاص ثابت ہوتا ہے؟ اسے جاننے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً اگر آپ کو کوئی کچھ دیتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ جو آپ کو بتانا شروع ہو جاتے ہیں کہ اس شئے کا استعمال کیا ہے یہ تمہیں کس مقصد کے لیے دی گئی تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ان سب میں سے کس کی بات مانیں گے؟ مثلاً دس افراد ہیں جو کہ آپ کی راہنمائی کے دعویدار ہیں ان میں سے ہر کسی کا یہی کہنا ہے کہ میری بات مانو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس شئے کا مقصد کیا ہے اسے کس مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے اسے کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے اور انہی دس میں سے ایک ایسا بھی ہے جو نہ صرف آپ کو اس شئے کے دیئے جانے کا مقصد بتا رہا ہے بلکہ وہ بار بار یہ بھی کہہ رہا ہے کہ دیکھو یہ شئے میں نے تمہیں دی ہے اس لیے یہ حق صرف اور صرف مجھے حاصل ہے کہ میری بات مانی جائے، میں نے تمہیں یہ شئے دی ہے تو ظاہر ہے صرف اور صرف مجھے ہی علم ہے کہ میں نے تمہیں یہ شئے کس مقصد کے لیے دی اسے کب کہاں کیوں کیسے اور کتنا استعمال کرنا ہے، کس کے لیے استعمال کرنا ہے اور کس کے لیے استعمال نہیں کرنا۔

اب آپ سے سوال ہے کہ آپ ان دس میں سے کس کی بات مانیں گے؟ یا ان دس میں سے کون ہے جسے یہ حق حاصل ہے کہ صرف اور صرف اسی کی بات مانی جائے؟ یعنی ان دس میں سے کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے؟ اگر ان دس کو ایک دوسرے پر ترجیح دی جائے تو کون ہے جو ان سب سے اوپر آئے گا؟ تو اس کا جواب نہ صرف انتہائی آسان ہے بلکہ بالکل واضح ہے آپ نہ صرف سننے دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، آپ سن اور دیکھ رہے ہیں اور آپ کا دماغ آپ کو یہ فیصلہ سنا رہا ہے کہ جس نے یہ شئے تمہیں دی صرف اور صرف اسی کو حق حاصل ہے کہ اس کی بات مانی جائے اسی کے کہے ہوئے کے مطابق اس کا استعمال کیا جائے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ جب شئے اس نے دی تو ظاہر ہے اس نے بغیر کسی مقصد کے تو دی نہیں اور پھر اس نے کس مقصد کے لیے دی اس کے علاوہ کوئی دوسرا یہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی بات نہیں مانی جائے گی اور اگر مانی گئی تو پھر یہ بات بھی پہلے سے ہی نہ صرف طے شدہ ہے بلکہ واضح ہے کہ شئے جس مقصد کے لیے دی گئی وہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔

بالکل ایسے ہی آپ غور و فکر کریں اور جانیں کہ جتنے بھی الہٰ ہیں ان میں سے کون سا ایسا ہے جو مخصوص الہٰ ثابت ہوتا ہے؟

سب سے پہلے تو آپ کو یہ جاننا ہوگا کہ آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، جسم، جسم میں تمام کے تمام اعضاء، صحت، سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ، مرتبہ یا مقام یا پھر کچھ بھی دیا گیا تو یہ سب کا سب کس نے دیا؟ جس نے بھی یہ سب کا سب دیا وہ مخصوص الہٰ ثابت ہو جائے گا کیوں کہ ظاہر ہے جس نے بھی دیا تو اس نے بغیر کسی مقصد کے تو نہیں دیا اور پھر اس نے کس مقصد کے لیے دیا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کب کہاں کیوں کتنا اور

کیسے کرنا ہے کس کے پیچھے یا کس کے لیے ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرنا ہے اور کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال نہیں کرنا اس کا علم صرف اور صرف اسی کو ہے اس کے علاوہ کسی کو نہیں ہوسکتا اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کی مانی گئی کسی اور کے کہے کے مطابق ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا گیا تو جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا وہ مقصد پورا نہیں ہوگا جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت وتباہی کے کچھ نہیں ہوگا یوں نہ صرف فساد ہوگا بلکہ آپ نے مخصوص الہ جسے عربوں کی زبان میں اللہ کہا جائے گا اس کے ساتھ اس کا شریک لاکھڑا کر دیا۔

اب جب غور وفکر کیا جائے اور یہ جانا جائے کہ وہ کون ہے جس نے آپ کو وجود دیا اور یہ سب کا سب دیا یعنی آپ کا ربّ کون ہے؟ تو بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ جو وجود نظر آرہا ہے یہی وجود ہے جس نے نہ صرف آپ کو وجود دیا بلکہ جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے وہ سب کا سب اسی وجود نے ہی آپ کو دیا، جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب اور ختم ہوکر ماضی کا صیغہ بن جائے تو ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اور یہی وجود ہے جو آپ کو عدم سے وجود میں لایا آپ کو تمام کے تمام اعضاء دیئے، آپ کو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی، کچھ کرنے کی صلاحیت دی، آپ کو مال، اولاد دیا، آپ کو ذہانت دی کوئی عہدہ ومرتبہ یا کوئی مقام دیا یعنی جو کچھ بھی آپ کو حاصل ہے اسی وجود نے آپ کو دیا جسے آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جو آپ کو ہر طرف نظر آرہی ہیں جسے آپ فطرت اور انگلش میں نیچر کہتے ہیں۔

اب جب یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف مخلوقات کی صورت میں نظر آرہا ہے اسی نے آپ کو سب کا سب دیا تو ظاہر ہے اس وجود نے آپ کو جو کچھ بھی دیا تو اس میں سے کچھ بھی کوئی ایک بھی شئے خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو بغیر کسی مقصد کے لیے تو نہیں دیا۔

جب اسی وجود نے آپ کو یہ سب کا سب دیا تو یہی وجود مخصوص الہ یعنی اللہ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب اسی وجود نے آپ کو یہ سب دیا تو یہ سب کا سب اسی کا ہے اور اس نے کس مقصد کے لیے یہ سب دیا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو علم ہو ہی نہیں سکتا جس وجہ سے صرف اور صرف اسی وجود کو ہی حق حاصل ہے کہ اس کی ہی بات مانی جائے اس کے کہے ہوئے کے مطابق ہی جو کچھ بھی دیا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے ورنہ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کی بات مانی گئی کسی دوسرے کے پیچھے اس کا استعمال کیا گیا تو پھر جس مقصد کے لیے یہ سب آپ کو دیا گیا کبھی بھی کسی بھی صورت وہ مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوگا جو کہ تباہ کن اور انتہائی ہلاکت خیز ہوگا۔

یوں بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جتنے بھی الہ ہیں ان میں صرف اور صرف یہی ''ال الہ'' یعنی اللہ ثابت ہوتا ہے اس لیے اللہ کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادۃ یعنی غلامی کی جائے کسی کی بھی بات مانی جائے۔

اور آپ جان کر حیران ہوں گے کہ پورے قرآن میں اسی بات کو پھیر پھیر کر ہر پہلو سے سامنے لا رکھا گیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ. الزخرف ٦٤

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا یعنی جسے تم اللہ کہہ رہے ہو ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو اللہ ہے اسے تم نے اللہ تھا کیا ہوا ہے جو اللہ ہے اس کے ساتھ دشمنی کر رہے ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب ہے هُوَ اللہ ہے۔ هُوَ دو الفاظ کا مجموعہ ہے گول والی ''ہ'' اور ''و''۔ گول والی ''ہ'' کسی شئے کی طرف اشارہ کے لیے استعمال ہوتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے انسان کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہیں ماضی حال اور مستقبل اس لیے کس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے یہ واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ کسی ماضی کی شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے حال والی شئے کی طرف یا پھر مستقبل والی شئے کی طرف اس کو واضح کرنا لازم ہے جس کے لیے زبر پیش اور زیر استعمال کیا جاتا ہے۔ زبر کا استعمال ماضی میں لے جاتا ہے زیر کا استعمال مستقبل میں اور پیش کا استعمال حال کا اظہار کرتا ہے۔ هُوَ میں گول والی ''هُ'' پر پیش ہے جس کا معنی بنتا ہے کہ اس شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو موجود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجود ہے تو آپ کو بہت کچھ موجود نظر آئے گا مثلاً درخت تو کیا درخت اللہ ہے؟ تو اس کا جواب آپ سے اس سوال میں ہے کہ کیا صرف درخت ہی موجود ہیں تو اس کا جواب ہوگا کہ نہیں اور بھی بہت کچھ موجود ہے تو یہی آگے کہا گیا ''وَ'' و کے معنی ہیں اور، و پر زبر آجانے سے یہ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یوں ''هُوَ'' کے معنی بنتے ہیں کہ کیا ہے جو موجود ہے جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہوکر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا جب اور ختم ہوکر ماضی میں چلا جائے یعنی حد آجائے تو ایک ہی وجود ایک ہی ذات

سامنے آئے گی جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

آج انسان اپنے اپنے خود ساختہ عقائد و نظریات کو اللہ کا نام دیئے ہوئے ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں اسے اللہ بنائے ہوئے ہیں اور جو اللہ ہے جو کہ حق ہے اسے تھا کیا ہوا ہے انسانوں کے اللہ کے نام پر تمام تر عقائد و نظریات کا رد کرتے ہوئے اللہ کا اپنے رسول کے ذریعے کہنا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے جو بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو اللہ ہی کی ذات سامنے آئے گی اور کچھ ہے ہی نہیں سوائے اللہ کے۔

جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا تو جو وجود سامنے آئے یہی وجود رَبِّــیْ میرا ربّ ہے یعنی یہی وجود ہے یہی ذات ہے جس نے مجھے عدم سے وجود میں لایا، جو کچھ بھی میرے پاس ہے اسی وجود نے ہی دیا یہاں تک کہ میری تمام تر ضروریات یہی وجود ہی خلق کر کے فراہم کر رہا ہے اور وَ رَبُّکُمْ اور تمہارا ربّ یعنی غور کرو جب تمہارا وجود نہیں تھا تو کون ہے جو تمہیں وجود میں لایا؟ کیا یہی ذات تمہیں وجود میں نہیں لائی؟ اور تمہاری جتنی بھی ضروریات ہیں ذرا غور کرو کون ہے جو خلق کر کے تمہیں فراہم کر رہا ہے؟ کیا یہی وجود یہی ذات نہیں یعنی کیا '' هُوَ '' نہیں ہے؟ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا کیا اسی وجود نے نہیں دیا؟

ذرا غور کرو تمہاری ضروریات میں تمہیں سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہے تو کون ہے جو تمہیں آکسیجن فراہم کر رہا ہے آکسیجن دیکر تم پر احسان کر رہا ہے؟ کیا یہی درخت تمہیں آکسیجن فراہم نہیں کر رہے؟ کیا تمہارے کھانے کے لیے نباتات یہی زمین نہیں اگا رہی جس میں سمندروں کا اپنا کردار ہے، ہواؤں کا اپنا کردار، سورج کا اپنا، چاند کا اپنا اسی طرح کیا ہر لحاظ سے یہی وجود یہی ذات سامنے نہیں آتی؟ فَاعْبُدُوْهُ جب ہر لحاظ سے یہی ذات ہی سامنے آتی ہے ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہی کی ذات ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اسی نے نہ صرف تمہیں وجود دیا بلکہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے اسی نے تمہیں دیا تو پھر ان سب کا استعمال کس کے لیے کر رہے ہو؟ کس کے پیچھے استعمال کر رہے ہو؟ کس کی بات مان رہے ہو؟ کس کے فیصلے کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت کر رہے ہو؟ مال و دولت استعمال کر رہے ہو؟ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہو؟ یا جو کچھ بھی دیا گیا اسکا استعمال کر رہے ہو؟ کس کے لیے سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہو؟ جب یہ سب کا سب هُوَ نے دیا تو پھر ظاہر ہے اس کے علاوہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ اسے الٰہ بنایا جائے یعنی اس کی عبادۃ کی جائے اس لیے پس اسی کی عبادۃ کرو یعنی هُوَ کو ہی الٰہ بناؤ اسی کی غلامی کرو اسی کے لیے اور اس کے پیچھے ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرو۔

یوں اس پہلو سے بھی آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ اللہ یعنی مخصوص الٰہ یہی وجود ہے آپ خود غور و فکر کریں کہ آپ کا ربّ کون ہے یعنی وہ کون سی ذات ہے جس نے آپ کو وجود دیا؟ تو یہی وجود آپ کے سامنے آئے گا جسے آپ فطرت کہتے ہیں جنہیں آپ مخلوقات کا ہی نام دیتے ہیں اسی طرح آپ غور و فکر کریں کہ آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں کون ہے جو آپ کو خلق کر کے مہیا کر رہا ہے تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا آپ کو اسی وجود نے مال، اولاد، سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت جو سمجھتے ہیں اس پر عمل کرنے کی صلاحیتیں دی اس کے علاوہ بھی جو کچھ بھی ہے اسی وجود نے ہی آپ کو دیا۔ جب یہی وجود ہی جو کچھ بھی ہے سب کا ربّ ثابت ہوتا ہے تو پھر ظاہر ہے ربّ ہی تو اللہ ہے یہی وجود مخصوص الٰہ یعنی اللہ ثابت ہوتا ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ '' هُوَ '' میں تو ہر کوئی آ جاتا ہے تو اس کا مطلب کہ ہر کسی کی بات مانی جائے؟ یعنی هُوَ میں تو جو کچھ بھی موجود ہے سب کا سب آ جاتا ہے جس میں آج جتنے بھی انسان موجود ہیں وہ بھی آ جاتے ہیں تو کیا ان سب کی بھی بات مانی جائے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اور بات مانی کس کی جا رہی ہے؟ جب ایک ہی وجود ہے دوسرا کوئی ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے هُوَ ہی کی تو مانی جا رہی ہے اسی کو تو الٰہ بنایا ہوا ہے ہر کسی نے۔

تو اس کا جواب بہت آسان ہے مثلاً آپ اپنے ہی وجود کی مثال لے لیں اگر آپ کا نام عمران ہو تو عمران کیا ہے؟ کسی بھی عضو سے اور اور کرنا شروع کریں مثلاً ناخن سے شروع کریں تو ناخن پور کی طرف لے جائے گا، پور انگلی کی طرف، انگلی ہاتھ کی طرف، ہاتھ بازوں کی طرف اس طرح اور اور کرتے کرتے پورا وجود سامنے آئے گا لیکن اگر کوئی بھی عضو جسم سے الگ ہو دوسرا وجود بن جائے تو کیا وہ هُوَ یعنی جو بھی اعضاء ہیں اور اور کرنے سے ان میں آئے گا؟

مثلاً اگر ہاتھ جسم سے کٹ کر الگ ہو جائے ایک دوسرا وجود بن جائے تو کیا کٹا ہوا ہاتھ جو کہ الگ سے وجود بن چکا ہو گا وہ اور اور میں آئے گا؟ نہیں بلکہ جب

وہ ہے ہی کٹا ہوا تو وہ اور اور میں کیسے آ سکتا ہے اور اور میں تو وہی آئے گا جو جسم کیساتھ نہ صرف اپنے مقام پر موجود ہو بلکہ مربوط بھی ہو اپنا کام کر رہا ہو اور اگر کوئی وجود کیساتھ جڑا ہوا ہی نہیں وہ الگ سے وجود بنا ہوا ہے تو وہ دوسرا وجود ہے نہ کہ آپ کا وجود کہ وہ آپ ہو۔

ایسے ہی جب آپ اور اور کریں تو اور اور میں وہی آئے گا جو نہ صرف اپنے مقام پر ہو گا بلکہ جیسے مشین میں ہر پرزہ اپنے مقام پر ہوتا ہے اور اپنا کام کر رہا ہوتا ہے کوئی الگ سے وجود نہیں ہوتا بلکہ ایسے ہی اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہو گا اور جو اپنے مقام پر نہیں ہو گا اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کر رہا ہو گا تو وہ ھُوَ میں نہیں آئے گا بلکہ وہ الگ سے دوسرا وجود ہونے کا دعویدار ہو گا جسے شریک کہتے ہیں۔

اسی کو اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر واضح کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ . آل عمران ۱، ۲

الف لام میم اللہ ہے۔ سورۃ آل عمران کے شروع میں یہاں کہا جا رہا ہے کہ ''الم'' اللہ ہے لیکن اس سے پچھلی سورۃ البقرۃ کے شروع میں کہا گیا ''الم'' وہ الکتاب ہے یعنی آسمانوں و زمین کو ''الم'' کہا گیا۔ یعنی جب پہلے ہی یہ بات واضح ہو چکی کہ جو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ظاہر ہے پھر سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں دو مختلف باتیں نہیں کی گئیں بلکہ ایک ہی بات کو دو مختلف پہلوؤں سے دو مختلف مقامات پر پھیر کر سامنے لایا گیا اور اگر اس کے باوجود کسی کو کوئی شک وشبہ ہو تو آل عمران کی آیت ۲ بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''الم'' اللہ ہے یعنی یہی جو وجود آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود ہی مخصوص الٰہ ہے نہیں الٰہ مگر ھُوَ۔ یعنی ھُوَ ہی اللہ یعنی مخصوص الٰہ ہے

اب وہی سوال کہ اگر ھُوَ ہی اللہ ہے تو پھر ھُوَ میں تو جو بھی موجود ہے سب کا سب آ جاتا ہے اس میں اگر انسانوں کی بات کی جائے تو زانی، شرابی، قاتل، چور، ڈاکو سمیت بڑے بڑے مجرم آ جاتے ہیں تو کیا یہ سب بھی اللہ کا وجود ہے ان کی بھی بات مانی جائے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا کہ نہیں آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی آپ نے جو الگ سے وجود کے دعویدار ہیں جو شریک بنے ہوئے ہیں ان کو بھی اللہ ہی سمجھ لیا جو کہ ایسا نہیں بلکہ ذرا غور کریں اور دیکھیں کہ کیا وہ اللہ ثابت ہوتے ہیں؟ کیونکہ ھُوَ میں کون آئے گا وہ آپ پر واضح کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلی شرط **هُوَ** دیکھیں کیا موجود ہے تو جو کچھ بھی موجود ہے ان میں کون ھُوَ میں شمار ہو گا اور کون نہیں اس کے لیے یہ ذہن میں رکھیں **الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ** آیا وہ الحی ہے یعنی مخصوص حیا ہے مخصوص حیا یعنی زندہ ہونے کا مطلب ہے کہ اسے جس مقصد کے لیے وجود دیا وہ اس مقصد کو جان کر پہچان کر اس پر قائم ہے؟ اگر تو جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا اس مقصد پر قائم ہے اسے پورا کر رہا ہے اپنے مقام پر قائم ہے تو وہ مخصوص الٰہ ہے ورنہ وہ مخصوص الٰہ یعنی اللہ ثابت نہیں ہوتا اس لیے اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے الٰہ بنایا جائے۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ یہی وجود اللہ ہے نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ کو ہر طرف اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے نہ کہ اللہ کے علاوہ کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش یعنی کہ تخت پر ہے اس کے لیے جن دلائل کے نام پر خرافات کے ذریعے آج تک دھوکا دیا جاتا رہا ان کی حقیقت بھی بالکل کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ یہ جان لیں کہ اللہ کا تخت اوپر آسمانوں پر ہے اور اللہ اوپر آسمانوں میں اپنے تخت پر بیٹھا ہے، متمکن ہے، جلوہ گر ہے، جلوہ افروز ہے یا جو بھی الفاظ استعمال کریں یہ عقیدہ و نظریہ کہاں سے وجود میں آیا؟ کیونکہ آج تک اکثریت کو یہ کہہ کر دھوکا دیا جاتا رہا کہ یہ عقیدہ و نظریہ قرآن کا بیان کردہ ہے جو محمد علیہ السلام نے دیا یعنی یہ عقیدہ و نظریہ محمد علیہ السلام سے اخذ کیا گیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ و نظریہ تو محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے سے ہی نہ صرف موجود تھا بلکہ محمد علیہ السلام کو جب بعث کیا گیا تب نہ صرف مشرکین عرب، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ و نظریہ تھا۔ اسی عقیدے و نظریے کی بنیاد پر ان کے ہاں یہ بات موجود ہے کہ ایلیاء یعنی الیاس نبی کو اللہ نے

زندہ اپنے پاس آسمانوں پر بلا لیا، الیاس نبی زندہ اوپر اللہ کے پاس آسمانوں میں چلا گیا اور وہ واپس تب آئے گا جب اللہ اس مسیح رسول کو بعث کرے گا جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے الیاس آکر اس رسول کی نشاندہی کرے گا کہ یہ وہ مسیح رسول ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کر رکھا تھا اور پھر اسی عقیدے ونظریے کی بنیاد پر عیسائیوں کے ہاں اس عقیدے نے جنم لیا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے اپنے پاس زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔

یعنی یہودیوں اور عیسائیوں میں اس عقیدے ونظریے کا پایا جانا جو کہ بائبل عہد نامہ قدیم میں بھی مذکور ہے کہ ایلیا نبی زندہ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چلا گیا اور عیسائیوں میں اس کے علاوہ عیسیٰ ابن مریم کا زندہ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چڑھ جانا ان عقائد ونظریات کی موجودگی میں رائی برابر بھی یہ شک نہیں رہتا کہ محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے سے ہی یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے۔

جیسے آج قرآن کے تراجم وتفاسیر کے نام پر گمراہیوں وذلت کا سودا کیا گیا بالکل عین اسی طرح بنی اسرائیل نے بھی کیا۔ بنی اسرائیل کے ملاؤں نے اللہ کے نبیوں ورسولوں کے لٹریچر کے اصل متن کو نہ صرف غائب کر دیا بلکہ تراجم وتفاسیر کے نام پر اپنے عقائد ونظریات کو عام کر دیا۔ ایک طرف آسمانوں وزمین کے بارے میں اصل متن تھا رسولوں کی طرف سے کی گئی راہنمائی تھی، اللہ پر کی گئی راہنمائی تھی تو دوسری طرف بنی اسرائیل کی ذہنی سطح اور علم ایسا نہ تھا کہ وہ رسولوں کی بات کو سمجھ سکتے وہ حق کو سمجھ سکتے اس لیے انہوں نے خود کو معیار بناتے ہوئے اپنے خیالات کو اپنے نظریات کو اپنے عقائد کو تراجم وتفاسیر کی صورت میں رسولوں کے کلام یعنی اللہ کے کلام کے نام پر اکثریت کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ سب کے سب ہی ضلالٍ مبینٍ میں چلے گئے حق کیا ہے کسی ایک کو بھی علم نہ رہا یہاں تک کہ رائی برابر بھی حق کا علم نہ رہا کسی کو اس کے باوجود ہر کوئی خود کو اہل حق ہی سمجھتا رہا۔

آسمانوں وزمین کے بارے میں، اللہ کے بارے میں وہی تراجم وتفاسیر کیے گئے جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے اور جس کا انہوں نے مشاہدہ ہی نہیں کیا بھلا اسے وہ کیسے سمجھ اور بیان کر سکتے ہیں؟ جو کہ ممکن ہی نہیں اس لیے انہوں نے اپنے مشاہدات، اپنے خیالات، عقائد ونظریات کو ہی اللہ کے نام پر اللہ ہی پر فٹ کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو اللہ ہے ہی نہیں اسے اکثریت اللہ بنا بیٹھی اور جو اللہ ہے اسے تھا کر دیا اس کا کسی کو علم ہی نہ رہا۔

اس وقت وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی نظر آ رہی ہے، زمین ساکت ہے اور زمین کے کنارے ہیں، آسمان الٹے پیالے کی مانند ہے جو کہ زمین کے کناروں پر ٹکا ہوا ہے، آسمان میں سورج اور ستارے سب کے سب زمین کے گرد گھوم رہے ہیں دوسری طرف ان کے پاس جو رسولوں کا لٹریچر تھا اس میں سات آسمانوں اور ان ہی کی مثل زمین کا ذکر تھا، ربّ عرش پر استویٰ ہے اور عرش پانی پر ہے تو انہوں نے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر آسمانوں وزمین، سورج، چاند ستاروں وغیرہ کے بارے میں عقائد ونظریات گھڑ کر پھیلا دیئے، عرش کے بارے میں، عرش کا پانی پر ہونا اور ایسے ہی اللہ کے بارے میں اپنے مشاہدات کی بنیاد پر عقائد ونظریات گھڑ کر پھیلا دیئے۔

مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کا نہ صرف آسمانوں وزمین جو کہ ان کے نزدیک کل کائنات تھی کے بارے میں بلکہ اللہ کے بارے میں جو عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ محمد رسول اللہ کو جب بعث کیا گیا تو اس وقت پوری دنیا کے اکثر لوگوں کا سورج اور زمین کے حوالے سے ایک ہی نظریہ تھا اور وہ یہ کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے خشکی اس کے وسط یعنی درمیان میں ہے اس کے گرد پانی اور پانی کے گرد زمین کے کنارے ہیں ان کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جن پر آسمان اس طرح ٹکا ہوا ہے جیسے کوئی گنبد ہوتا ہے بالکل اسی طرح پہاڑوں پر پڑا ہوا ہے یعنی زمین کے گرد پہاڑ وہ ستون ہیں جن پر آسمان کے کنارے ٹکے ہوئے ہیں اور سورج آسمان کے اندر مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے۔

سات اوپر تلے روٹیوں کی مانند زمینیں ہیں جن پر سات آسمان ہیں آسمانوں کے اوپر عین سر پر ایک تخت ہے جس پر اللہ بیٹھا ہوا نظام چلا رہا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو عین اللہ کے تخت کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت مل جاتی ہے یوں وہ دوسرے دن پھر وہیں سے طلوع ہوتا ہے اور یہ کہ زمین حرکت کر رہی ہے یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا جیسا کہ ان عقائد ونظریات کو واضح کرتی تصویر کو آگے آپ دیکھ رہے ہیں۔

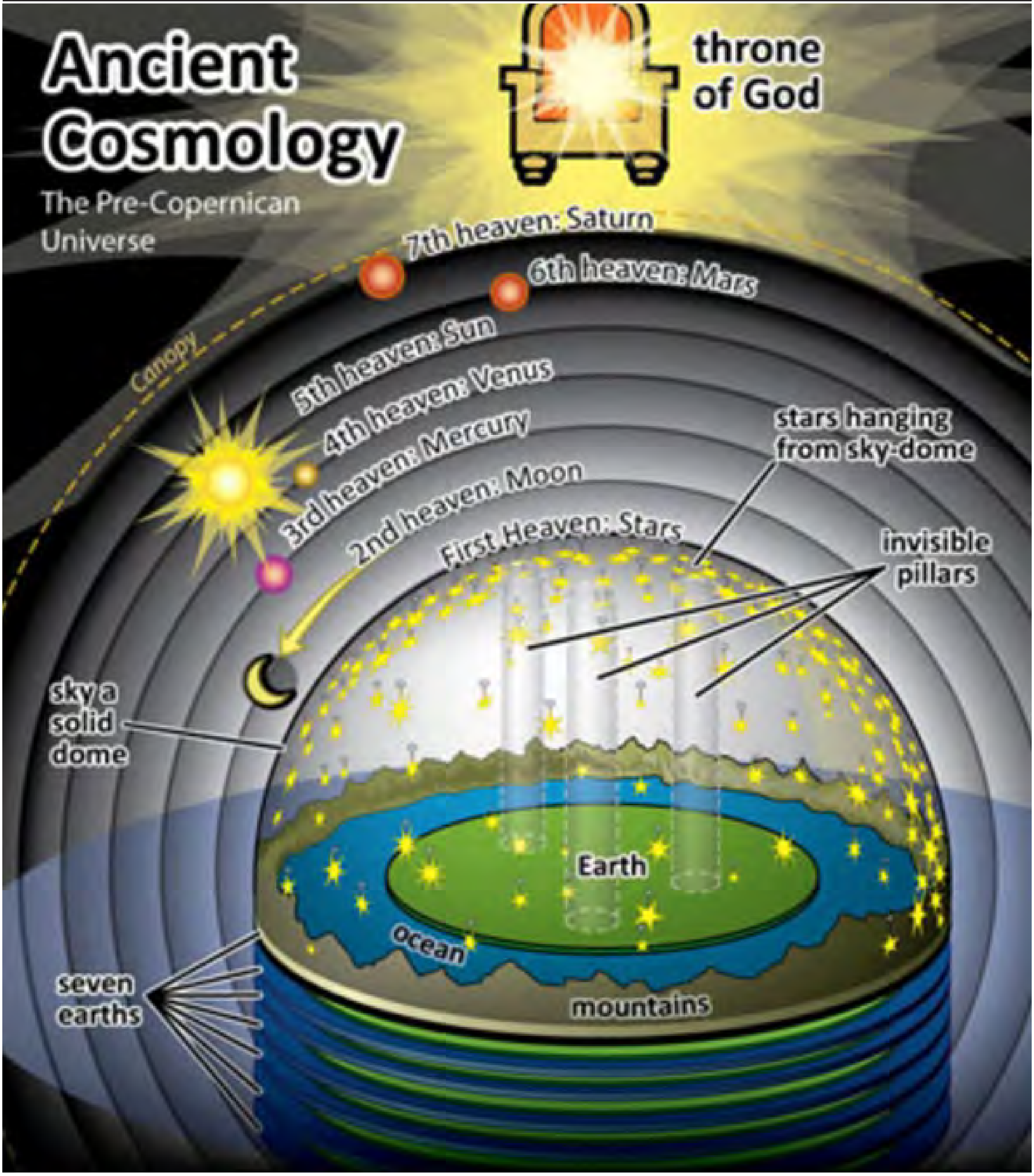

اب جبکہ یہ تو ثابت ہو چکا کہ محمد علیہ السلام کی بعثت سے قبل نہ صرف مشرکین عرب بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا متفقہ عقیدہ ونظریہ تھا کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ، اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش یعنی تخت پر بیٹھا ہوا ہے، جلوہ گر ہے، جلوہ فرما ہے، جلوہ افروز ہے یا پھر متمکن ہے کہیں اگر یہ عقیدہ ونظریہ حق تھا تو کیا محمد علیہ السلام کو مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کی تائیدو تصدیق کے لیے بھیجا گیا تھا؟

اگر وہ اپنے اس عقیدے ونظریے میں سچے تھے تو اس کا مطلب کہ محمد اللہ کا رسول تھا ہی نہیں کیونکہ آپ پر پیچھے یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی گئی کہ اللہ نے یہ قدر میں کر دیا، اللہ کا یہ قانون ہے کہ اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب لوگ ہر لحاظ سے، سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوں اگر نور کی ایک کرن بھی ہو ہدایت کی ایک کرن بھی ہو حق کا ذرا بھی ہو تو اللہ رسول بعث نہیں کرتا۔ اس لیے اگر محمد کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب، یہودی اور عیسائی اپنے اس عقیدے ونظریے میں سچے تھے حق پر تھے تو محمد اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد ایک ہی صورت میں اللہ کا رسول ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ محمد کی بعثت سے قبل لوگ ضلالٍ مبینٍ میں تھے کسی کو بھی حق کا رائی برابر بھی علم نہ تھا۔

اور جب محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ محمد مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کی تائید و تصدیق کرتا؟ محمد اسے ہی حق کہتا جسے اس سے پہلے حق کہا اور سمجھا جا رہا تھا؟ نہیں ایسا کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے اس لیے یہ بات ثابت ہو چکی کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ اور اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش نامی تخت پر بیٹھا ہے یہ نہ صرف محمد کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ تھا جو آج تک چلا آ رہا ہے بلکہ یہ بالکل بے بنیاد اور باطل تھا یہ اللہ پر افتراء عظیم تھا اور آج بھی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بلکہ اس کے بالکل برعکس کہا تھا تو پھر یہ عقیدہ و نظریہ چودہ صدیوں سے مسلمانوں میں کہاں سے آیا اور نسل در نسل چلا آ رہا ہے؟

تو اس کا جواب بھی آج سے چودہ صدیاں قبل ہی دے دیا گیا قرآن میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ آج سے چودہ صدیاں قبل جب محمد اپنے رسول کے ذریعے اللہ نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا تو انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد جو کہ چند لوگ تھے ان کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے محمد کی دعوت کو تسلیم کیا جو ایمان لایا ہو بلکہ تب بھی اکثریت نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ یہی کہا کہ ہم تو اسی پر رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا یوں کسی نے بھی محمد کی دعوت کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا سوائے چند کے۔

لیکن جب اللہ کا ید یعنی ہاتھ حرکت میں آیا تو موت کے خوف سے سب کے سب اسلام لے آئے یعنی انہوں نے خود کو محمد کے آگے جھکا دیا یعنی ایمان تب بھی کوئی نہیں لایا بلکہ اسلام لائے، دل سے نہیں مانا صرف زبان سے اقرار کیا وہ بھی اس لیے تاکہ گردن بچ جائے اور تب اللہ نے کہا تھا کہ آج جب کہ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کیا جا چکا اس کے باوجود تم نہیں مان رہے تو جان لو جب تم اپنی ہی ذات میں اور الآفاق میں ہماری آیات دیکھو گے یعنی ان مقامات میں جہاں آج تمہاری رسائی نہیں تب تم مان جاؤ گے کہ یہ حق ہے۔

یعنی جب تک تم یہ سب اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے تب تک تم نہیں مانو گے تب تک تم اسی پر ڈٹے رہو گے جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

اب جب اللہ خود کہہ رہا ہے اور کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ تب کوئی ایمان نہیں لایا تھا سوائے چند کے تو ظاہر ہے تمام کے تمام عقائد و نظریات تو وہی تھے جو نسل در نسل چلتے آ رہے تھے ہاں اگر فرق پڑا تو وہ یہ کہ انہیں اسلام لانا پڑا یعنی موت کے ڈر سے خود کو محمد علیہ السلام کی قائم کردہ ریاست کے آگے سرنڈر کرنا پڑا خود کو فطرت کا ماتحت کرنا پڑا فطرت کے آگے خود کو جھکانا پڑا۔ اب جب سرنڈر کیے ہوئے کہلا رہے ہیں یعنی اسلام لانے والے مسلم کہلوا رہے ہیں تو ایک دو نسلوں بعد وہی نسل در نسل منتقل ہونے والی عقائد و نظریات پر اسلام کا لیبل لگ گیا اور آج تک وہی عقائد و نظریات موجود ہیں جس نے بھی آ کر ان عقائد و نظریات کے خلاف یا برعکس بات کی تو ان لوگوں نے اس کو یا تو قتل کر دیا اور اگر قتل پر دسترس نہ پائی تو اس کی تکذیب کی اس کی کوئی ایک بھی بات نہ مانی اس کی دعوت کا سرے سے ہی انکار کر دیا۔

یہ ہے وہ وجہ جس وجہ سے آج تک یہی کہا جاتا رہا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور آج جب انہیں ان کی اپنی ہی ذات اور ان مقامات میں جہاں اس وقت ان کی رسائی نہیں تھی وہاں آیات دیکھا دی گئیں تو پھر آج کے لیے ہی اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ آج جب کہ وہ وقت آ چکا ہے تم آج اسی وقت میں موجود ہو تو آج تم پر اللہ کے بارے میں بھی ایک بار پھر حق کھول کھول کر واضح کیا جائے گا اور تمہیں بالآخر ماننا پڑے گا جو کہ آج اللہ اپنے اسی وعدے کو پورا کر رہا ہے اپنے رسول کے ذریعے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

وہ جو پہلے مشرکین عرب تھے، یہودی اور عیسائی تھے جنہیں محمد علیہ السلام کی قائم کردہ ریاست کے آگے موت کے ڈر سے سرنڈر کرنا پڑا یعنی اسلام لانا پڑا جس سے وہ مسلم کہلوائے گئے انہی لوگوں نے اور ان کی نسلوں نے بعد میں اپنے انہی آباؤ اجداد سے نسل در نسل ہونے والے عقائد و نظریات کو قرآن کے تراجم و تفاسیر کی صورت میں قرآن اور محمد علیہ السلام سے منسوب کر دیا جو آج تک چلتے آ رہے ہیں۔ خود کو مسلمان کہلوانے والے جن کو دین کا علم ہی نہیں تھا اور نہ ہی اللہ کا علم تھا وہ لوگ آج تک درج ذیل آیت کو بنیاد بنا کر تراجم و تفاسیر کے نام پر بطور دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے رہے اور آج بھی کہہ رہے ہیں کہ دیکھو اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے تخت پر ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. طٰہٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

یہ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵ ہے جس کو بنیاد بناتے ہوئے تراجم وتفاسیر کے نام پر یہ دلیل پیش کی جاتی رہی کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر عرش جو کہ تخت ہے اس پر ہے۔ دو شخصیات کے تراجم آپ کے سامنے ہیں دونوں تراجم میں ایک ہی عقیدہ ونظریہ ہے جسے پیش کیا گیا محض الفاظ کے چناؤ کا فرق ہے جیسا کہ فتح محمد جالندھری کے ترجمے میں ہے ''رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا'' قرار کہتے ہیں ٹھہرنے کو اور قرار پکڑا یعنی اوپر آسمانوں پر اپنے تخت پر جا ٹھہرا اور تب سے وہ اوپر آسمانوں پر تخت پر ہے۔ یعنی بالکل واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے اللہ نے آسمان وزمین بنائے پھر اس کے بعد اوپر آسمانوں پر چڑھ کر تخت پر جا بیٹھا۔

اصل حقیقت کیا ہے اسے اور ان کے دجل عظیم کو بالکل کھول کر واضح کرنے سے پہلے ان کے اس عقیدے ونظریے پر کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں جنہیں سامنے لانا بہت ضروری ہے۔

اگر ان سے سوال کیا جائے کہ اکبر کون ہے یعنی کون ہے جس سے بڑا کوئی نہیں تو بذات خود ان کا جواب ہوتا ہے کہ ''اللہ اکبر'' اللہ ہے جس سے بڑا کوئی نہیں۔ اب جب اللہ اکبر ہے یعنی اللہ ایسی ذات ہے جس سے بڑا کوئی نہیں تو پھر اللہ نے آسمانوں پر پڑے تخت پر قرار کیسے جا پکڑا؟ یعنی اگر اللہ عرش جو کہ ان کے مطابق تخت ہے پر جا ٹھہرا تو پھر اللہ اکبر ہوا یا عرش؟ اگر اللہ اکبر ہے اور ان کے عقیدے ونظریے کے مطابق عرش ایک تخت ہے جیسے بادشاہ کا تخت ہوتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو پھر اللہ اس تخت پر کیسے جا ٹھہرا؟ اور اس کے باوجود اگر اللہ تخت پر جا ٹھہرا تو پھر اللہ نہیں بلکہ تخت اکبر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ عرش آسمانوں پر ہے جب عرش آسمانوں پر ہے تو اس کا مطلب کہ عرش جو کہ ان کے عقائد ونظریات کے مطابق تخت ہے وہ آسمانوں سے بھی چھوٹا ثابت ہو جاتا ہے آسمان اس سے بڑے ثابت ہو جاتے ہیں یوں اکبر تو آسمان ثابت ہو جاتے ہیں اور اگر واقعتاً اللہ اکبر ہے تو پھر اللہ کا آسمانوں پر تخت پر قرار پکڑنا بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر آج تک جو بات چھپائی گئی وہ یہ ہے کہ اس آیت کو تو بطور دلیل بہت بڑھ چڑھ کر پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اگر استویٰ کے معنی قرار پکڑنا ہے، بیٹھنا ہے تو پھر وہ تخت پر بیٹھنے سے پہلے کہاں بیٹھا تھا؟

تخت تو ان کے مطابق آسمانوں پر ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تھا تو تب ان کا اللہ کہاں تھا؟ پہلی بات تو یہ کہ اس سوال کا جواب ہی نہیں دیتے اور اگر کوئی جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ مزید دھوکے پر دھوکہ دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور قرآن کی درج ذیل آیت کے تراجم وتفاسیر کے نام پر دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور تب اللہ پانی پر اپنے عرش پر تھا جیسا کہ سورۃ ھود کی آیت نمبر ۷ درج ذیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرۡشُهٗ عَلَى الۡمَآءِ۔ ھود ۷

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ فتح محمد جالندھری

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ احمد رضا خان بریلوی

آپ نے دیکھا اس آیت کے تینوں تراجم کے نام پر شیاطین کے کلام میں ایک ہی بات کی گئی کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا یا پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی ان کے مطابق آسمانوں وزمین کی تخلیق سے پہلے ہی پانی موجود تھا نہ صرف پانی موجود تھا بلکہ تب اللہ کا عرش جو کہ ان کے مطابق تخت جس پر ان کا اللہ بیٹھا ہوا تھا پانی پر تھا اور پھر جب آسمانوں وزمین کو پیدا کر لیا تو اپنا عرش پانی سے اٹھا کر آسمانوں پر لے گیا۔

اگر ان کی بات کو ایک لمحے کے لیے مان بھی لیا جائے تو بہت سے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب ہے ہی نہیں جیسا کہ مثلاً پھر وہی بات کہ اللہ کی بجائے تو پانی اکبر ثابت ہو جاتا ہے جس پر تخت موجود تھا پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آیت میں واقعتاً ماضی کی بات کی گئی؟ کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا؟ کیونکہ محمد

علیہ السلام کے بعثت سے پہلے ہی یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ کا عرش پہلے پانی پر تھا جو کہ یہودیوں وعیسائیوں کا متفقہ عقیدہ تھا اب اگر قرآن بھی وہی بات کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے قرآن اپنے ہی دعوے میں جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ رسول بعث ہی تب کیا جاتا ہے جب نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی لوگ سو فیصد گمراہیوں میں ہوتے ہیں اور دوسری طرف اتنے اہم موضوع پر نہ صرف حق موجود تھا بلکہ یہودی ہوں یا عیسائی سب کا ماننا بھی تھا۔

ایک طرف قرآن کہتا ہے کہ رسول جب بعث ہوتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسی موضوع یا مسئلے پر لب کشائی کرتا ہے جس میں اس سے پہلے اختلاف کیا جا رہا ہوتا ہے لوگ فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں ہر فرقے کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے باطل حالانکہ سب کے سب ہی باطل پر ہوتے ہیں اور رسول آ کر حق کھول کر واضح کرتا ہے جس میں اختلاف میں پڑے ہوئے تھے یا پھر اگر سب کے ہاں متفقہ بات پائی جاتی ہے جسے حق سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن وہ حق نہیں باطل ہوتا ہے یوں رسول اس پر لب کشائی کرتا ہے۔ تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ قرآن اپنے ہی دعوے کے برعکس کرے؟

قرآن کے نزول سے پہلے یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا اور اللہ نے اس عقیدے ونظریے کو غلط ثابت کرتے ہوئے اس کے بالکل برعکس حق بیان کیا نہ کہ اللہ نے یہ کہا کہ عرش پہلے پانی پر تھا۔

اور پھر اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ پانی تو بعد میں وجود میں آیا پہلے پانی کا تو کوئی وجود ہی نہ تھا تو یوں بھی یہ عقیدہ ونظریہ بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے جو آج تک اللہ پر افتراء کیا جاتا رہا۔

اب آتے ہیں حقیقت کی طرف اور آج تک جو دجل ودھوکے کا شکار کیا جاتا رہا ان دین کے ٹھیکیداروں کے اس دجل وفریب کو چاک کر کے اس کی حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى. طٰہٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

آیت اور تراجم آپ کے سامنے ہیں ان تراجم میں الرحمٰن کا ترجمہ نہیں کیا گیا نہ ہی معنی بیان کیا گیا کہ آخر الرحمٰن کے معنی کیا ہیں؟ کیوں کہ الرحمٰن تو اللہ کا اسم ہے۔ پھر عرش کا معنی تخت اور استویٰ کا معنی جلوا فرما اور قرار پکڑنا یعنی جو ٹھہرنا کیا۔

اگر عرش کا معنی تخت ہی ہے تو انہیں قرآن میں تمام کے تمام مقامات پر عرش کا معنی تخت ہی کرنا پڑے گا ایسے ہی اگر استویٰ کا معنی جلوا فرما ہونا یا قرار پکڑنا ہے تو پورے قرآن میں جہاں جہاں بھی اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہاں انہیں یہی معنی کرنا ہوگا اگر تو قرآن اس معنی کی تصدیق کرتا ہے اسے قبول کرتا ہے یعنی تمام مقامات پر اس معنی کو قبول کرتا ہے تو بلاشک وشبہ استویٰ کا یہی معنی ہے اور اگر قرآن اس معنی کو قبول نہیں کرتا تو پھر انہیں کس نے یہ حق دیا کہ یہ اپنے آباؤ اجداد سے منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو ہی قرآن پر چسپاں کریں؟

قرآن کی کچھ آیات جن میں اسی لفظ جو کہ جملہ ہے کا استعمال ہوا نہ صرف انہیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں بلکہ انہی لوگوں کے تراجم بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ آپ خود اپنی آنکھوں سے ان کے دجل وفریب کو دیکھ سکیں۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ج ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ. البقرۃ ۲۹

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ فتح محمد جالندھری

وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا۔ احمد رضا خان بریلوی

وہی تو ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔ ابوالاعلیٰ مودودی

آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں بھی وہی لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہاں اس کا ترجمہ یا معنی جلوہ فرمایا قرار پکڑا نہیں کیا بلکہ یہاں اس کے بالکل برعکس ''متوجہ ہوا'' ''قصد فرمایا'' اور قصد کے معنی ہیں اپنا کام کرنے کے لیے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کسی کے پیچھے پڑ جانا کہ کام کر کے ہی

رہنا اپنا مقصد پورا کر کے ہی رہنا اور ''توجہ فرمائی'' ترجمہ کیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہوتا ہے یعنی کہیں جا ٹھہرنا ہوتا ہے تو پھر یہاں معنی کیوں بدل گئے؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰٓى. القصص ١٤

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے۔ فتح محمد جالندھری

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشو ونما مکمل ہو گیا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب آپ اس آیت میں بالکل عین اسی لفظ کے معنی دیکھ سکتے ہیں کہ کیا کیے گئے ''بھرپور جوان ہونا'' ''پورے زور پر آنا'' ''نشو ونما مکمل ہونا''۔ اس آیت کے تراجم آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں جو ترجمہ و معنی کیے گئے وہ پہلے دونوں مقامات سے بالکل مختلف کیے گئے جو کہ ان کے دجل و فریب کو چاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ. الفتح ٢٩

اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی ۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں تینوں مترجمین نے استویٰ کا ترجمہ ''سیدھا کھڑا ہونا'' کر دیا۔ اب آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا یہی ترجمہ و معنی اس آیت میں کیا جا سکتا ہے یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہاں کیوں کر دیا گیا؟ اور کیا وہ ترجمہ جو وہاں اس آیت میں کیا گیا وہ یہاں اس آیت میں یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہاں وہ کیسے کر دیا گیا؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

ذُوۡ مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰى. النجم ٦

(یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ احمد رضا خان بریلوی

جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں اسی لفظ کے ساتھ جو کیا گیا آپ جان کر چونک جائیں گے فتح محمد جالندھری نے ترجمہ کیا ''پورا نظر آنا'' احمد رضا خان بریلوی نے ترجمہ کیا ''قصد فرمانا'' اور ابوالاعلیٰ مودودی تو پورا لفظ جو کہ اپنے آپ میں جملہ ہے اسے کھا ہی گئے اسے غائب ہی کر دیا گویا کہ اللہ سے غلطی ہو گئی اور ابوالاعلیٰ مودودی کو وحی کی کہ میں یہ غلطی کر بیٹھا ہوں ذرا اسے سدھار دینا یعنی اس سے بڑا بہتان اللہ پر ہو سکتا ہے؟ جب ایسا کیا ہی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ غلطی ہو گئی تو کیا اس شخص نے اپنی موت تک اپنی اس غلطی کو تسلیم کیا؟ یا پھر قرآن کیساتھ کھلواڑ کر کے ایسے بھول گیا جیسے کہ کچھ کیا ہی نہ ہو؟ اور باقی مترجمین کے تراجم کو بھی دیکھ لیں کہ نہ تو تینوں مترجمین کے اس آیت کے تراجم کا آپس میں کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان کے اپنے ہی معنوں سے کوئی تعلق ہے جو گزشتہ آیات میں اسی لفظ کے تراجم و معنی کر چکے ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے اور ایسے تمام کے تمام قرآن کے ترجمان ہونے کے دعویداروں کے پیچھے چلنے والوں سے سوال ہے کہ ان کے کون سے ترجمے کو ٹھیک قرار دیا جائے اور کون سے کو غلط؟

اگر ان میں سے کسی کو بھی ٹھیک قرار دیا جاتا ہے تو اس کی بنیاد کیا ہو گی اور جنہیں غلط قرار دیا جاتا ہے تو انہیں کس بنیاد پر غلط قرار دیا جائے؟

اور پھران لوگوں سے بھی سوال ہے جو اپنی زبانوں سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ تمام کے تمام تراجم میں صرف الفاظ کے چناؤ کا فرق ہے باقی معنی ومطلب سب کا ایک ہی ہے اگرتم لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہوتو آ ؤاب ان آیات کے تراجم سے ایک ہی معنی ومطلب ثابت کر کے دکھاؤ؟ ایک ہی پیغام ثابت کر کے دکھاؤ؟

اور پھراگر کوئی یہ کہتا ہے کہ تمام کے تمام تراجم ہی ٹھیک ہیں جہاں جہاں جو جو ترجمہ کیا گیا بے شک اختلاف ہے مگر ترجمہ ٹھیک ہے یہ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر ایسوں کے لیے اللہ نے اسی قرآن میں ہی بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ یہ اللہ کا کلام ہو ہی نہیں سکتا نہ اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ اللہ کے دشمنوں شیاطین مجرمین کا کلام ہے جن کا اللہ کے کلام کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کرر ہے القرآن اور اگر تھا کسی اور کے ہاں سے اللہ کے علاوہ تو اس کے لیے تھا کہ تم پاتے اس میں کثیر اختلاف یعنی ایک مقام پر کچھ کہا جار ہا ہے اور دوسرے مقام پر کچھ اور کہا جار ہا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہ ہو وہ قرآن اللہ کے ہاں سے ہے اور جو اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ غیر اللہ کے ہاں سے ہے اس میں تمہیں بہت زیادہ اختلاف ملے گا۔ اب آپ خود غور کریں کہ کس قرآن کی بات ہو رہی ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہیں وہ اللہ کے ہاں سے ہے وہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور جو اللہ کا اتارا ہوا نہیں جو اللہ کے ہاں سے نہیں اس میں تمہیں اختلاف کثیر ملے گا اس میں تم اختلاف کثیر پاؤ گے؟

ذرا غور کریں کتنے قرآن موجود ہیں؟ کیا بظاہر ایک ہی قرآن موجود نہیں لیکن ایک ہونے کے باوجود ایک نہیں ہے جنہیں آپ تراجم وتفاسیر کہتے ہیں وہ کیا ہیں؟ جب آپ اردو میں یا دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی آیت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تو کیا اس کو قرآن کی آیت نہیں قرار دیتے کہ اللہ قرآن کی فلاں آیت میں یہ کہہ رہا ہے؟

تو پھر اور کون سے قرآن ہیں؟ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ جو عربی متن میں ہے عین وہی تراجم میں ہے رائی برابر بھی کوئی کمی وزیادتی نہیں؟ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی ایک بھی ترجمہ ایسا نہیں ہے جو قرآن کا ترجمان ہونے کی بجائے قرآن کی ضد نہ ہو، تمام کے تمام تراجم قرآن کی ضد ہیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ اوپر عربی متن میں اللہ کا کلام ہے اور نیچے تراجم کی صورت میں شیاطین کا کلام اور اب تو آپ کے سامنے ہیں مختلف تراجم تو بہت دور کی بات ایک ہی مترجم کے ترجمے میں اختلاف کثیر موجود ہے۔

جب اختلاف کثیر موجود ہے جو کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا یہ تراجم کی صورت میں جتنے بھی قرآن ہیں یہ اللہ کے ہاں سے ہوئے یا پھر غیر اللہ کی ہاں سے؟ جب اختلاف کثیر ثابت ہو چکا ہے تو پھر یہ اللہ کا کلام نہیں اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ اللہ کے دشمن شیاطین کا کلام ہے یہ شیاطین کے ہاں سے ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس بات کو غلط ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ تو محض چند آیات ہیں ان کے علاوہ پورے قرآن میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کا ترجمے کیساتھ کوئی تعلق ہو بلکہ ایک ایک آیت کا ترجمہ اس کی ضد ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے ان کا دجل وفریب آپ پر واضح کرتے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی. طٰہٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلی مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

اس ایک آیت کو پیش کرتے ہوئے تو کہا جاتا ہے کہ عرش پر استویٰ ہوا لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن میں آیات ہیں جیسا کہ قرآن میں چھ مقامات پر درج ذیل

آیت آئی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ. الاعراف ۵۴، یونس ۳، الرعد ۲، الفرقان ۵۹، السجدۃ ۴، الحدید ۴

اس آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْش سے پہلے ثُمَّ کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں مابعد یعنی پہلے کچھ کیا اس کے بعد پھر کیا۔ تو قرآن میں چھ مقامات پر جو کہا گیا کہ ''پھر استویٰ العرش ہوا'' یہ ان لوگوں کو نظر نہ آیا؟ اور نہ ہی کبھی اس پر بات کی جو کہ بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ استویٰ تھا تو العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے کہاں استویٰ تھا جو پھر استویٰ ہوا العرش پر؟ ان لوگوں کو علم تھا کہ ان آیات میں سے اگر کوئی ایک آیت بھی سامنے لائی گئی اسے اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقیدے و نظریے کے لیے بطور دلیل پیش کیا تو یہ بہت بڑا سوال سامنے آجائے گا جس کا ان کے پاس جواب نہیں ہوگا اس لیے ان لوگوں نے اس آیت کو بطور دلیل استعمال کرنے کی بجائے صرف اس ایک آیت پر ہی اکتفاء کیا ورنہ تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کی تائید میں کہیں ایک سے زیادہ بار بات آئے تو یہ شور مچادیتے ہیں لیکن یہاں یہ لوگ چھ آیات کو بھول گئے صرف ایک ہی انہیں نظر آئی۔

اب آپ سے بھی سوال ہے اور اس عقیدے و نظریے کے حامل تمام کے تمام لوگوں سے سوال ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْش العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ کہیں استویٰ تھا تو العرش سے پہلے وہ کہاں استویٰ تھا اور پھر اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہیں تو کیا وہاں بھی یہ معنی لیے جاسکتے ہیں؟

اب جب قرآن سے ہی سوال کیا جائے کہ العرش پر استویٰ سے پہلے کہاں استویٰ تھا تو قرآن کیا جواب دیتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ. السجدۃ ۴

اس آیت میں بالکل کھلم کھلا واضح ہے کہ استویٰ علی العرش سے پہلے اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے انہیں خلق کیا تو پھر ظاہر ہے استویٰ علی العرش سے پہلے استویٰ الی السماوات والارض وما بینهما تھا

یعنی اگر کل وجود کی بات کی جائے تو ترتیب یہ بنے گی استویٰ الی السماء ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی بینهما ثم استویٰ علی العرش. اور اگر بات کی جائے اس زمین جس پر آپ رہتے ہیں اس کی اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں جو کہ زمین کے سات آسمان سات طبقات ہیں تو پھر ترتیب یوں بنے گی ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.

اور پھر دیکھیں یہی بات قرآن میں بھی بیان کردی گئی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ. البقرۃ ۲۹

اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ استویٰ علی العرش سے پہلے استویٰ ہوا آسمان کی طرف جو کہ ایک آسمان تھا اور استویٰ ہونے کے بعد انہیں سات آسمان کردیا بنادیا۔ آیت میں آیا ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی آسمان کی طرف استویٰ ہونے سے پہلے بھی کہیں استویٰ تھا اور کہاں تھا اس کا جواب بھی اسی آیت میں پیچھے موجود ہے هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنی استویٰ الی السماء سے قبل استویٰ الی الارض تھا یوں اس آیت میں یہ ترتیب سامنے لائی گئی ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.

اب آپ سے سوال کرتے ہیں اور ان تمام لوگوں سے بھی سوال ہیں جنہوں نے ایسے تراجم و تفاسیر کیے جو اس عقیدے و نظریے کے حامل ہیں کہ اگر ثم استویٰ علی العرش کے معنی یہ ہے کہ پھر تخت پر جلوہ فرما ہوا، قرار پکڑا یعنی جا ٹھہرا، متمکن ہوا تو پھر ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ کے معنی کیا کیے جائیں گے؟ کیا یہاں وہی معنی کیے جانے ممکن ہیں؟ اگر نہیں جو کہ کسی بھی صورت ممکن نہیں تو پھر آپ کو کس نے اختیار دیا کہ آپ اتنا بڑا دجل و فریب کریں؟ آپ نے یہ تراجم و معنی کہاں سے گھڑ لیے؟ کیا ہر لحاظ سے یہ بات ثابت نہیں ہوجاتی کہ ان لوگوں نے تراجم و تفاسیر کے نام پر نہ صرف اللہ سے دشمنی کرتے ہوئے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا، دجل و فریب سے کام لیا، بلکہ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو ہی سچا ثابت

کرنے کے لیے قرآن کو من پسند تراجم و معنی پہنائے جن کا قرآن کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں بلکہ الٹا ان کے تمام کے تمام تراجم و معنی اور تفاسیر قرآن کی ضد ہیں شیاطین کا کلام ہے جس سے انہوں نے انسانوں کو نہ صرف گمراہ کیا ضلالٍ مبین یعنی سو فیصد گمراہیوں میں دھکیل دیا بلکہ ان کی ذلت و رسوائی کا بھی سبب بنے آج دنیا کی جو حالت ہے انہی کے ان کرتوتوں کے سبب ہے۔

یہاں تک ان لوگوں کی جڑیں ہی کاٹ کر رکھ دی گئیں ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو بنیادوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا اور دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس حق کو غلط ثابت کر سکے یا اس کا انکار کر سکے، ہر کوئی جان لے یہ حق ہے اور حق کو حق حاصل ہے کہ اسے مانا جائے حق خود کو منوا کر ہی رہتا ہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے دل سے اپنی مرضی سے مانتے ہوئے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی فلاح کا سودا کریں ورنہ جب زبان اپنا کام مکمل کر چکے گی تو ہاتھ حرکت میں آئیں گے اور جب ہاتھ حرکت میں آئیں گے تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا لیکن وہ ماننا آل فرعون اور جو ان سے پہلے تھے ان کے ماننے کی مثل ہوگا۔

اب آپ پر واضح کرتے ہیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی السماء ثم استویٰ علی العرش کیا ہے؟ آخر حق کیا ہے؟ اس کے علاوہ جو آج تک کہا جاتا رہا کہ اللہ کا عرش آسمانوں و زمین کی تخلیق سے پہلے پانی پر تھا اس حق کو بھی کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں سب سے پہلے جان لیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں۔ استویٰ ''سَوَ'' سے ہے جس کے معنی ہیں کرنا یعنی کوئی کام وغیرہ کرنا اور استویٰ کے معنی ہیں کیا ہے جو کام کرنا ہے یا کیا ہے جو کام کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گارنٹی ہے یہ معنی درست ہیں؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے قرآن میں ہی اللہ نے حق کی پہچان کا بہترین طریقہ بیان کر دیا کہ کوئی بھی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو قرآن پر پیش کیا جائے اگر تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

تو ایسا کرتے ہیں کہ اس معنی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کرتا ہے یا پھر اس معنی کو رد کرتے ہوئے تصدیق کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

تو قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا اگر آپ ان تمام مقامات پر ان معنوں کو پیش کریں تو قرآن میں کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے کہ جو ان معنوں کو قبول نہ کرے بلکہ تمام کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کر دیں گے کہ یہی حق ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں آپ دیکھ سکتے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ البقرة ۲۹

هُوَ جو بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِیْ یہی وجود ہے وہ ذات ہے خَلَقَ لَکُمْ خلق کیا تم ہی کو مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ارض میں یعنی زمین میں جو ہے وہ سب با قاعدہ پوری ترتیب میں ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے تم ہی کو خلق کرنے کے بعد کیا تھا جو کرنا تھا؟ کیا تھا جو کیا؟ ایک آسمان تھا اسے کرنے کے لیے جو کیا فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ پس انہیں سات آسمان کر دیا۔

اس آیت میں نہ صرف اللہ کی ذات کیا ہے کھول کر واضح کر دیا کہ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ ہی کا وجود ہے بلکہ استویٰ کے معنی کیا ہیں وہ بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ پہلے زمین میں جو کچھ ہے اسے خلق کیا اور جب زمین میں وہ سب خلق کر لیا تو پھر زمین کے گرد گیسوں کے مرکب کی ایک ہی تہہ تھی جو کہ ایک آسمان تھا تو اس آسمان کو جب کرنا شروع کیا اسے کیا تو پس سات آسمان کر دیا یوں استویٰ کے معنی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ الرعد ۲

اَللّٰہُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے اَلَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ بلند ہیں آسمان کسی ایک بھی ستون کہ یہ ذات ہے اللہ تَـرَوْنَھَـا ہمیں دکھ رہے ہو یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو۔ یعنی یہ جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو یہ اللہ ہی کی ذات ہے جسے دیکھ رہے ہو تو غور کرو آسمان کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہیں؟ کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہوئے؟ کیا کوئی باہر سے آیا جس نے ان کو آ کر بلند کیا بغیر کسی ایک بھی ستون کے؟ کیا کوئی باہر سے آ کر آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے؟ غور کرو کیا آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کرنے والی ذات یہی وجود ہی نہیں ہے جس میں بذات خود آسمان بھی آتے ہیں؟ یہی ذات ہے یہ تم اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہو جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یہی وجود ہے یعنی یہی ذات ہے جو کچھ بھی موجود ہے جب اس وجود نے آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کیا تو پھر استویٰ ہوا العرش پر۔

عرش کے معنی ہیں نظام چلانا، مثلاً اگر آپ کوئی مشین بناتے ہیں تو بنانے کے بعد آپ کیا کریں گے؟ ظاہر ہے بنانے کے بعد اسے چلایا جائے گا تو مشین کے چلانے کو اس کا نظام چلانے کو عرش کہتے ہیں ثُمَّ اسْتَوٰی عَـلَی الْعَرْشِ یعنی آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند کرنے کے بعد آسمانوں و زمین یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں پر مشتمل آسمانوں کا نظام چلانے پر معمور ہوا اور پھر کون ہے جو نظام چلانے پر معمور ہے آگے مزید اسے بھی کھول کر واضح کر دیا کہ یہی ذات ہی ہے جو کہ ایک ہی ذات ہے اس کے علاوہ کسی اور کا وجود ہے ہی نہیں وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اور سورج اور چاند اپنے اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں تمام کے تمام یعنی تمام کے تمام ستارے وسیارے بہہ رہے ہیں جو جوان کے خاتمے کا وقت ہے تب تک کے لیے جس سے زمین کا نظام چل رہا ہے

آپ آسمانوں و زمین کی خلق میں غور و فکر کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان کو خلق کرنے والا کوئی باہر سے نہیں آیا بلکہ یہی وجود ہے جسے آپ کائنات کہتے ہیں اسی نے آسمانوں و زمین کو وجود دیا اور یہی وجود ہی ہے جو انہیں وجود میں لانے کے بعد ان کا نظام چلانے پر معمور ہے یعنی مخلوقات ہی ہیں جو نظام چلانے پر معمور ہیں نہ کہ کوئی ایسا اللہ اپنا وجود رکھتا ہے جو کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے۔

حق ہر لحاظ سے آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور آج تک اللہ کے عرش پر استویٰ ہونے سے مراد جو لیا جاتا رہا اور اس بنیاد پر جو دھوکہ دیا جاتا رہا وہ بھی چاک کر کے رکھ دیا گیا۔ عرش کوئی تخت نہیں ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے جس پر اللہ بیٹھا ہے بلکہ عرش تو کہتے ہیں نظام چلانے کو اور آسمانوں و زمین کا نظام چلانے پر جو معمور ہے جو آسمانوں و زمین کا نظام چلا رہا ہے وہ ہی ذات ہے جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں یا کائنات کا نام دیتے ہیں۔

سورج اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، چاند اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، فضا اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے، سمندر اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں ایسے ہی تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہی ہیں جس سے آسمانوں و زمین کا نظام چل رہا ہے یوں کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہی وجود ہی ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں، خالق بھی خود ہی ہے، جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود ہی ہے اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے وہ بھی خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، اور یہ وجود خود ہی نظام چلانے پر معمور ہے۔

اب ان کے اس دجل و فریب کو بھی بالکل چاک کر کے رکھتے ہیں جو آج تک کہا جاتا رہا کہ اللہ کا عرش پہلے پانی پر تھا جس کے لیے درج ذیل آیت کے تراجم و تفاسیر کو بطور دلیل پیش کیا جاتا رہا۔

وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ۔ ھود ۷

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ فتح محمد جالندھری

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ احمد رضا خان بریلوی

اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ''کَانَ'' کا ترجمہ تھا کیا جاتا ہےاور کہا جاتا ہے کہ ''کان'' ماضی کا صیغہ ہےاس لیےاللہ نے اس آیت میں کہا کہ پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا حالانکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی۔ جسے انہوں نے ماضی کا صیغہ بنا دیا وہ ماضی کا صیغہ کہاں سے بن گیا؟ کیونکہ یہ ایک ہی لفظ کی مختلف حالتیں ہیں ''کن، کون، کونو، کان'' اب اگر ''کان'' ماضی کا صیغہ ہے تو پھر اسی لفظ کی باقی حالتوں کا معنی کیا کیا جائے گا؟ کیا انہیں بھی کوئی صیغہ بنایا جاسکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

''کن'' کہتے ہیں قانون میں کسی کام کے ہونے کو، ''کون'' کسی کام کا قانون میں ہونا، ''کونو'' کسی کام کا قانون میں ہو رہے ہونا اور ''کان'' کے معنی ہیں کام کا قانون میں ہو چکا ہونا۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً کوئی بادشاہ ہو اور آپ اسے کوئی کام کہتے ہیں کہ میرا یہ کام کروا دیں تو بادشاہ آپ کو کہتا ہے کہ آپ کا کام ہو گیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کے کہنے سے کیا کام ہو چکا ہوتا ہے؟ یا پھر کام تو ابھی ہونا باقی ہے مگر جب بادشاہ نے کہہ دیا کہ ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ قانون میں ہو چکا اب اسے ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا محض وقت کی بات ہے جیسے ہی وقت آجاتا ہے تو یہ کام ہو کر رہے گا۔

یہ ہیں ''کان'' کے معنی یعنی کسی کام کا قانون میں ہو چکا ہونا یا یوں کہیں کہ کسی کام کا پہلے سے طے شدہ ہونا ہے جو کہ وقت آنے کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا تو ہو کر رہے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی یہی کہتا ہے کہ نہیں ''کان'' ماضی کا ہی صیغہ ہے تو پھر ایسے ہر شخص سے سوال ہے کہ کیا وہ درج ذیل آیت میں ''کان'' کو ماضی کا صیغہ ثابت کر سکتا ہے؟

لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. الانبیاء ۲۲

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں بھی وہی لفظ ''کان'' کا استعمال کیا گیا اب اگر اسے ماضی کا صیغہ تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل یہ کہا تھا کہ اگر تھے آسمانوں اور زمین میں الٰہ اللہ کے علاوہ تو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کچھ درہم برہم ہو گیا ہر شئے میں خرابیاں ہو گئیں۔

تو آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا آج سے چودہ صدیاں قبل ایسا کچھ ہوا تھا؟ آسمانوں و زمین میں تمام کی تمام مخلوقات میں خرابیاں ہو گئی تھیں؟ نہیں بلکہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب میں خرابیاں تو آج ہوئی ہیں نہ کہ آج سے چودہ صدیاں قبل ہوئی تھیں۔

یہ آیت لفظ ''کان'' کو بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے جس کے معنی ہیں ایک کام کا قانون میں ہو چکا ہونا یعنی کہ جو قانون میں طے شدہ ہے بس اس کا وقت آنے کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا تو وہ ہو کر ہی رہے گا اسے ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی کیونکہ وہ قانون میں ہو چکا اور یہ آج سے چودہ صدیاں قبل اللہ نے کھول کھول کر واضح کر دیا تھا کہ آسمانوں و زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان کی مثال تمہارے جسم کی سی ہے ان کی مثال ایک مشین کی سی، ایک وجود کی ہے۔ انتہائی پیچیدہ المیزان یعنی توازن قائم کیا گیا اس لیے ان میں کوئی ایک بھی عمل اللہ کے علاوہ کسی بھی مرضی کے مطابق نہ کرنا ورنہ اگر اللہ کے علاوہ اوروں کی بات مانی جائے گی اوروں کی بات مان کر جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا تو سمجھو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب خراب ہو چکا یعنی پھر ان کا خراب ہونا قانون میں طے شدہ ہے۔

اور آج جب وہ وقت آ گیا جب انسان نے اللہ کے علاوہ اوروں کو الٰہ بنایا یعنی فطرت جس نے اسے وجود دیا اور تمام تر صلاحیتوں سے نوازا ان کا استعمال فطرت کے لیے ہی کرنے کی بجائے اسی وجود کے لیے ان کا استعمال کرنے کی بجائے اوروں کی مان کر ان کا استعمال کیا گیا تو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے نہ صرف ہر شئے میں خرابیاں ہو گئیں بلکہ اب تو فساد طرح طرح کی ہلاکتوں و تباہیوں کی صورت میں ظاہر ہو چکا۔

یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ ''کان'' ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ کان کے معنی ہیں کسی کام کا قانون میں ہو چکنا۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ. هود ۷

هُوَ جو بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِيْ یہی وجود ہی وہ ذات ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ خلق ہوئے

آسمانوں اور زمین چھ مراحل میں وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ اور خلق ہونے کے بعد ان کا نظام جو چل رہا ہے اس نظام کا پانی پر چلنا طے شدہ تھا یعنی قانون میں اس نظام کا جو آسمانوں وزمین میں موت وحیات کا نظام چل رہا ہے اس کا پانی پر چلنا ہی طے شدہ تھا۔

یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ آج سے چودہ صدیاں قبل قرآن نے یا محمد علیہ السلام نے یہودیوں وعیسائیوں کے اس بے بنیاد و باطل عقیدے و نظریے کی تائید وتصدیق نہیں کی تھی کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر تخت پر موجود ہے جو آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے اس کا تخت پانی پر تھا اور بعد میں اٹھا کر آسمانوں پر لے گیا بلکہ قرآن نے اور محمد علیہ السلام نے تو ان کے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کا رد کرتے ہوئے ان کو بے بنیاد و باطل ثابت کرتے ہوئے حق بالکل کھول کھول کر واضح کیا تھا کہ نہ صرف ایسے کسی اللہ کا کوئی وجود نہیں بلکہ کوئی ایسا تخت اپنا وجود نہیں رکھتا جو آج آسمانوں پر پڑا ہے اور پہلے پانی پر پڑا ہوا تھا۔

بلکہ اگر آپ آسمانوں وزمین کی خلق میں غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ پانی تو آسمانوں وزمین کی خلق کے بعد وجود میں آیا، آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے تو پانی کا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور جب آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے پانی کا کوئی وجود ہی نہیں تھا تو پھر کون سا تخت اور کون سے پانی پر پڑا تھا۔

پیچھے آپ پر تفصیل کیساتھ کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ پانی کیسے وجود میں آیا۔ زمین پر آخری چار اقسام کے شہابیوں کی جو بارشیں ہوئیں اور ان شہابیوں کا مواد جب کیمیائی عوامل سے گزرا تو اس میں سے خارج ہونے والی گیسیں زمین کے گرد جمع ہوتی رہیں اور پھر جب سورج وجود میں آیا تو سورج سے خارج ہونے والی انرجی جب زمین کے گرد گیسوں کے مرکب میں داخل ہوئی تو نہ صرف گیسوں کا مرکب سات آسمانوں یعنی سات تہوں میں تقسیم ہو گیا بلکہ ان آخری چار اقسام کے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے ہائیڈروجن و آکسیجن گیسیں وجود میں آئیں اور ان کے ملاپ سے پانی وجود میں آیا۔ اس وقت کل کے کل وجود میں پانی صرف اور صرف اسی زمین پر ہے اس کے علاوہ کہیں بھی پانی کا کوئی وجود نہیں کیوں کہ پانی کسی بھی سیارے کے مکمل ہونے کے بعد اس پر آخری چار اقسام کے آنے والے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے وجود میں آتا ہے اور اِس وقت کل کے کل وجود میں یہ زمین جس سیارے پر آپ موجود ہیں اس کے علاوہ کوئی اور سیارہ مکمل نہیں ہوا بلکہ باقی تمام سیارے اپنے تکمیلی کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور تب تک اس زمین سے باہر کہیں بھی پانی کا کوئی وجود نہیں ہوگا جب تک کہ باقی سیارے مکمل نہیں ہو جاتے یعنی جو بھی سیارہ مکمل ہوگا تو اس کا نظام چلانے کے لیے پانی وجود میں آئے گا۔

اب جب آپ پر یہ بات واضح ہو چکی کہ اس زمین کے علاوہ کہیں بھی پانی کا نام ونشان تک نہیں تو پھر کون سا عرش نامی تخت کس پانی پر پڑا ہوا تھا جو بعد میں اٹھا کر اوپر آسمانوں پر لے جایا گیا؟

اور دوسری بات کہ آپ خود غور کریں کہ زمین پر جو نظام چل رہا ہے یہ نظام کس پر چل رہا ہے؟ کیا زمین کا نظام پانی پر نہیں چل رہا؟ کیا پانی سے ہی سارا نظام نہیں چل رہا؟ کیا پانی سے ہی زندگی وجود میں نہیں آئی؟ کیا پانی سے ہی نباتات، جاندار اور یہ بشر وجود میں نہیں آیا؟ کیا پانی سے ہی زمین پر حیات وجود میں نہیں آرہی؟ کیا یہ پانی ہی نہیں جس پر زمین کا سارا نظام چل رہا ہے اگر پانی کو ہٹا دیا جائے تو زمین ایک بنجر سیارہ بن جائے گا؟

آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں یعنی سات آسمان مکمل کرنے کے بعد ان میں نظام چلانا مقصود تھا اور وہ نظام پانی پر چلایا گیا جو کہ آج آپ خود عرش یعنی نظام کو پانی پر چلتا دیکھ رہے ہیں۔

یوں حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اور کوئی چاہ کر بھی حق کو نہ تو غلط ثابت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کر سکتا ہے ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر وہ حق ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو اسے آل فرعون اور ان سے پہلی قوموں کی مثل ماننا ہوگا اور ہر کوئی اس حق کو تسلیم کرے گا لیکن اس طرح ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ اس طرح ماننا تو مجبوری ہوگا کوئی چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے گا۔

خود کو مسلمان کہلوانے والوں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو قرآن کی ایک آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ. الشوریٰ ۱۱

اس آیت کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اس جیسی کوئی شئے نہیں یا اس کی مثل کوئی شئے نہیں جس سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ کی مثل کوئی شئے نہیں یا اللہ کے جیسی کوئی شئے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کو آج تک استعمال کرتے ہوئے اکثریت کو دھوکہ دیا جاتا رہا، اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے اس آیت کے من پسند تراجم و تفاسیر کیے جاتے رہے اور من پسند مطلب اخذ کیا جاتا رہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ اللہ کی مثل کوئی شئے نہیں بلکہ اس آیت میں تو بالکل مختلف بات کی گئی جسے آپ ایک مثال سے با آسانی سمجھ سکتے ہیں مثلاً کوئی ایسا کاریگر ہے جو ایسے اشیاء بناتا ہے کہ اس کے جیسی شئے کوئی دوسرا بنا ہی نہیں سکتا خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرلے تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ اس کے جیسی یا اس کی مثل کوئی شئے نہیں یعنی جو وہ خلق کرتا ہے جو اشیاء وہ بناتا ہے اس کے جیسی کسی دوسرے کی کوئی شئے ہے نہ ہوسکتی ہے۔ اور یہی اس آیت میں کہا گیا جو کہ اس آیت کا پس منظر غائب کرنے سے چھپ گیا۔ یہی ان لوگوں نے آج تک کیا کہ اس آیت کا پس منظر کیا ہے اسے بالکل غائب ہی کر دیا اور وہ پس منظر بھی کسی الگ آیت میں نہیں بلکہ اسی آیت میں موجود ہے یعنی یہ جس آیت کا حصہ ہے اس پوری آیت کو آپ سامنے رکھیں تو ان کا دجل آپ پر چاک ہوجائے گا جیسا کہ ذیل میں مکمل آیت آپ کے سامنے ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ. الشوریٰ ۱۱

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فاطر ہیں آسمانوں و زمین یعنی جب تک آسمانوں و زمین بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ اول خلق کیے گئے ان میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کی جاتی جیسے اللہ نے خلق کیے یعنی اسی وجود نے خلق کیے بالکل ویسے کے ویسے ہیں تو جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا کر دیا تم کو انہی سے جوڑا یعنی مرد اور عورت وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا اور کر دیا انعام سے جوڑا يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ یعنی جن ذرات سے تمہیں وجود میں لایا جا رہا ہے ان ذرات میں بھی جوڑا ہے ایک طیب اور دوسرا خبیث۔ اب یہ بات کرتے ہوئے آگے کہا گیا لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ ہرگز نہیں تھا بالکل ایسے ہی جیسے کہ اس کی مثل شئے ہے یعنی بالکل واضح الفاظ میں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ آسمانوں و زمین کو فاطر کیا گیا یعنی انہیں جب خلق کیا گیا تو بالکل پرفیکٹ اور مکمل خلق کیا گیا تو انہیں جیسا خلق کر دیا گیا جب تک ویسے ہی رہیں گے تو ان میں جو بھی خلق ہوگی وجود میں آئے گی تو نہ صرف ہر شئے کا جوڑا ہوگا اور تب تک جوڑا تھا بلکہ ان کے جیسی کوئی شئے ہو ہی نہیں سکتی مطلب یہ کہ اگر آسمانوں و زمین کو فاطر نہیں رہنے دیا جاتا ان میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے ان میں مداخلت کی جاتی ہے اور یوں جو کچھ بھی خلق کیا جائے گا تو کوئی ایک بھی شئے اس طرح کی نہیں ہوسکتی جیسے فطرت پر رہنے سے وجود میں آتی ہے جیسا فطرت خلق کرتی۔

جب تک آسمانوں و زمین فاطر رہیں گے تو ان میں رائی برابر بھی کوئی خامی نہیں ہوگی کوئی بھی شئے رائی برابر بھی خامی و خرابی والی نہیں ہوگی پہلی بات جوڑا ہوگا اور دوسری بات ہر لحاظ سے مکمل اور بے عیب ہوگی لیکن جب انہیں فاطر نہیں رہنے دیا جائے گا تو پھر ان کے جیسی شئے ہو ہی نہیں سکتی ان کی مثل کوئی شئے ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ فطرت پر قائم ہونا ورنہ اگر فطرت پر قائم نہیں ہوئے اور فطرت میں تبدیلیاں کیں تو اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اور جب تبدیلی کی جائے گی تو وہ شئے سلامت نہیں رہے گی اس میں خرابیاں ہو کر تباہیاں آئیں گی۔

اور آج کیا ہوا؟ آج آپ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ سکتے ہیں آج جب آسمانوں و زمین کو فاطر نہیں رہنے دیا گیا ان میں چھیڑ چھاڑ کر دی گئی ان میں مداخلت کر دی گئی تو کیا آج جو کچھ بھی خلق ہو رہا ہے کیا کوئی ایک بھی شئے بالکل اس جیسی ہے جیسے کہ جب آسمانوں و زمین فاطر تھے تو خلق ہو رہی تھیں؟ آج تو جنسیں بھی دو نہیں رہیں بلکہ ان میں بھی خرابی ہوگئی اور اس کے علاوہ ہر شئے ہی عیب دار، خامیوں و خرابیوں والی ہوچکی ہے تو پھر اس کی مثل کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ تھا حق جو اس آیت میں بیان کیا گیا لیکن آج تک ان لوگوں نے بات کا پس منظر چھپا کر اکثریت کو اپنے دھوکے، دجل و فریب کے جال میں پھنسائے رکھا۔ اور پھر دیکھیں اسی آیت میں آگے اللہ کا بھی ذکر ہے اور اللہ کسے کہا گیا آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ اور ھُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم نہیں ہوجاتا یہی وجود ہے جو سن رہا ہے دیکھ رہا ہے۔

آپ خود غور کریں کہ پیچھے کس کی بات ہو رہی ہے جس کی مثل نہ ہو سکنے کا آگے ذکر کیا جا رہا ہے؟ کیا پیچھے اللہ کی ذات پر بات ہو رہی ہے کہ اللہ کیا ہے؟ یا پھر پیچھے تو اللہ کی خلق کی بات ہو رہی ہے؟ جب پیچھے اللہ کی خلق کی بات ہو رہی ہے تو پھر ظاہر ہے آگے اللہ کی خلق ہی کی مثل نہ ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا نہ کہ اللہ کی مثل کا۔

یہ تھا حق اور اس کے باوجود اگر یہ بھی کہا جائے کہ اللہ کی مثل کوئی بھی نہیں تو پھر یہ بات جان لیں کہ مثل ہونے کے لیے دوسرا وجود ہونا شرط ہے یعنی جب وجود ہو ہی ایک تو پھر اس کی مثل کہاں سے آسکتی ہے؟ مثل کا تصور تو پیدا ہی وہاں ہوتا ہے جہاں ایک سے زائد وجود ہوں اور جب ایک ہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے مثل تو ہو ہی نہیں سکتی۔

یوں اس پہلو سے بھی اگر بات کی جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں بلکہ جو ایک ہی وجود ہے وہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

یوں اس آیت کی بنیاد پر دیا جانے والا دھوکہ بھی چاک کر دیا گیا اور حق آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا جس کو دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

آپ پر اللہ کو کھول کھول کر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے واضح کر دیا ان کے علاوہ بھی اور بہت سے پہلوؤں سے اللہ پر بات کی جاسکتی ہے لیکن اب تک جن پہلوؤں سے بات کی گئی انہی سے حق اس قدر کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے نہ تو غلط ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کا انکار کر سکتی ہے۔
ہاں البتہ ایک بات ضرور ہے جب زبان سے کچھ کہا جاتا ہے تو کوئی چاہے مانے اور کوئی چاہے تو انکار کرے لیکن بالآخر اسے ماننا ہی پڑے گا اسے ماننا ہی ہوگا اور وہ تب مانے گا جب زبان اپنا کام مکمل کر لے گی اور ہاتھ اپنا کام کرنے کے لیے حرکت میں آجائیں۔ جیسے ہی ہاتھ حرکت میں آجائیں تو کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنی انکار والی بات پر قائم رہے بلکہ پھر ہر کوئی ماننے کی ضد کرتا ہے ماننے کا رٹا لگاتا ہے لیکن تب ماننا اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔
حق آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ کیا ہے اور آپ جان چکے کہ ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو اللہ مولویوں نے گھڑ کر آسمانوں پر چڑھایا ہوا تھا۔ وہ اللہ محض مذہبی طبقے کی دماغی اختراع ہے جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں، آپ یہ بھی جان چکے کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے تو اس کا مطلب آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ احد نہیں بلکہ واحد ہے حالانکہ نہ صرف پورے قرآن میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اللہ احد ہے بلکہ سورۃ الاخلاص میں دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ احد ہے، جب اللہ واحد نہیں احد ہے اور آپ نے جان لیا کہ اللہ کیا ہے ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو ملاؤں نے گھڑ رکھا ہے جو اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر عیسیٰ ابن مریم کو کس اللہ نے اپنی طرف زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا؟ جب ایسا کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم سے متعلق حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم والا عقیدہ بالکل بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ہے، جس کا حق کیساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں، حق ہر لحاظ سے آپ پر واضح کر دیا گیا دنیا کی کوئی طاقت حق کا رد نہیں کر سکتی اسے غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

جب ان لوگوں کو اللہ کا ہی علم نہیں یہ اللہ کے بارے میں ہی کچھ علم نہیں رکھتے اللہ سے متعلق ان کا عقیدہ ونظریہ بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ثابت ہو چکا تو پھر عیسیٰ ابن مریم سے متعلق جو عقیدہ انہوں نے عیسائیوں سے اخذ کیا وہ کیسے سچا ہو سکتا تھا؟

جب اس کائنات سے الگ وجود رکھنے والا اوپر آسمانوں میں کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف اوپر آسمانوں پر اٹھانے والی بات بے بنیاد اور من گھڑت ہے خواہ کوئی زندہ اٹھانے کی بات کرے یا مردہ اٹھانے کی بات کرے دونوں صورتوں میں ہی بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ہے۔ اور جو لوگ بھی ایسا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو زندہ یا مردہ اپنی طرف اوپر آسمانوں پر چڑھا لیا تو ایسے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ احد نہیں بلکہ اللہ واحد ہے اور اللہ نے ولد اخذ کر لیا ایسے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تین وجود موجود ہیں ایک یہ کائنات دوسرا اللہ اور تیسرا عیسیٰ ابن مریم جو اللہ نہیں تھا اور اس کائنات کا حصہ بھی نہیں بلکہ وہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چڑھ گیا یوں تین وجود بن گئے اور انہی کا قرآن میں بھی ذکر کیا گیا جس آیت کو یہ لوگ عیسائیوں پر منطبق کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا ایک دوسرے پہلو سے بھی یہی کہنا ہے کہ ایک نہیں تین وجود

ہیں خالق، خلق اور مخلوق جس کا مطلب ہے کہ اللہ نے ولد اخذ کرلیا جو کہ اللہ پر بہتان عظیم ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے آج تک جو خرافات پھیلائی گئیں ان کی حقیقت بھی آپ پر واضح کرتے ہیں جیسے کہ یہ بات اتنی عام کردی گئی جو کہ زبان زد عام ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر نہیں چڑھایا گیا تھا بلکہ عیسیٰ ابن مریم کو تو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا اور ان کی جگہ ان کا ایک حواری جس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے بدل دی گئی اسے مصلوب کیا گیا۔

ایک شخص کو بنی اسرائیل کی طرف سے پکڑ کر مصلوب کیا گیا اس واقعہ پر نہ صرف بنی اسرائیل میں سے یہود و نصاریٰ متفق ہیں کہ ایسا واقعہ ہوا تھا بلکہ خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں واقعتاً ایک شخص کو مصلوب کیا گیا۔

بنی اسرائیل میں یہود کا کہنا ہے کہ انہوں نے یسوع یعنی عیسیٰ جو کہ مریم کا بیٹا تھا اسے اس وجہ سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا کیونکہ وہ اللہ کا رسول اور مسیح ہونے کا دعویدار تھا لیکن یہود کا کہنا ہے اور کہنا تھا کہ وہ اللہ کا رسول اور وہ مسیح نہیں تھا جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا اس لیے وہ نہ صرف ایک جھوٹا شخص تھا بلکہ اس کی والدہ زانیہ تھی اور وہ زنا کی پیداوار تھا جس نے آکر دین کو بدلنے کی کوشش کی اس نے موسیٰ کے دین کے برعکس ایک نیا دین پیش کیا جس وجہ سے اسے مصلوب کر دیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا۔

اور عیسائی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک شخص کو مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا جو کہ مریم کا بیٹا عیسیٰ تھا لیکن عیسائیوں کا اس شخص کے متعلق نظریہ یہود سے بالکل مختلف ہے عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور اس کو یہود نے ناحق قتل کیا۔ پھر عیسائیوں کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ مصلوب کیے جانے کے تین دن بعد عیسیٰ ابن مریم دوبارہ زندہ ہو گیا اور تقریباً چالیس دن تک اپنے خاص حواریوں سے ملاقاتیں بھی کرتا رہا اور چالیس دن بعد زندہ آسمانوں پر اللہ کے پاس جا بیٹھا۔

اور مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کو مصلوب کیا گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم تھا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ جسے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا ایک غدار حواری تھا جس نے عیسیٰ ابن مریم سے غداری کرتے ہوئے انہیں گرفتار کروانے کی کوشش کی، اللہ نے فرشتوں کو بھیج کر عیسیٰ ابن مریم کو تو زندہ آسمانوں پر اپنی طرف اٹھالیا اور اس غدار حواری کی شکل کو عیسیٰ ابن مریم سے بدل دیا گیا اور اسے ہی عیسیٰ ابن مریم سمجھتے ہوئے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا۔

آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ یہودی و عیسائی ہوں یا پھر مسلمان قوم، سب کے نزدیک ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا کہ ایک شخص کو مصلوب کیا گیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کیا گیا اور اس واقعہ کا انکار بھی کسی صورت نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ نہ صرف تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے، عیسائیوں کی بائبل میں اس کا ذکر موجود ہے بلکہ قرآن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے قرآن نے بھی اس واقعہ کی نفی نہیں کی لیکن قرآن نے اس واقعہ کا نتیجہ وہ بیان نہیں کیا جو مسلمانوں سمیت عیسائی و یہودی سمجھتے ہیں قرآن کا دعویٰ ہے کہ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کی موت ہو گئی اسے قتل نہیں کیا جا سکا اس کی صلیب پر موت نہیں ہوئی۔

واقعہ صلیب پر تمام کے تمام فریق متفق ہیں کہ ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا لیکن اگر اختلاف ہے تو اس بات پر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے یہود جنہوں نے مصلوب کیا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے جس شخص کو مصلوب کیا اس کا نام عیسیٰ تھا جو کہ مریم کا بیٹا تھا اور وہ اللہ کا رسول ہونے کا دعویدار تھا حالانکہ وہ اللہ کا رسول نہیں تھا وہ کذاب تھا یعنی بنی اسرائیل سے یہود خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب تھا۔

بنی اسرائیل سے نصاریٰ اور عیسائی قوم اس حد تک یہود سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہود نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن عیسائیوں کا کہنا ہے کہ وہ کذاب نہیں بلکہ واقعتاً اللہ کا رسول تھا وہی مسیح رسول جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا۔

اور مسلمان قوم کا کہنا ہے کہ واقعہ صلیب وقوع پذیر تو ہوا لیکن مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل عیسیٰ ابن مریم نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ ان کے حواری کی شکل بدل

دی گئی جس وجہ سے وہ مصلوب ہوا۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ صرف اور صرف اس وجہ سے ہے کیونکہ اللہ نے قرآن میں عیسیٰ ابن مریم کے یہود کے ہاتھوں مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل ہونے کی نفی کی ہے لیکن قرآن میں اللہ نے واقعہ صلیب کی قطعاً کوئی نفی نہیں کی بلکہ الٹا قرآن اس واقعہ کے حق میں بات کرتا ہے کہ ایسا واقعہ ضرور وقوع پذیر ہوا لیکن نتیجہ وہ نہیں نکلا جس پر یہودیوں وعیسائیوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جس وجہ سے مسلمان اس واقعہ کا انکار تو نہیں کر سکتے مگر انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل ہونے کی نفی کرنے کے لیے عیسیٰ ابن مریم کے حواری کو مصلوب کیے جانے کی کہانی گھڑلی جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمان بھی بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کا قتل ہو گیا حالانکہ قرآن بالکل واضح طور پر جسے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کرنے کا دعویٰ کیا گیا اس کے قتل ہونے کی نفی کر رہا ہے نہ کہ اس کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی نفی کر رہا ہے۔ جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی جگہ ان کے حواری کو مصلوب کیے جانے کی کہانی خود کو مسلمان کہلوانے والوں نے یہودیوں وعیسائیوں کی دشمنی میں گھڑ رکھی ہے جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں بہر حال جیسے ہی آگے اس واقعہ پر مکمل تفصیل کیساتھ بات کرتے ہیں تو حق ہر لحاظ سے کھل کر آپ کے سامنے آجائے گا۔

آتے ہیں قرآن سے ہی اس واقعہ کی حقیقت کی طرف کہ قرآن میں اللہ نے اس سے متعلق کیا راہنمائی کی؟ جسے جاننے کے لیے مختصراً اور جامع صورت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کو قرآن سے ہی سامنے رکھنا ہو گا جس سے عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کو اللہ نے یوسف علیہ السلام کے ذریعے عزۃ دی یعنی انہیں دنیا میں بلند مقام عطا کیا اور بنی اسرائیل اس وقت تک اس مقام پر فائز رہے جب تک کہ وہ یوسف کے بعد بھی رسولوں کی اطاعت کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ یوسف آخری رسول تھا یوسف پر اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا تھا اس لیے یوسف کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں آنے والا اور جو بھی اللہ کا نبی آیا تو اس کی تکذیب کر دیتے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے یا پھر قتل کر دیتے، بنی اسرائیل یہی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو گئے یعنی بلند مقام سے گرتے گرتے پستیوں کا شکار ہو گئے ان پر ایسی ذلت مسلط ہو گئی کہ قرآن میں اس کا پوری تفصیل کیساتھ ذکر کیا گیا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا، یہ ایسی قوم بن چکی تھی کہ ان کو ہر جگہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، کوئی کتا مر جاتا تو اس پر پورے مصر میں طوفان بپا ہو جاتا لیکن اگر ہزاروں اسرائیلی مار دیئے جاتے ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا تو اس پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی اور ایسا ہو بھی کیوں نہ؟ کیونکہ اسے ایک مثال سے سمجھ لیں۔

ذرا غور کریں مثال کے طور پر آپ کہیں ایسی جگہ پر جاتے ہیں یا ایسی جگہ پر موجود ہیں جہاں کے بارے میں آپ کے پاس کوئی علم نہیں آپ نے اپنی منزل کو پانا ہے لیکن وہاں قدم قدم پر آپ کے دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں قدم قدم پر مشکلات حائل ہیں جو نظر آ رہا ہے وہ حقیقت میں ویسا نہیں جو نظر آ رہا ہے اور حقیقت وہ ہے جو نظر ہی نہیں آ رہی جو آپ سے بالکل پوشیدہ ہے تو ایسی صورت میں آپ کس طرح اپنی منزل کو پا سکیں گے؟

جواب بالکل واضح ہے کہ آپ کو راہنمائی درکار ہے اگر آپ کی راہنمائی کرنے والا کوئی ہو تو آپ با آسانی اپنی منزل کو پالیں گے اور دشمنوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں آپ کی راہنمائی کون کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ صرف اور صرف وہ آپ کی راہنمائی کر سکتا ہے جو اس علاقے کے انگ انگ سے واقف ہو جسے رستوں کا بخوبی علم ہو جسے دشمن کی ہر چال کا پہلے سے ہی علم ہو۔

اب ذرا غور کریں اگر آپ اس سے راہنمائی لینے سے انکار کر دیں یا اسے قتل کر دیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ کیا آپ اپنی منزل کو پا سکیں گے یا دشمنوں کا شکار ہو جائیں گے اور پھر دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو جائیں گے؟

جواب بالکل آسان اور واضح ہے کہ ایسا کرنے سے منزل ملنا تو دور بلکہ الٹا دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو جائیں گے ذلت کا یعنی پستیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اب ذرا غور کریں اس دنیا میں آپ کو بھیجا گیا تو مقصد کیا ہے نظام چلانا اور یہ ذمہ داری آپ نے خود اٹھائی اور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہاں قدم قدم پر آپ کے دشمن موجود ہیں اب ذرا غور کریں وہ کون ہے جو آپ کی دنیا میں ایسی راہنمائی کر سکتا ہے کہ نہ صرف آپ دشمنوں سے محفوظ رہیں بلکہ آپ عزت کی بلندیوں پر پہنچ جائیں ساری دنیا آپ کے قدموں میں ہو؟ دنیا میں کسی میں بھی جرأت نہ ہو جو آپ کی ہاں میں ہاں نہ ملائے یا جو آپ کے کسی بھی حکم کو ماننے سے انکار کر سکے۔

تھوڑا سا بھی غور کریں گے تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ سب سے بہتر راہنمائی تو وہی کرسکتا ہے جس کی زمین ہے جس نے اسے خلق کیا جو اس کے انگ انگ سے واقف ہے یعنی اللہ کی ذات۔ اب یہ بھی غور کریں کہ اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے؟ پیچھے اس کی تفصیل کیساتھ وضاحت ہو چکی کہ اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے۔ وہ کلام کرتا ہے تین طریقوں سے وحی کے ذریعے، پردے کے پیچھے سے اور رسول کے ذریعے اور انسان چونکہ بشر ہیں اس لیے انہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کر کے اسے کھڑا کیا جاتا ہے یعنی رسول بعث کیا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

اب اگر آپ دنیا میں عزت چاہتے ہیں کہ ساری دنیا آپ کے قدموں میں ہو تو آپ کو اللہ سے راہنمائی لینا ہوگی اس کے لیے یا تو آپ کو خود اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہوگا اس مقام پر لے جانا ہوگا کہ آپ کیساتھ اللہ وحی کے ذریعے کلام کرے یعنی اللہ آپ کا بطور رسول انتخاب کرلے اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر آپ کو اسے تلاش کرنا ہوگا جو آپ کے اور اللہ کے درمیان محض ایک پردہ ہوگا اس کی صورت میں اللہ کلام کر رہا ہوگا یا پھر ایسا بشر جو رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہو لیکن وہ دعویٰ زبان سے نہیں بلکہ اس کا عمل ہونا چاہیے۔

اب آپ سے سوال ہے اگر آپ اس راہنمائی کا دروازہ ہی بند کردیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ اگر آپ اپنے راہنما کو ہی قتل کردیں یا اس سے راہنمائی لینے سے ہی انکار کردیں تو پھر کیا آپ دشمنوں کا شکار ہو کر پستیوں میں نہیں جاگریں گے؟ کیا آپ کے دشمن راہنما کا لبادہ اوڑھ کر آپ کو ذلت ورسوائی سے دوچار نہیں کریں گے؟ آپ پستیوں میں نہیں جاگریں گے؟ جواب بالکل واضح ہے۔

یہی یوسف علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے کیا جس کا نتیجہ وہی نکلا جو پہلے سے ہی طے شدہ ہے کہ بنی اسرائیل ذلت ورسوائی کا شکار ہو گئے جس کا اللہ نے سورۃ غافر کی آیت نمبر ۳۴ میں ذکر کیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰىٓ اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ. سورة غافر ۳۴

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو جو کہا جارہا ہے یہی حق ہے یہ نتیجہ تمہارے سامنے آئے گا آ گیا تم میں تمہی سے یوسف اس سے پہلے البیّنات کیساتھ یعنی یوسف نے آکر ہر بات ہر معاملے کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ دیا جب یوسف نے جو کچھ کھول کھول کر رکھا جو راہنمائی کی اسے تسلیم کر کے اس پر عمل کیا گیا یوسف کے بعد یوسف کی طرف سے کی جانے والی راہنمائی پر عمل کیا جاتا رہا تو تمہیں عزت دی یعنی بلند مقام عطا کیا لیکن جب تم اس مقام سے ذل ہوئے یعنی اس مقام سے گرتے گرتے ذلت ورسوائی کا شکار ہو گئے پستیوں میں جاگرے تو وہ اس وجہ سے کہ تم شکوک میں رہے یعنی یوسف کے بعد جب بھی کوئی اللہ کا بھیجا ہوا آکر تمہاری راہنمائی کرتا تو تم اس کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے شک ہی کرتے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے شکوک میں پڑتے ہوئے اللہ کے بھیجے ہوؤں کی تکذیب یا قتل کردیتے یہاں تک کہ تب تم ہلاک ہوئے جب تم نے کہنا شروع کردیا کہ ہرگز نہیں بعث کیا اللہ نے اس کے بعد کوئی رسول یعنی یوسف پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا یوسف آخری رسول نبی تھا اس کے بعد کوئی رسول کوئی نبی نہیں یوں جب جب اللہ النبیین رسولوں کی صورت میں تمہاری راہنمائی کے لیے آتا رہا تو تم رسولوں کو قتل یا ان کی تکذیب کردیتے جس وجہ سے تم ہلاک ہو گئے تم پر ہلاکت عذاب مہین کی صورت میں ڈال دی گئی تم ذلت ورسوائی کا شکار ہو گئے مصر میں تمہاری بدترین حالت ہو گئی تم مصر میں حقیر ترین قوم کی صورت اختیار کر گئے یعنی موسیٰ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل کی جو حالت تھی جس کا قرآن میں تفصیل کیساتھ ذکر کیا گیا بالکل وہی حالت جس حالت سے آج خود کو اللہ کے چہیتے سمجھنے والے خود کو امت محمد یا مسلمان کہلوانے والے دوچار ہیں، دنیا میں کتا بھی مرجائے تو پوری دنیا چیخ اٹھتی ہے لیکن اگر خود کو مسلمان کہلوانے والوں کے کروڑوں کو کتے سے بھی بدتر موت ماردیا جائے تو دنیا میں کسی کے بھی کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جو آج اس قوم اس امت کی حالت ہے بالکل یہی حالت اس وقت بنی اسرائیل کی ہو چکی تھی۔

اور ایسی صورت میں اللہ نے بنی اسرائیل کے دعوے ان کے عقیدے کہ یوسف آخری رسول تھا اس کے بعد کوئی رسول نہیں اس کے بالکل برعکس موسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف بعث کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے اس عقیدے کی دھجیاں بکھیر دیں بلکہ موسیٰ کے ذریعے ایک بار پھر ذلت سے نکال کر دنیا میں بلند ترین مقام پر فائز کر کے یہ ثابت کردیا کہ اگر اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ بند کرو گے تو نتیجہ کیا نکلے گا اور اگر اللہ کے بھیجے ہوؤں کی اطاعت واتباع کرو گے تو دنیا و

آخرت میں اللہ کے مقربین میں سے ہو گے بلند ترین مقام تمہارا مقدر ہے۔اسی کا اللہ نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۹ اور ۲۰ میں ذکر کر دیا جیسا کہ آیات آپ کے سامنے ہیں۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. المائدہ ۱۹

اے وہ جو الکتاب کے اہل ہو جنہیں الکتاب دی گئی الکتاب جو کہ آسمانوں وزمین ہیں وہ جو آسمانوں وزمین جو کہ اللہ کی امانت ہے اس کے اہل ہیں اور انہیں ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دی گئی ان سے کہا گیا جو کہ اُس وقت بنی اسرائیل تھے اور آج خود کو امت محمد کہلوانے والے انہیں کہا گیا تم تحقیق کر لو آ گیا تم میں تمہی سے ہمارا رسول جو کھول کھول کر رکھ رہا ہے تمہارے لیے جو تم آخرین میں بھیجے جانے والے الرسول سے افتراء کر رہے تھے یعنی اس کے متعلق طرح طرح کا جھوٹ گھڑ کر پھیلایا ہوا تھا کہ تم کہہ رہے ہو کہ بالکل نہیں آنے والا کوئی ایک بھی بشیر اور نہ ہی کوئی ایک بھی نذیر یعنی تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا اب کوئی رسول اور نبی نہیں آنے والا پس تم اپنی تحقیق کر لو گھوڑے دوڑا لو آ گیا تمہی میں سے تم میں بشیر اور نذیر اور اللہ ہے ہر شئے پر قدیر یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہوتا ہے یا ہونا ہے وہ وہی ہو گا جو اللہ نے ہر شئے قدر میں کر دی ایسا نہیں ہے کہ تم کوئی بات کہو اور اگر سارے کے سارے ہی اس پر متفق ہو جاؤ تو جو اللہ نے قدر میں کر دیا وہ بدل جائے گا نہیں بلکہ تم کچھ بھی کہو کچھ بھی مانو کسی پر بھی سارے کے سارے متفق ہو جاؤ پوری دنیا کسی بات پر اتفاق کر لے تو وہ نہیں ہونے والا جس پر تمہارا اتفاق ہے جو تم کہتے اور مانتے ہو بلکہ ہونا وہی ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا، ہر اس شئے پر اللہ ہے جو اس نے قدر میں کر دیا یعنی جو اللہ نے قدر میں کر دیا اس کا جیسے ہی وقت آئے گا اللہ اسے کر کے ہی رہے گا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔

اگر تو اللہ نے قدر میں کر دیا کہ کوئی رسول اور نبی نہیں آئے گا تو خواہ کچھ بھی ہو جاتا دنیا میں کوئی ایک بھی رسول اور نبی نہ آتا لیکن کیا ایسا ہوا؟ نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوا کہ اللہ رسولوں کو نبیوں کو بھیجتا رہا جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے رسولوں اور نبیوں کی بعثت قدر میں کر دی تو جو اللہ نے قدر میں کر دیا اسے کوئی کیسے ہونے سے روک سکتا ہے؟ اس لیے اگر تم ایسا کہتے ہو کہ کوئی رسول اور نبی نہیں تو اللہ تمہاری خواہشات کا غلام نہیں کہ وہ ویسا ہی کرے جو تم چاہتے ہو بلکہ اللہ تو وہی کرے گا جو اس نے قدر میں کر دیا۔

اللہ نے رسولوں اور نبیوں کا بعث کیا جانا قدر میں کر دیا اس لیے یہ دروازہ بند ہو ہی نہیں سکتا یوں اس وقت جب بنی اسرائیل ذلت کا شکار ہو چکے تھے اپنے اس عقیدے کی وجہ سے یوسف کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تو ایسے وقت میں اللہ نے موسیٰ کو بعث کر دیا جس نے آ کر حق اس قدر کھول کر واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی ملاں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے اس عقیدے کا دفاع نہ کر سکا ان کے اس عقیدے کی دھجیاں بکھیر دیں موسیٰ نے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ . المائدہ ۲۰

اور تب کہا تھا موسیٰ نے اس کی قوم کے لیے یعنی تب موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو کہا اے میری قوم کیا یاد کر رہے ہو اس نعمت کو جو اللہ نے تم پر کی تھی؟ اگر یاد کر رہے ہو تو اللہ دوبارہ تم پر اپنی نعمت کرے گا اور وہ نعمت کیا تھی؟ وہ نعمت تھی کہ جب موسیٰ آئے اس وقت بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت مسلط تھی یہ ذلیل ترین قوم بن چکی تھی لیکن یہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی بلکہ ان کا ماضی عالی شان تھا یہ قوم لمبے عرصے تک بلند مقام پر فائز رہی، مصری نہ ہونے کے باوجود بھی مصر میں ان کو بلند مقام حاصل تھا جو کہ یہ کھو چکے تھے اور جتنے ماضی میں بلند مقام پر تھے اتنا ہی یہ پستیوں اور ذلت کا شکار ہو چکے تھے تو یہی موسیٰ نے کہا کہ یاد کرو اللہ نے وہ مقام تمہیں کیسے دیا تھا؟ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا جب کیے تھے تم میں انبیاء جو تمہیں نبا دیتے رہے یعنی وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور کر دیا تمہیں ملوکا یعنی تمہیں ملک دیا گیا اقتدار دیا گیا تم مصر پر حاکم بن گئے تو وہ کیسے ہوا تھا ذرا غور کرو؟ اور آج تم کس حال میں ہو آج تم اس حالت

میں کیسے پہنچے؟ اسی وجہ سے کے تم نے اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ ہی بند کر لیا تم نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا کہ نبوت کا دروازہ بند یوسف کے بعد کوئی رسول نہیں کوئی نبی نہیں اور جب تم نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا تو غور کرو تب سے لیکر آج تک کیا تم ہلاکت کا شکار نہیں ہو گئے؟

جب تم میں انبیاء تھے تم ان کی اطاعت واتباع کرتے رہے تو تمہیں بادشاہت حاصل تھی مصر کا اقتدار تمہارے پاس تھا تم بلند مقام پر تھے اور جب تم نے نبوت کا دروازہ بند کر لیا کہ کوئی نبی نہیں تو تب یعنی آج تمہاری کیا حالت ہو چکی ہے؟ اب اگر تم اپنی بیماری اور اس کے علاج کی تشخیص ہونے کے بعد اس علاج کو اپناتے ہو تو پھر یہ اللہ کا وعدہ ہے وَّاٰتٰـکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًامِّنَ الْعٰلَمِیْنَ وہ تمہیں وہ دے گا جو عالمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیا جائے گا یعنی جیسے تمہیں پہلے ملک دیا گیا بالکل ایسے ہی ایسا ملک دے گا جو عالمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیا جائے گا اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کے عین مطابق موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نبیوں پر ایمان لاتے رہے جب جب کوئی نبی آیا تو اس کی اطاعت واتباع کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے بنی اسرائیل پر ایک بار پھر اپنی نعمت کی کہ انہیں ملک دیا یعنی انہیں زمین میں اقتدار واختیار دیا پھر داؤد کے بعد سلیمان علیہ السلام کو جو ملک دیا سلیمان کے ذریعے بنی اسرائیل کو جو ملک دیا وہ عالمین میں اس کے بعد کسی ایک کے لیے بھی نہیں۔

بنی اسرائیل کو پوری دنیا میں بلندترین مقام حاصل ہو گیا پوری زمین کے انگ انگ پر ان کی حکمرانی قائم ہو گئی پوری زمین ہی کو ان کا ملک بنا دیا گیا یعنی ان کی سلطنت بنا دیا گیا۔ لیکن سلیمان کے بعد پھر وہی ہوا جو ماضی میں ہو چکا تھا سلیمان کے بعد بنی اسرائیل نے اپنی خواہشات کی اتباع کرنا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ سامنے آ گیا کہ موسیٰ آخری رسول تھا موسیٰ پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اس کے بعد کوئی رسول نہیں کوئی نبی نہیں سوائے ایک مسیح کے جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے جس کا ذکر وہ اپنے مذہبی مواد میں پاتے ہیں جب بنی اسرائیل نے ماضی کی طرح ایک بار پھر یہ عقیدہ اخذ کر لیا تو ظاہر ہے اللہ کا قانون تو بدلنے سے ٹھہرا اس لیے ان کا انجام بھی قدر میں پہلے سے ہی طے شدہ تھا وہی انجام جو موسیٰ سے قبل دیکھ چکے تھے اسی کا اللہ نے ان آیات میں ذکر کر دیا۔

وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. البقرة ٦١

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَةُ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. آل عمران ١١٢

ان آیات میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ بنی اسرائیل پر جو ذلت ومسکنت ڈالی گئی وہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور نبیوں کو بغیر حق قتل کرتے رہے۔ اور ظاہر ہے جب آپ انہی کو قتل کر دیں گے جو آپ کی راہنمائی کر سکتے ہیں جو آپ کو منزل کی طرف لے جا سکتے ہیں تو پھر ذلت ورسوائی تو آپ کا مقدر ہے اس سے دنیا کی کوئی طاقت آپ کو نہیں بچا سکتی۔

بنی اسرائیل نے جب یہ عقیدہ اخذ کر لیا کہ موسیٰ کے بعد کوئی رسول کوئی نبی نہیں تو پھر جو بھی ان کے سامنے آتا تو اس پر نبوت کے بند ہونے کے عقیدے کا انکار اور توہین رسالت یعنی توہین موسیٰ کا فتویٰ لگا کر قتل کر دیا جاتا اور جس پر ایسا کوئی فتویٰ لگانے کے لیے کوئی بہانہ ہاتھ نہ آتا تو اس کی دعوت کو بالکل تسلیم نہ کیا جاتا اس کی تکذیب کر دی جاتی یہاں تک کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر ہلاک ہو گئے ذلت کا شکار ہو گئے دوسری قوموں کو ان پر مسلط کر دیا گیا ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

جیسے آج افغانستان، پاکستان، عراق، شام، لیبیا، یمن اور باقی مسلمان کہلوانے والے ممالک پر دوسری قومیں مسلط ہیں اور انکے خوف سے موت کے خوف سے خود کو مسلمان کہلوانے والے کروڑوں کی تعداد میں پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں ہجرت کرنے پر مجبور ہیں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں بالکل یہی بنی اسرائیل کیساتھ کیا گیا بنی اسرائیل پر بھی دوسری قوموں کو مسلط کر دیا گیا جن کے ڈر سے بنی اسرائیل اِدھر اُدھر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور ذلیل ورسوا ہو گئے۔ جب ان کی ایسی حالت ہوئی تو یہ صرف اور صرف اپنے ماضی کو یاد کرتے اور جس مسیح اللہ کے رسول کی بعثت کا وعدہ کیا گیا تھا اسی کا انتظار کرتے رہے اب چونکہ ان کی عادت

ہو چکی تھی نبیوں کو قتل کرنا تو کسی پر بھی نبوت کے دعوے کا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا جاتا، جیسے ہی کسی پر نبوت کا الزام لگتا تو اکثریت مشتعل ہو جاتی اور اس وقت تک خاموش نہ ہوتی جب تک کہ اسے قتل نہ کر دیا جاتا اب ایسی صورت میں اگر اللہ کا رسول مسیح آ بھی جاتا تو اس کا انجام کیا ہونا تھا یہ تو پہلے سے ہی ان کی جانب سے طے کیا جا چکا تھا کہ جو بھی رسالت و نبوت کا دعویٰ کرے اس کی صرف ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے قتل اس سے کسی بھی قسم کی دلیل بھی نہیں طلب کی جائے گی یہاں تک کہ اس سے دلیل طلب کرنے والا بھی کافر، اس کے کفر پر شک کرنے والا بھی کافر، جس وجہ سے ایسا ماحول بن چکا تھا کوئی رسول و نبی ہونے کا دعویدار سامنے آیا نہیں اور قتل کیا گیا نہیں۔ اب ایسی صورت میں اگر اللہ کا رسول مسیح بعث کیا جاتا ہے تو بنی اسرائیل اس پر ایمان لے آتے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر جب اللہ کے رسول مسیح جس کا وعدہ کیا گیا تھا جو کہ عیسیٰ ابن مریم تھے ان کی بعثت کا وقت آ چکا تھا تو اس وقت کیا ہوا اب بات کرتے ہیں اس پر اور حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. الجمعه ۲

سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر۲ جو کہ آپ کو نظر آ رہی ہے اس میں اللہ نے نہ صرف اپنے رسول کی پہچان واضح کر دی بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ کب اپنے رسول کو بعث کرتا ہے وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور اگر تھے اس سے پہلے ان کے لیے ضلالِ مبینِ تھی وہ ضلالِ مبینِ میں تھے یعنی اگر ضلالِ مبینِ میں تھے تو اللہ نے رسول بعث کیا اگر ضلالِ مبینِ میں نہ ہوتے تو رسول بعث نہ کیا جاتا، ضلالِ مبینِ یعنی سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیاں نور کی ایک کرن بھی نہیں۔ اللہ نے اس آیت میں اور ایسی ہی باقی آیات میں یہ بات واضح کر دی کہ اللہ رسول کو صرف اور صرف تب بعث کرتا ہے جب دنیا میں ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیاں ہوتی ہیں لوگ سو فیصد گمراہیوں میں ہوتے ہیں ہدایت کی نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی لیکن ایسا نہیں ہے کہ لوگ اپنی زبانوں سے اس بات کو تسلیم کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ضلالِ مبینِ میں ہیں بلکہ یہ تو اللہ واضح کر رہا ہے کہ لوگ ضلالِ مبینِ میں ہوتے ہیں اللہ کے برعکس انسانوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے کوئی بھی حق پر نہیں ہوتا حق پر ہونا تو دور کی بات کسی کو حق کی رائی کا بھی علم نہیں ہوتا ہر کوئی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوتا ہے۔

اب ذرا غور کریں جب عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کی بعثت ہوئی تو جن کی طرف عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا گیا یعنی بنی اسرائیل وہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اس کے باوجود وہ اہل حق ہونے کے دعویدار تھے اور پھر ان میں نبیوں سے متعلق جو عقیدہ پایا جاتا تھا ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ ایسی صورت میں عیسیٰ ابن مریم سامنے آتا تو اس کیساتھ کیا کیا جاتا؟ یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں حق ہر لحاظ سے خود بخود ہی واضح ہے۔ جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا تب بنی اسرائیل کی حالت کیا تھی اس کا ذکر اللہ نے ایک اور پہلو سے بھی واضح کر دیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. الجمعه ۵

اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ جب بنی اسرائیل کے آخرین میں اللہ نے اپنے رسول عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا تو اس وقت بنی اسرائیل کی حالت یہ تھی کہ وہ التورائت کو اٹھائے ہوئے تھے پھر اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود نہیں اٹھائے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شئے کو اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود بھی نہ اٹھائے ہوئے ہونا اس کا مطلب کیا ہے تو اسی کا اللہ نے آگے جواب دے دیا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بالکل ایسے ہی اٹھائے ہوئے تھے جیسے گدھا اٹھائے ہوئے ہوتا ہے جو کہ اس کے لیے محض اوراق کا بوجھ ہوتا ہے گدھے کو یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے جو اٹھایا ہوا ہے وہ اصل میں کیا ہے۔

التورائت محض اوراق کا بوجھ نہیں تھا بلکہ التورائت تو ذمہ داری تھی جو بنی اسرائیل نے اٹھائی تھی آسمانوں و زمین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری، آسمانوں و زمین جو کہ اللہ کی امانت ہے اصل میں تو امانت کو اٹھانا تھا نہ کہ محض اوراق کے بوجھ کو۔

جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا تو پہلی بات کہ اس وقت بنی اسرائیل سو فیصد گمراہیوں میں تھے اس وقت نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اور دوسری بات کہ وہ التورائت کو اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود نہیں اٹھائے ہوئے تھے ان کا التورائت کو اٹھانا بالکل گدھے کی مثل اٹھانا تھا انہوں نے تورات کے نام پر محض اوراق کو مزین کرنا اور انہیں ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا حقیقت کیا ہے کسی کو علم ہی نہ تھا اور جب علم نہ ہو ہر طرف جہالت ہی جہالت ہو تو نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ بھی بالکل واضح ہے۔

بنی اسرائیل اس وقت سو فیصد وہی صورت اختیار کر چکے تھے جس کا آج خود کو امت محمد، مسلمان کہلوانے والے شکار ہو چکے ہیں بنی اسرائیل فرقہ در فرقہ کا شکار تھے تمام فرقے ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ وہی حق پر ہے اور باقی سب باطل ہیں ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ جس المسیح کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے وہ ہمارے فرقے سے ہی ہوگا، فضول قسم کے بحث و مباحثوں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے کسی کو بھی حق کا علم نہیں تھا اس کے باوجود ہر کوئی حق ہونے کا دعویدار تھا، ہر فرقے نے آنے والے المسیح رسول کا اپنا اپنا حلیہ گھڑ رکھا تھا اپنی اپنی خود ساختہ علامات گھڑ رکھی تھیں اور لوگ بھی اپنے دماغوں میں اپنے ملاؤں کی بیان کردہ علامات و اشراط کی روشنی میں المسیح کا تصور قائم کیے ہوئے تھے کہ المسیح ایسا ہوگا ویسا ہوگا ہمارے گروہ سے ہوگا، ہمارے فرقے ہماری تنظیم سے ہوگا، اس کی پہچان یہ ہوگی اس کی پہچان وہ ہوگی حالانکہ حق تو یہ ہے کہ رسول کو بعث کیا ہی تب جاتا ہے جب نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی اب جب رسول المسیح کو بعث کیا جانا تھا انتظار تو سب کر رہے لیکن کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ وہ ضلالٍ مبینٍ میں ہے بلکہ الٹا ہر کوئی حق کا دعویدار تھا۔

اب بھلا جب ہر کوئی ہے ہی حق پر تو پھر ان سے پوچھا جائے کہ المسیح کا انتظار کیوں کر رہے ہو کیونکہ المسیح کو بھیجنے کا مقصد ہے تمہاری ہدایت تمہاری راہنمائی اور جب تم پہلے سے ہی ہدایت یافتہ ہو تو پھر المسیح کی کیا ضرورت؟ اس لیے پھر المسیح کا انتظار کیوں کر رہے ہو؟ لیکن اس حق کا کسی کو بھی علم نہ تھا ہر کوئی اہل حق ہونے کا دعویدار بھی تھا اور المسیح کا منتظر بھی کہ وہ آئے گا تو ہم ذلت سے نکل کر دوبارہ عروج دیکھیں گے دنیا میں بلند مقام حاصل کریں گے ہمارا ماضی ایک بار پھر لوٹ آئے گا۔

یوں ہر فرقے نے المسیح کی پہچان کے لیے تصوراتی شخصیت گھڑ رکھی تھی اب اگر المسیح آتا ہے اور ان کی تصوراتی شخصیت کے برعکس نظر آتا ہے تو وہ اسے کیوں اللہ کا رسول تسلیم کریں گے؟ وہ اسے اللہ کا رسول ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔

بنی اسرائیل سے جہاں ہر طرف ہر کوئی المسیح یعنی اللہ کے اس رسول کا انتظار کر رہا تھا جسے اس سے قبل ضلالٍ مبینٍ کا ہونا شرط تھا تو وہیں ایک عورت ایسی تھی کہ جس پر حق واضح ہو گیا اور وہ باقیوں کی طرح انتظار کرنے والوں میں سے نہ ہوئی۔ کیونکہ اس پر یہ حق واضح ہو گیا تھا کہ المسیح اللہ کا رسول جس کا اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کر رکھا ہے وہ نہ صرف ہماری ہی طرح ایک بشر ہوگا بلکہ اس کو جنم دینے والے ایک مرد اور ایک عورت ہی ہوں گے تو کیوں نہ میں وہ عورت بن جاؤں میں ایسے بچے کو جنم دوں جس کا اللہ اس مقصد کے لیے انتخاب کرلے اور اسی بات کو اللہ نے قرآن میں بھی اتار دیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَافِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ. آل عمران ۳۵

نَذَرَ. کسی مخصوص کام کے لیے کسی کو کوئی شئے دینے کا عہد کرنا۔

مُحَرَّرًا. جس مقصد کے لیے شئے کا ہونا اس کے علاوہ اسے ہر طرح کی پریشانیوں، الجھنوں کاموں وغیرہ سے مکمل طور پر آزاد کر دینا اسے صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے پروان چڑھانا جس مقصد کے لیے وہ ہے۔

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ تب کہا عمران کی عورت نے۔ تب کب کہا عمران کی عورت نے سب سے پہلے اسے جاننا ضروری ہے یہ بنی اسرائیل پر وہ وقت تھا جب بنی اسرائیل پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ذلت کی زندگی گزار رہے تھے حالانکہ اس وقت بنی اسرائیل دنیا میں وہ واحد اُمت تھی جسے دنیا کے انسانوں کے لیے نکالا گیا تھا۔ موسیٰ کے بعد داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان کے ذریعے انہیں پوری زمین میں اقتدار دیا گیا انہیں بلند مقام دیا گیا لیکن بعد میں انہوں نے جب شکر کی بجائے کفر کیا یعنی اللہ نے انہیں جو بھی دیا تھا جس مقصد کے لیے دیا تھا اس مقصد کے لیے اس کا استعمال کرنے کی بجائے جب انہوں نے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرنا شروع کیا تو نہ صرف یہ آپس کے اختلافات و دشمنیوں کا شکار ہو گئے بلکہ ایک ایک کر کے علاقے ان کے قبضے سے نکلنے لگے یہاں تک کہ دوسری قومیں بدلے کی غرض سے ان پر ایسے مسلط ہو گئیں کہ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی جیسے آج خود کو مسلمان کہلوانے والے لاکھوں نہیں

بلکہ کروڑوں کی تعداد میں شام وعراق سمیت مختلف خطوں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہیں اور پوری دنیا میں بکھر رہے ہیں بالکل ایسے ہی بنی اسرائیل بھی ذلیل و رسوا ہو گئے تھے، اپنے مفسد اعمال کی وجہ سے ذلت ورسوائی کی پستیوں میں جا چکے تھے۔ اور عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے چند دہائیاں قبل بنی اسرائیل کے دس قبائل دنیا کے مشرق میں بکھرے پڑے تھے اور تین قبائل یروشلم اور اس کے آس پاس کے علاقے میں آباد تھے اور اس وقت ان کے علماء نے دین کی حالت بہت بگاڑ دی ہوئی تھی حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہوا تھا طیبات کی بجائے خبائث کی کثرت تھی خوراک میں بھی حد درجہ فساد کر دیا ہوا تھا۔
بنی اسرائیل اپنے شاندار ماضی کی تاریخ کو یاد کرتے اور دوبارہ دنیا میں اسی عروج کے خواب دیکھتے لیکن اس کے لیے ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا کہ جو آگے بڑھ کر کچھ کرنے والا تھا بلکہ ہر کوئی اسی انتظار میں تھا کہ اللہ نے ایک المسیح کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آئے گا اور نہ صرف ہمیں دنیا بھر سے اکٹھا کرے گا بلکہ اس کی قیادت میں ہمارا شاندار ماضی واپس لوٹ آئے گا یوں ہر کوئی اپنی اپنی دھن میں مگن المسیح کے انتظار میں تھا اور پھر کوئی بھی ان میں المسیح بننے کو تیار ہی نہ تھا کیونکہ ہر کسی کو اپنا انجام واضح نظر آ رہا تھا کہ اگر وہ قیادت کے لیے سامنے آتا ہے تو ان کے ملّاں اور ان کے پیچھے ان کی اندھی مقلد عوام اس کی حالت کیا کریں گی یوں ہر کوئی المسیح کا انتظار ہی کر رہا تھا اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ تب کہا عمران کی عورت نے۔
تب بنی اسرائیل میں سے ایک واحد عورت ایسی تھی جس نے کہا کہ سب ہی المسیح کا انتظار کر رہے ہیں اگر ہر کوئی انتظار ہی کرتا رہے گا تو المسیح بھلا کیسے آ سکتا ہے؟ کیونکہ المسیح نہ صرف ہمارے ہی طرح بشر ہوگا بلکہ ہم ہی میں سے جنم لے گا اسے جنم دینے والے دو افراد ایک مرد اور عورت ہی ہوں گے وہ ہماری ہی طرح ہمارے درمیان پلے بڑھے گا اور جب اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل ہو جائے گا تو اللہ اسے ہماری راہنمائی کے لیے بعث کرے گا اور اگر ہر کوئی انتظار ہی کرتا رہے گا تو المسیح کیسے آ سکتا ہے؟ اس لیے میں باقیوں کی طرح انتظار کرنے والوں میں سے ہونے کی بجائے ان لوگوں کی لائن اختیار کرتی ہوں جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ اللہ کے الرسول ہیں ان کی اطاعت کرنے والے النبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔
جب بھی کوئی الرسول آیا تو نہ صرف تب بعث کیا گیا جب ہر طرف سو فیصد گمراہیاں تھیں بلکہ کسی کو بھی حق کا علم نہیں تھا اور انہی میں سے ایک بشر جب وہ باشعور ہوا تو اس نے اپنی آنکھیں اور کان بند کر کے اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چلنے، جو نسل درنسل دین کے نام پر منتقل ہو رہا تھا اسے ہی حق سمجھتے ہوئے اس پر چلنے کی بجائے غور وفکر کیا اور جب حق واضح ہوا تو اس پر قائم ہوا تو بالکل ایسے ہی میں بھی اکثریت کی لائن پر چلنے کی بجائے اللہ کے رسولوں کی لائن پر چلنے کو ترجیح دونگی۔

رَبِّ میرے ربّ یعنی اے وہ ذات جس نے مجھے عدم سے وجود میں لایا تو ظاہر ہے بغیر کسی مقصد کے وجود میں نہیں لایا اور پھر مجھے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت دی اور پھر مجھے عورت بنایا تو ظاہر ہے نہ تو تُو نے بغیر مقصد کے مجھے یہ سب دیا اور نہ ہی بغیر مقصد کے عورت بنایا تو تُو نے جس مقصد کے لیے مجھے وجود دیا مجھے تمام تر صلاحیتیں دیں اور مجھے عورت بنایا میں سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کروں گی اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے اس مخصوص مقصد کے لیے یعنی المسیح رسول کی بعثت کے لیے وہ بشر دینے کا عہد کرتی ہوں جس کی بعثت کا تُو نے وعدہ کر رکھا ہے مَافِیْ بَطْنِیْ جو میرے پیٹ میں ہے مُحَرَّرًا اسے صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے وجود میں لاؤں گی اور صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے پروان چڑھاؤں گی اسے اس مقصد کے علاوہ ہر طرح کی الجھنوں، پریشانیوں وکاموں وغیرہ سے آزاد رکھوں گی اسے وجود میں لاؤں گی تو صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے، پروان چڑھا کر کچھ کرنے کے قابل بناؤں گی تو صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے اسے اس کے علاوہ مکمل طور پر آزاد رکھوں گی اسے کسی فرقے اور گروہ وغیرہ کا شکار نہیں ہونے دوں گی اسے کوئی فرقہ پرست نہیں بناؤں گی اس پر کوئی نظریہ وعقیدہ مسلط نہیں کروں گی فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ پس قبول کر مجھ سے جو میں کر رہی ہوں اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اس میں کچھ شک نہیں تُو، تُو ہی ہے جو سن رہا ہے علم رکھ رہا ہے۔
یہاں یہ بات بھی آپ پر واضح کرنا بہت ضروری ہے ایسا نہیں ہے کہ عمران کی عورت نے یہ سب زبان سے کہا بلکہ جیسے آج آپ دنیا میں موجود ہیں اور آپ طرح طرح کے واقعات سے گزر رہے ہیں، آپ کے ہاں جب اولاد پیدا ہونے والی ہوتی ہے تو آپ نہ صرف دل ہی دل میں طے کر لیتے ہیں کہ میرا بیٹا جو پیدا ہونے والا ہے اس کو فلاں سکول، کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم دلوا کر ڈاکٹر بناؤں گا، انجینئر بناؤں گا یا بناؤں گی یعنی آپ خود سے ہی طے کر لیتے ہیں کہ میرا بچہ بڑا ہو کر کیا بنے گا اور پھر آپ ساتھ ہی یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ اس سے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کراؤں گا تا کہ اس کی توجہ ادھر اُدھر ہو کر وہ اس میں ناکام

نہ ہوجائے اس لیے اسے ہر طرح کی فکروں، پریشانیوں، الجھنوں اور کاموں سے آزاد رکھوں گا اور پھر آپ اس کی پیدائش سے لیکر جب تک کہ وہ وہی بن نہیں جاتا جو آپ نے طے کیا تھا تب تک اسے آزاد رکھتے ہیں اور اس پر اسی مقصد کے لیے پوری توجہ خرچ کرتے ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت جہاں ہر عورت کا خواب تھا کہ اس کا بچہ ہوگا تو وہ فوج میں جائے گا، اعلیٰ افسر بنے گا وغیرہ وغیرہ تو وہیں ایک عورت ایسی تھی جب اس کے ہاں اولاد ہونے والی تھی وہ حاملہ تھی تو اس کی دن رات یہی خواہش وچاہت تھی کہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو اور وہ اپنے بیٹے کی اچھی سے اچھی تربیت کرے اور اس کو اس قابل بنائے کہ وہ بڑا ہوکر دین کی خدمت کرے، یہ جو دین کے ٹھیکیدار ملاؤں نے دین کے نام پر فرقہ پرستی کی دکانداریاں کھولی ہوئی ہیں جو لوگوں کو دین کے نام پر لوٹ رہے ہیں اور ان میں نفرت پھیلا رہے ہیں بعض کو بعض کا دشمن بنا رہے ہیں تو میرا بیٹا ان کے برعکس بغیر کسی لالچ کے حق واضح کرے وہ لوگوں کو آپس میں جوڑے وہ لوگوں پر حق کھول کھول کر واضح کرے۔ اور پھر وہ عورت دل ہی دل میں اپنے ربّ سے یہی کہتی رہتی کہ اے میرے ربّ میں تو اس بچے کو اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھانا چاہتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہ مراد پوری نہ ہو تُو تو سن رہا ہے تجھے سب علم ہے یعنی اگر تو کوئی کسی لالچ کے تحت کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بھی اللہ کی ذات سن رہی ہے اسے علم ہے اور اگر کوئی بغیر کسی لالچ کے اور خالص اللہ کے لیے ایسا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ظاہر ہے اللہ سن رہا ہے اسے علم ہے اس لیے ایسے کسی بھی شخص کی محنت رائیگاں کیسے جاسکتی ہے۔

عمران کی عورت کی چاہت تھی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو اور وہ بڑا ہوکر دین کی خدمت کرے اور عین اس وقت المسیح کا بھی انتظار کیا جا رہا تھا یوں اللہ کے قانون میں جانے انجانے میں عمران کی عورت اللہ کو وہی المسیح دینے کا وعدہ کر رہی تھی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. آل عمران ۳۶

وضعت. جو شئے کسی کو دینے کا وعدہ کیا تھا وہ شئے بنا کر اس کو دے دینا، اس کے حوالے کر دینا۔

سمی، اسم. کسی میں پائی جانے والی صلاحیتیں، صفات وخوبیوں وغیرہ کو کہتے ہیں۔

مریم. جس میں سفید ہرن والی صفات پائی جاتی ہوں۔

مریم جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ”م اور ریم“ م موجودگی کا اظہار کرتا ہے اور ”ریم“ سفید ہرن کو کہتے ہیں جسے انگلش میں ایڈاکس (Addax) کہا جاتا ہے۔ یہ جانور زیادہ تر شمالی افریقہ کے صحرائی علاقے میں پایا جاتا ہے اس کی شکل ہرن سے مشابہ اور دھڑ بیل سے مشابہ ہوتا ہے اور سر پر دو بل کھاتے ہوئے لمبے سینگ ہوتے ہیں سینگوں میں عموماً دو سے تین بل ہوتے ہیں۔ نر کا وزن ایک سو سے ایک سو پچیس کلوگرام کے درمیان ہوتا ہے اور مادہ کا وزن ساٹھ سے نوے کلوگرام کے درمیان ہوتا ہے۔ جانوروں میں یہ مشابہت کے لحاظ سے ہرن کے قریب ترین ہے۔ صفات اور خوبیوں کے لحاظ سے جانوروں میں شاید ہی کوئی ایسا جانور ہو جس سے اس کا موازنہ کیا جاسکے۔ انتہائی شریف النفس ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ جانور خوراک کے حوالے سے انتہائی نفاست پرست ہے یہ صرف اور صرف بارش سے اُگی ہوئی گھاس کھاتا ہے اللہ نے اس جانور کی ذات میں ایسی خصوصیت رکھ دی کہ کن علاقوں میں بارش ہوگی اس جانور کو اس کا پہلے سے ہی علم ہو جاتا ہے انہی وجوہات کی بنا پر یہ جانور زیادہ تر بارانی علاقوں میں نظر آتا ہے۔ رہنے کے اعتبار سے یہ جانور ایک ہی جگہ رہتے ہیں لیکن خوراک کی خاطر یہ وسیع علاقے کو روند ڈالتے ہیں اور ایسے علاقے سے کھاتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ اور قدرتی طور پر اُگا ہوا رزق موجود ہو یہی اس جانور کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ خوراک کے حوالے سے یہ جانور نہ صرف فطرت پر انحصار کرتا ہے بلکہ ایسی گھاس وغیرہ کھاتا ہے جو خامیوں سے پاک ہو اور قدرتی اجزاء سے بھرپور ہو، اگر یوں کہا جائے کہ یہ جانور اپنی خوراک کے حوالے سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتا تو اس میں رائی برابر بھی کچھ غلط نہ ہو گا۔ اس جانور کا بہت ہی زبردست معاشرتی نظام ہے اس میں جارحانہ پن بالکل بھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ جانور آپس میں یا اوروں سے لڑتے یا حملہ کرتے ہیں سوائے اس کے کہ جب انہیں ان کی برداشت سے زیادہ تنگ کر دیا جائے اور برداشت کی حد بھی تعریف کے لائق ہے۔ گرمیوں میں اس کی رنگت سفید ہوتی ہے اور سردیوں میں اس کی رنگت تبدیل ہوکر خاکی مائل ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

اس جانور کی سب سے بڑی خوبی ہی یہ ہے کہ یہ خوراک پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا صرف اور صرف خالص قدرتی اور اجزاء سے بھرپور بارشوں سے اُگی ہوئی گھاس کھاتا ہے یوں سمجھ لیں کہ ہر لحاظ سے قدرتی اور خالص خوراک کھانا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ ایسی صفات جس میں پائی جائیں عربی میں اسے مریم کہا جاتا ہے۔

فَلَمَّا پس جو کہ نذر کیا تھا یعنی جو خاص مقصد کے لیے وجود میں لا کر دینے کا وعدہ کیا تھا وَضَعَتۡهَا اور وضع کیا یعنی اسے وجود دیا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰى کہا میرے ربّ اس میں کچھ شک نہیں میں نے جو وضع کیا ہے لڑکی ہے یعنی جب بچہ پیدا ہوا تو وہ مونث یعنی لڑکی تھی جس وجہ سے عمران کی عورت کے دل میں یہ چل رہا تھا کہ میں نے تو سوچا تھا کہ لڑکا ہوگا جسے دین کی غرض سے پروان چڑھاؤں گی لیکن یہ تو لڑکی ہے اور لڑکی کیسے دین کی خدمت کر سکتی ہے یعنی لڑکی کیسے ملّاؤں کے مقابلے پر لوگوں کو حق کی دعوت دے سکتے ہیں کیونکہ یہ کام تو مذکر ہی کر سکتا ہے۔ اب ایک طرف عمران کی عورت کے دل میں یہ سب چل رہا تھا یعنی ایسے ہی جیسے کہ آپ اگر کچھ چاہتے ہیں تو وقت آنے پر اس کے برعکس ہو جائے تو آپ جس حالت کا شکار ہو جاتے ہیں بالکل ویسی ہی حالت عمران کی عورت کی تھی جہاں ایک طرف عمران کی عورت کے دل و دماغ میں یہ سب چل رہا تھا تو وہیں اللہ یعنی فطرت یہ جو وجود ہے وہ یہ جواب دے رہا تھا وَاللّٰهُ اور اللہ ہے یعنی تُو نے جو وضع کیا ہے یہ اللہ کا شریک نہیں وضع کیا بلکہ تُو نے مومن ہی وضع کیا ہے اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ کیا وضع کیا ہے اس کیساتھ علم ہے اللہ کو یعنی اللہ کو علم ہے کہ کیا وضع کیا ہے وَ اور اللہ کو یہ بھی علم ہے کہ لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى ہرگز نہیں مذکر جیسے کہ مونث ہوتی ہے یعنی اللہ نے یہ نہیں کہا کہ "لیس الانثی کالذکر" مونث مذکر جیسی نہیں ہوتی بلکہ اللہ نے یہ کہا کہ مذکر مونث جیسا نہیں ہوتا مطلب یہ کہ مونث ہوئی ہے تو مونث کا ہونا ہی لازم تھا کیونکہ اگر مذکر نے آنا ہوتا تو اللہ عمران کی عورت نہ کہتا بلکہ عمران کا نام لیتا۔

عمران کی عورت کا اس لیے کہا جا رہا ہے کہ عمران کا اس بچے کی پیدائش میں وہ کردار نہیں تھا جو اس کی عورت کا تھا عورت تو اپنی ذمہ داری بھرپور احسن طریقے سے پوری کر رہی تھی لیکن مرد نے اس مقصد کے لیے بچہ نہیں چاہا تھا کیونکہ اگر مرد یعنی عمران بھی یہی چاہتا تو وہ طیب رزق کھاتا جس سے طیب کلمہ یعنی نطفہ وجود میں آتا اور طیب کلمے سے طیب بچہ ہی وجود میں آتا جو کہ رسول ہوتا اب جبکہ عمران کا وہ کردار نہیں تو ظاہر ہے جو نطفہ ہے اس سے رسول کی پیدائش تو نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول کی پیدائش کے لیے نطفے کا بھی طیب ہونا شرط ہے یہ وجہ ہے جس وجہ سے مونث کا پیدا ہونا ہی اللہ نے قدر میں کیا تھا کیونکہ مونث آگے چل کر طیب مرد سے مل کر طیب بچہ وضع کرے گی جو کہ اللہ کا رسول ہوگا۔

ایک طرف عمران کی عورت کے دل و دماغ میں باتیں چل رہی تھیں اور مایوسی کی سی کیفیت تھی اور دوسری طرف اللہ جواب دے رہا تھا لیکن وہ جواب کانوں سے نہیں بالکل دل سے سنا جا سکتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی دل میں چل رہا تھا کہ اللہ کو کیا علم نہیں کہ مونث ہے؟ اللہ کو علم ہے اور کیا اللہ کو علم نہیں کہ مونث مذکر جیسی نہیں ہوتی؟ اللہ کو علم ہے اس کے باوجود اگر مذکر کی بجائے مونث ہوئی ہے تو اسی میں اللہ کی حکمت ہے اس لیے مجھے مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے میں تو وہی کر سکتی تھی جو میرے اختیار میں تھا جس کی میں مکلّف تھی اور جس کی میں مکلّف ہی نہیں جو میرے اختیار میں ہے ہی نہیں تو میں وہ کیسے کر سکتی ہوں۔ جو میرے اختیار میں تھا میں نے کیا اور جو اللہ کے اختیار میں تھا اللہ نے کیا اس لیے اللہ کوئی غلط نہیں کر سکتا بلکہ اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہے وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ اور اس میں کچھ

شک نہیں میں نے سمی کیا اسے مریم، مریم کے معنی پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں انہیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ. یعنی جس طرح سے حمل کے بعد تمام ترطیب مراحل سے گزر کر یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس میں سفید ہرن کی صفات ہوں گی یعنی کچھ بھی ہو جائے خوراک پر سمجھوتہ نہیں کرے گی یہ صرف اور صرف طیب ہی کھائے گی اس کا رزق طیب ہوگا اور جب یہ جوان ہوگی تو ایک مرد کی صورت میں اس کا رزق طیب ہوگا یوں میری بیٹی اور اس کے خاوند سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی طیب ہوگی تو ہوسکتا ہے یقیناً اس سے پیدا ہونے والی اولاد لڑکا ہو اور وہ لڑکا اس مقصد کو پورا کرے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے میں نے اللہ کے لیے وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِکَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. اور اس میں کچھ شک نہیں میں اسے یعنی اپنی بیٹی کو اور اس کی ذریت کو تیرے ساتھ تیرے ذریعے سے بچا رہی ہوں شیطان رجیم سے۔

اُعِيْذُ. اس میں اصل لفظ ''عذ'' ہے جس کے معنی کو مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں مثلاً آپ کو پیاس لگی ہوئی ہو تو کون سی شئے ہے یا کیا ہے جس کے ذریعے سے آپ پیاس سے بچ سکتے ہیں پیاس کو خود سے دور کر سکتے ہیں؟ وہ پانی ہے پانی کے ذریعے یعنی پانی کا استعمال کر کے آپ نے پیاس کو دور کر دیا اس طرح کسی کا سہارا لیکر، کسی کے ذریعے یا کسی کے استعمال سے جس سے بچنا ہو اسے دور کیا جائے اسے ''عذ'' کہتے ہیں۔

الرَّجِيْمِ. اس میں اصل لفظ ''رجم'' ہے جس کے معنی ہیں کسی کو دور کرنا یعنی اپنے قریب نہ آنے دینا اگر وہ قریب آئے تو اس کو کسی کے ذریعے یا کسی کا استعمال کرتے ہوئے دور کر دینا اور مسلسل کسی کو خود سے دور دھکیلتے رہنے کو کہ وہ آپ کے قریب نہ آپائے رجیم کہتے ہیں۔

شیطان. دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''شئ'' ہے جس کے معنی ہیں کچھ بھی جو اپنا وجود رکھتا ہے جیسے کہ آپ کو جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے سب کی سب اشیاء ہیں اور دوسرا لفظ ''طان'' ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اس کے مقصد، اس کی منزل کی طرف جانے سے روک دینا. روکا کئی طرح سے جاتا ہے مثلاً پیار سے بھی روکا جاتا، کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کے مقصد و منزل سے غافل کر کے بھی روک دیا جاتا ہے، کوئی لالچ وغیرہ دیکر، کسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا پھر زور زبردستی سے بھی روکا جاسکتا ہے۔

شیطان کے معنی ہیں آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا یعنی مال، اولاد، صلاحیتیں، ذہانت، جسم، کوئی عہدہ ورتبہ وغیرہ تو جس ذات نے یہ سب دیا ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال صرف اور صرف اسی کے لیے کرنا ہے اور ہر وہ شئے جو آپ کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے روک دے خواہ وہ پیار سے روک دے، کسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر روک دے، اپنے پیچھے لگا کر روک دے، آپ کو اپنی طرف متوجہ کر کے روک دے، لالچ وغیرہ یا زبردستی روک دے وہ شیطان ہے. یعنی ہر وہ شئے شیطان ہے جو آپ کو آپ کے دنیا میں بھیجے جانے کے اصل مقصد و مشن کو جاننے اور جان کر اسے پورا کرنے سے روک دے جو آپ کو اللہ کی طرف جانے اللہ کی غلامی سے روک دے۔

عمران کی عورت کے ہاں جب لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو اس کے دل میں یہی آیا کہ اسی میں اللہ کی حکمت ہے اور اگر اللہ نے یعنی فطرت نے میری بیٹی کو قبول کر لیا تو یقیناً میری بیٹی سے ہی آگے چل کر ایسا لڑکا ہوگا جو اس مقصد کو پورا کرے گا جس مقصد کے لیے میں نے اللہ کو ایسا لڑکا دینے کا وعدہ کیا تھا اس لیے اب میری بیٹی کی زندگی کا مقصد و مشن صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ آگے چل کر ایسے لڑکے کو جنم دے جو بڑا ہو کر اس مقصد کو پورا کرے۔

رسول کی پیدائش جس مرد اور عورت سے ہوتی ہے ان دونوں کا مومن ہونا شرط ہوتا ہے اور جب ان کے ہاں رسول کی پیدائش ہونا ہوتی ہے تو وہ دونوں طیب ہوتے ہیں ان کا طیب ہونا شرط ہوتا ہے یوں دنیاوی مال ومتاع ہو یا خبائث یہ سب کا سب ان کے لیے شیطان ہوتا ہے اور ان کا شیطان سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہوتا ہے اور وہ ہے ان کا ربّ یعنی فطرت. فطرت ہی ہے جس کے ذریعے سے وہ شیطان کو رجم کر سکتے ہیں یعنی فطرت کے استعمال سے ہی اس کی ضد خبیث کو خود سے دور رکھ سکتے ہیں اور یہی اس وقت مریم کی ماں نے کہا تھا وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِکَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور اس میں کچھ شک نہیں اے میرے ربّ یعنی فطرت میں تیرے ساتھ تجھ سے تیرے ذریعے سے اپنی بیٹی کو جسے میں نے وضع کیا اور اسکی اولاد کو شیطان سے بچا رہی ہوں تیرے ذریعے سے شیطان کو یعنی ہر اس شئے کو جو اسے اس کے مقصد سے رکاوٹ کا سبب بنے اسے دور کر رہی ہوں۔

یعنی مریم کی ماں نے مریم کے جنم کے بعد اپنی زندگی کا مقصد و مشن یہ بنا لیا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہر لحاظ سے فطرت پر ہی رکھے گی اس کا رزق وہی ہوگا جو کہ اللہ ہے یعنی وہ رزق جو بغیر حساب ہوتا ہے جس کے بارے میں کل کو اللہ کوئی سوال نہ کرے کہ تم نے یہ رزق کیسے حاصل کیا اور وہ رزق تو صرف اور صرف فطرتی ہے جب مریم

ہر لحاظ سے فطرت پر ہی انحصار کر کے پروان چڑھے گی تو اس کی اولاد بھی پھر اللہ کے قانون کے مطابق ہی پیدا ہوگی جو کہ پیدا ہوتے ہیں اللہ کی خالص عبد ہوگی۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا. آل عمران ۳۷

فَتَقَبَّلَهَا پس جس مقصد کے لیے مریم کی ماں نے اسے وجود میں لایا تھا اس مقصد کے لیے اسے قبول کر لیا رَبُّهَا اس کے ربّ نے یعنی فطرت نے اسے اسی مقصد کے لیے قبول کر لیا جب تک مریم کی ماں زندہ رہی تو کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ مریم کے لیے طیب رزق کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہو کہیں بھی کبھی بھی ایسے حالات بنے ہوں کہ جن کی وجہ سے اس وقت یا کل کو بعد میں مریم اپنے مقصد سے ہٹ جاتی بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ ایسا بہترین قبول کرنے سے قبول کیا کہ جس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور آگے یہ بھی واضح کر دیا کہ قبول حسن کیا ہے وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور کیا کیا؟ اسے یعنی مریم کو اگا یا ایسی بہترین نباتات کی صورت میں کہ ان سے بہتر نباتات ہو ہی نہیں سکتیں وہ نباتات جو کہ بغیر کسی قیمت کے حاصل کی جاتیں بلکہ جو کہ احسان تھا یعنی جنہیں مکمل طور پر خالصتاً فطرت وجود میں لاتی۔

نبات حسن یعنی زمین سے اگنے والی نباتات جو کہ حسن ہیں وہ ہیں جو اللہ یعنی فطرت بارش کے ذریعے پانی اتارے اور اس پانی سے طیب زمین میں طیب نباتات اگیں اور اس طیب رزق سے وجود میں آ کر پروان چڑھنے والا بشر ہوتا ہی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اللہ یعنی فطرت کا وجود میں لایا ہوا جس میں کسی کی بھی کوئی مداخلت نہیں ہوتی یعنی اس کی خلق میں اللہ کیساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا اور جس میں اللہ کا کوئی شریک نہ ہو اس سے بہتر کوئی شئے ہو سکتی ہے؟ ممکن ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی شئے ہو۔ یوں جب تک مریم کی ماں زندہ رہی تو انہوں نے مریم کی ایسی بہترین پرورش اور تربیت کی کہ اس سے بہتر پرورش اور تربیت ممکن ہی نہیں۔

اور پھر ایک وقت آیا جب مریم کافی بڑی ہو چکی تھی تب مریم کی ماں کی وفات ہوگئی اور مریم کے والد کی وفات تو مریم کی پیدائش سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ مریم چونکہ والدین کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے مریم اکیلی ہوگئی۔

مریم کے والد کی کچھ زمین تھی جس زمین پر کاشتکاری کر کے اور کچھ گائے اور بکریاں پال کر مریم کی ماں نے مریم کی پرورش کی تھی، مریم بچپن سے ہی اپنی ماں کیساتھ اپنی اس زمین پر کاشتکاری اور جانوروں کو پالنے میں ہاتھ بٹاتی رہی جس وجہ سے مریم کی مکمل تربیت ہو چکی تھی۔ مریم کی ماں کی بھی وفات ہو جانے پر مریم کے رشتے داروں کی طرف سے مریم کو پیغامات موصول ہونا شروع ہو گئے کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری کفالت کرنے کو تیار ہیں جس کا درج ذیل آیت میں بھی ذکر موجود ہیں۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ.

آل عمران ۴۴

اللہ آج اس وقت اپنے اس رسول سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے جو آج حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ ذٰلِکَ وہ یعنی جو ماضی میں ہوا تھا مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ اس میں سے کیا ہے جو تُو ان پر کھول کر واضح کر رہا ہے جو تُو انہیں پہنچا رہا ہے؟ یہ اس چھپے ہوئے علم میں سے ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو آج ان پر ظاہر کیا جا رہا ہے نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ہم وحی کر رہے ہیں تیری طرف وَمَا كُنْتَ اور تُو نہیں تھا لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ان کو جب خبر دی گئی کہ مریم کی ماں کی وفات ہوگئی ہے اور مریم اکیلی ہوگئی ہے تب وہ اپنے اقلام مریم کی طرف ڈال رہے تھے کہ کون ہے ان میں سے جو مریم کی کفالت کرے وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ اور نہیں تھا تو جب ان کو مریم کی ماں کی موت کی خبر دی گئی تب وہ جھگڑ رہے تھے۔

مریم کے والدین کے خاندان یعنی جتنے بھی رشتے دار تھے وہ نہ صرف دنیا پرست اور مطلب پرست، لالچی اور کمینے تھے بلکہ مریم کے والد کی وفات کے بعد ان سب نے مریم کی ماں سے اپنا تعلق ختم کر دیا اور ایسے چھوڑ دیا جیسے کہ کوئی وارث ہی نہ ہو اور اس کی وجہ تھی وہ زمین جو مریم کے والد کی وفات کے بعد مریم کی ماں کو ملی۔ کسی کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ وہ زمین اسے حاصل ہو جائے لیکن جب کسی کی یہ مراد پوری نہ ہوئی تو انہوں نے ضد، حسد اور بغض میں مریم کی ماں سے منہ موڑ لیا اور اسے اکیلا چھوڑ دیا۔

مریم کی ماں حاملہ تھی اور رشتے داروں کے انہی رویوں کی وجہ سے مریم کی ماں اپنے لیے ایک ہی سہارا سمجھتی تھی اور وہ تھا اللہ کی ذات اس لیے مریم کی ماں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اب صرف اور صرف وہی کرے گی جو اس کا ربّ چاہتا ہے اور پھر جب مریم کی ماں کی وفات ہوگئی تو ان لوگوں کا لالچ ایک بار پھر جاگ اٹھا اور اسی لالچ میں ان میں سے ہر کسی کی یہی چاہت تھی کہ مریم کی کفالت کا ذمہ انہیں مل جائے اور جس سے زمین ان کے ہاتھ آ جائے گی اور کل کو یا تو مریم کا

رشتہ کسی ایسی جگہ طے کر دیں گے جس سے زمین جائیداد انہیں حاصل ہو جائے یا پھر کہیں دور ایسی جگہ شادی کریں گے کہ مریم وہیں کی ہو کر رہ جائے جس سے من پسند قیمت کے عوض یا پھر بالکل مفت میں مریم کی جائیداد ان کے قبضے میں آ جائے گی۔

یہی لالچ تھا جس وجہ سے ہر کوئی یہی چاہ رہا تھا کہ مریم کی کفالت کا ذمہ انہیں مل جائے جس کے لیے وہ اپنی اپنی کوششیں کرتے رہے لیکن دوسری طرف مریم کسی کی طرف نہ گئی بلکہ مریم اپنے گھر اور اپنی زمین پر ہی رہی اور صرف اور صرف بارشوں پر ہی انحصار کرتے ہوئے سو فیصد قدرتی طریقے سے رزق حاصل کرتی اور اپنا گزارا کرتی۔

اور مریم کو جہاں بھی مدد کی ضرورت پیش آتی تو مریم کے ایک خالو تھے جو کہ انتہائی شریف اور سیدھے سادھے تھے وہ مریم کی مدد کر دیا کرتے یعنی مریم کو جس حد تک کفالت کی ضرورت تھی وہ مریم کے خالو نے ذمہ اٹھا لیا جس کا ذکر اللہ نے درج ذیل آیت میں کیا۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. آل عمران ۳۷

المحراب. تین الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ''ال'' ہے جو کہ کسی بھی لفظ یا جملے کے شروع میں استعمال ہونے سے اسے مخصوص کر دیتا ہے۔ دوسرا لفظ ''م'' ہے جس کے معنی موجودگی کے ہیں اور تیسرا لفظ ''حراب'' ہے جو کہ حرب سے ہے اور حرب کے معنی ہیں جنگ کرنا کسی بھی شئے میں یا کسی کیساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا کہ وہ خراب ہو جائے۔

المحراب کے معنی ہیں ایسا مقام جہاں ہر طرف حرب کیا جا رہا ہو یعنی جہاں ہر طرف فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہو فطرت کے ساتھ دشمنی کی جا رہی ہو یعنی فطرت کیساتھ جنگ کی جا رہی ہو۔

مثلاً آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جا رہی ہے ہر طرف فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے فطرت میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں فطرت میں مداخلت کی جا رہی ہے یوں آج جہاں جہاں ہر طرف فطرت کیساتھ دشمنی کی جا رہی ہے فطرت کیساتھ جنگ کی جا رہی ہے وہ المحراب ہے۔ المحراب جہاں ہر طرف حرب ہی حرب ہے یعنی فطرت کیساتھ جنگ ہی جنگ ہے فطرت میں خرابیاں کرنے والے اعمال کیے جا رہے ہیں۔

شاء. جو قانون وضع کر دیا گیا، جو قانون بنا دیا گیا۔ اس لفظ کے معنی ذہن میں ہونا بہت لازم ہیں اس لیے کہ اس کا معنی مرضی اور چاہت کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے تراجم میں پڑھا ہوگا کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا۔ اس آیت میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے تو پھر حساب کتاب، سزا و جزا کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا کیونکہ اگر اللہ نے چاہا کہ ایک شخص گمراہ ہو تو پھر وہ شخص اللہ کی چاہت کے آگے کیا کر سکتا ہے؟ جب وہ اللہ کی چاہت کے آگے بے بس ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ اللہ نے جان بوجھ کر اسے گمراہ کیا اپنی مرضی سے حالانکہ وہ تو چاہتا تھا کہ اسے ہدایت ملے۔ اس لیے یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ شاء کے معنی چاہنا نہیں ہیں بلکہ شاء کے معنی ہیں جو قانون بنا دیا گیا شاء کے معنی ہیں قانون۔ اللہ نے جو قانون بنا دیا اللہ اپنے قانون سے ہی ہدایت دیتا ہے اور اپنے قانون سے ہی گمراہ کرتا ہے۔ اختیار انسان کے ہاتھ میں ہے اگر تو وہ اللہ کے قانون پر عمل کرے گا تو ہدایت پا جائے گا اور اگر وہ اللہ کے قانون کے خلاف عمل کرے گا اللہ کے قانون پر پورا نہیں اُترے گا تو وہ گمراہ ہی ہوگا۔

رزق. رزق کہتے ہیں ضروریات کو جو بھی آپ کی ضروریات ہیں یعنی جو بھی زندگی گزارنے کے لیے لازم ہے جیسے کہ سانس لینے کے لیے آکسیجن، پینے کے لیے پانی، کھانے کے لیے نباتات و ثمرات، گوشت و دودھ وغیرہ، بالغ ہونے پر مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد اس کی ضرورت بن جاتا ہے ایسے ہی سفر کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جو اسباب ہیں۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور مریم کی کفالت زکریا نے کی یعنی مریم کو جب بھی مدد کی ضرورت ہوتی تو زکریا اس کی مدد کرتا۔ مثلاً جیسے کہ جب فصل اگانی ہے پھر جب تیار ہو جائے تو اس فصل کو محفوظ کرنا وغیرہ اور اس کے علاوہ اگر کسی ایسی شئے کی ضرورت پیش آتی جو کہیں دور سے لانا پڑے یا کوئی زور کا کام ہوتا تو زکریا ایسے تمام کاموں میں مدد کر دیتے تھے كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ جب بھی داخل ہوتے اس پر زکریا جو کہ مخصوص مقام تھا جس کے چاروں اطراف

اللہ سے جنگ کی جا رہی تھی ہر کوئی فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا فطرت کو بدل رہا تھا یعنی غیر فطرتی طریقوں سے اگا رہے تھے وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا پاتا اس کے ہاں کم سے کم رزق۔

جب بھی فصل سمیٹنے کا وقت آتا اور زکریا مدد کے لیے آتے تو ہر بار یہی ہوتا کہ آس پاس ہر ایک کی فصل نظر آنے میں بہت اچھی اور بہت زیادہ ہوتی لیکن مریم کی فصل نہ صرف دیکھنے میں اتنی اچھی نہ ہوتی بلکہ کم سے کم ہوتی تو زکریا اپنی طرف سے بہت سے مشورے دیتے کہ ایسے ہی اگایا کرو جیسے باقی سب اگا رہے ہیں تو مریم اپنے خالو زکریا کی بات نہیں مانتی تھی بلکہ مریم وہی کرتی جو مریم نے اپنی ماں سے سیکھا تھا یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد فطرت پر انحصار کرتی تو ایسی صورت میں زکریا مریم کو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا زکریا نے کہا اے مریم بار بار کہے جانے کے باوجود بھی تجھے کوئی فرق نہیں پڑا تجھے یہ نہیں کرنا چاہیے یعنی تجھے ایسے رزق حاصل نہیں کرنا چاہیے جیسے تُو کر رہی ہے تو اسی کے جواب میں مریم نے زکریا کو کہا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مریم نے زکریا کو کہا یہ اور یہ اور یہ یعنی جو بھی رزق میں اگا رہی ہوں حاصل کر رہی ہوں یہ اللہ کے ہاں سے ہے یعنی یہ جو ہر طرف ہر کوئی رزق اگا رہا ہے یہ سب کے سب اللہ کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں ان کا رزق اللہ کے ہاں سے نہیں ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جس کیساتھ یہ سب کے سب حرب یعنی جنگ کر رہے ہیں یہ ہر طرف جو غیر فطرتی طریقوں سے اگایا جا رہا ہے فطرت میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے فطرت میں مداخلت کی جا رہی ہے اللہ تھا جس کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جا رہی ہے يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ اللہ کے ہاں سے رزق وہ ہے اللہ کا رزق وہ ہے جو اس کے قانون کے مطابق خلق ہو رہا ہے جو اللہ نے قانون وضع کر دیا اس قانون کے مطابق اگا رہا ہے رزق حاصل کر رہا ہے وہ اللہ کا رزق ہے بِغَيْرِ حِسَابٍ جس کے بارے کسی قسم کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو گی کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

اور جس طرح ہر طرف رزق حاصل کیا جا رہا ہے نباتات اگائی جا رہی ہیں جو کہ فطرت میں مداخلت کر کے اگائی جا رہی ہیں فطرت میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں تو یہ اللہ کی ذات تھی جس کو یہ چھیڑ رہے ہیں اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کر رہے ہیں اور اس طرح حاصل کیے جانے والے رزق کا حساب ہو گا اللہ حساب لے گا کہ بتاؤ کس نے تمہیں اس طرح رزق حاصل کرنے کا حکم دیا یا اجازت دی؟ کیا یہ میرے وضع کردہ قانون کیمطابق رزق حاصل کیا گیا؟

مریم نے واضح کیا کہ جب اللہ کیساتھ حرب کی جائے گی یعنی جنگ کی جائے گی جو کہ فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے فطرت میں تبدیلیاں کرنا ہے تو اس طرح حاصل کیا جانے والا رزق نہ صرف اللہ کے ہاں سے نہیں ہو گا بلکہ ایسے رزق میں برکات نہیں ہوں گی یعنی اس کے استعمال سے فائدے کی بجائے نقصانات کا ہی سامنا کرنا پڑے گا، اس سے طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوں گے، بچے مفلوج پیدا ہوں گے، اللہ کے قانون میں بہرے، گونگے اور اندھے ہو جائیں گے، اللہ کے قانون میں الاموات ہو جائیں گے، حق کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے، اور یہ جو اولاد نہیں ہوتی اسی رزق ہی کی وجہ سے ہے یوں مریم نے اپنے خالو زکریا پر حق کھول کھول کر واضح کیا اور پھر زکریا نے بھی المحراب میں صلی کرنا شروع کر دی یعنی جہاں ہر طرف غیر فطرتی طریقوں سے اگایا جا رہا تھا اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جا رہی تھی تو وہیں زکریا نے بھی ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنا شروع کر دیا یعنی ہر طرف سے کٹ کر فطرت پر قائم ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ان میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت واپس پلٹ آئی بلکہ ان کی بیوی جو کہ بانجھ تھی اس کی بھی اصلاح ہو گئی یعنی فطرت پر قائم ہونے سے زکریا کی بیوی کا بانجھ پن دور ہو کر ان کے ہاں ادھیڑ عمر میں بچے نے جنم لیا جسے یحیٰی کہا گیا۔

اور یہی وہ وجہ بنی جس وجہ سے زکریا نے مریم کو پہچانا کہ مریم باقی عورتوں کی طرح نہیں بلکہ مریم تو اللہ کے مقربین میں سے ہے مریم کی صورت میں اللہ تھا جس نے زکریا سے کلام کیا زکریا کی راہنمائی کی اور اسی وجہ سے ہی مریم کو بھی احساس ہونا شروع ہو چکا تھا کہ وہ باقی عورتوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کو اللہ نے علم و حکمت دی ہے تو بغیر مقصد کے نہیں دی۔ اگر اسے انفرادیت حاصل ہوئی ہے تو یہ انفرادیت بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے اس کی پیدائش اور جو اس کی پرورش ہوئی ظاہر ہے جو اللہ نے قدر میں کیا تھا ویسے ہی ہوئی تو اللہ نے یہ قدر میں بغیر مقصد کے تو نہیں کیا تھا ضرور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور اسی کو اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات کی صورت میں اپنے الفاظ میں بیان کیا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ . آل عمران ۴۲

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بشر یعنی آپ تین طرح کی مخلوقات کا مرکب ہیں ایک یہ مادہ ہے دوسری اس میں گرم انرجی جنہیں جن کہا گیا اور تیسری ٹھنڈی انرجی، نور

جنہیں ملائکہ کہا گیا۔ گرم اور ٹھنڈی انرجی جنہیں جن اور ملائکہ کہا گیا یہ مادے کی خصلتیں خصوصیات ہیں یعنی مادہ جب پراسس ہوتا ہے یعنی کیمیائی عوامل سے گزرتا ہے تو اس میں دو طرح کی انرجی یعنی قوت وجود میں آتی ہیں جو کہ مادے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں ایک گرم انرجی ہوتی ہے اور دوسرا ٹھنڈی انرجی اور ان دونوں کا اظہار مادی وجود کے اعمال کی صورت میں ہوتا ہے۔

اگر آپ کے دل و دماغ میں کوئی خیال آتا ہے یا کوئی بات آتی ہے یا پھر آپ کوئی بھی عمل کرتے ہیں تو ان کے پیچھے انہی دو میں سے ایک انرجی کارفرما ہوتی ہے۔

اگر آپ کے دل میں مثبت باتیں آ رہی ہوتی ہیں تو یہ ملائکہ یعنی ٹھنڈی انرجی کی وجہ سے ہوتا ہے اور ایسے ہی جب مریم کے دل میں ایسی سب باتیں چل رہی تھیں تو اسی کو اللہ نے قرآن میں جو اس کی حقیقت ہے اسے ان الفاظ میں بیان کیا وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ اور تب ملائکہ نے کہا اے مریم اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جس نے تجھے کسی خاص مقصد کے لیے چن لیا وَطَهَّرَكِ اور تجھے ہر طرح سے مکمل پاک کیا گیا خالص بنایا گیا وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اور یہ جو تجھے پاک کیا گیا خالص کیا گیا اور تجھے اس وقت دنیا میں موجود تمام عورتوں سے چن کر عالمین کی عورتوں پر عملی نمونہ بنا کر رکھا جا رہا ہے کہ عورت کو دنیا میں لانے کا یہ مقصد ہے۔

یعنی مریم نے جب اپنے خالو زکریا کی راہنمائی کی جو کہ نہ صرف بوڑھے ہو چکے تھے بلکہ ان کی اولاد بھی نہیں تھی اور جب مریم نے ان پر حق واضح کیا کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ کیا ہے آپ کی جو بیوی ہے یعنی مریم کی خالہ وہ بانجھ ہیں تو اس کی وجہ یہ رزق ہے جو آج تک آپ استعمال کرتے رہے۔ یہ اللہ کا رزق نہیں ہے یہ غیر اللہ کا رزق ہے اور جب غیر فطرتی رزق کھایا جائے پھر بیماریاں تو لاحق ہوں گی اور پھر جب زکریا نے مریم کی طرف سے یہ سب حق کھل کر واضح ہونے پر الحر اب میں صلی کی یعنی ہر طرف اللہ کیساتھ جنگ کی جا رہی تھی فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی تھی تو وہیں ان کے درمیان زکریا نے ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر قائم کرنا شروع کر دیا خود کو اسی مقام پر قائم کیا جو مقام اللہ نے طے کیا یعنی فطرت پر قائم ہو گئے تو جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف زکریا میں انتہائی بڑھاپے کے باوجود اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پلٹ آئی بلکہ ان کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کی اصلاح ہو گئی اور ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو یہ غیر معمولی واقعہ تھا جس سے زکریا نے مریم سے کہا کہ مریم یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے تُو باقی عورتوں کی طرح کوئی عام عورت نہیں بلکہ تُو اللہ کی چنندہ ہے جس وجہ سے مریم کے دل میں بہت سی باتیں آنا شروع ہو گئیں کہ ہاں ظاہر ہے میری پیدائش سے لیکر میری پرورش و تربیت جو ہوئی ہے یہ خالص اللہ کی طرف سے ہوئی ہے اور مجھے جو علم و حکمت دی گئی یہ اللہ نے ہی سب دیا ہے تو ظاہر ہے اللہ نے یہ سب بغیر مقصد کے نہیں دیا مجھے بغیر مقصد کے وجود میں نہیں لایا بلکہ مجھے دنیا کی عورتوں کے لیے عملی نمونہ بنایا جا رہا ہے یہ جو عالمین کی عورتوں پر مجھے ترجیح دی گئی تو یہ بے مقصد نہیں ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ آل عمران ۴۳

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ اللہ ہی تھا جو مریم کے دل میں ملائکہ کی صورت میں بول رہا تھا جو مریم کے دل میں یہ سب آ رہا تھا مریم کے اندر کی آواز اسے کہہ رہی تھی کہ اے مریم قناعت کر یعنی یہ جو تُو صلی کر رہی ہے یعنی ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر رکھ رہی ہے فطرت پر قائم ہے جس کی وجہ سے تجھے تیری ضروریات پوری حاصل نہیں ہو رہی ہیں اور تجھے سختیوں اور مشکلات کا سامنا ہے تو تُو کوئی شکوہ و شکایت نہ کر بلکہ اسی پر صبر کر تیرے ربّ کے لیے یعنی جب تُو نے اللہ کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہے تو پھر کیا اسے نہیں علم کے تجھے سخت حالات کا سامنا ہے مشکلات کا سامنا ہے، رزق کی قلت کا سامنا ہے اللہ کو سب علم ہے اس کے باوجود ایسا ہے تو پھر اس میں تیرے ربّ ہی کی حکمت ہے وہ تجھ سے کوئی بڑا کام لینے کے لیے تجھے تیار کر رہا ہے وَاسْجُدِيْ اور خود کو مکمل طور پر فطرت کے آگے جھکائے رکھ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کیساتھ۔ رکوع کیا ہے اور رکوع کرنے والوں کیساتھ رکوع کرنا کیا ہے اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ آپ دیکھیں آم کا درخت اس کی شاخ جب وجود میں آتی ہے تو وہ ننھی سی ہوتی ہے پھر وہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت آتا ہے جب جوبن پر آ جاتی ہے اس کا رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے یا وہ بالکل سیدھے اکڑی ہوئی ہوتی ہے اس میں کوئی جھکاؤ نہیں ہوتا وہ قائم ہوتی ہے یعنی اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھایا گیا وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو جاتی ہے تب اس پر وہ ذمہ داری لادی جاتی ہے جس کے لیے اسے وجود میں لا کر اس مقام تک لایا گیا یعنی اس پر ذمہ داری عائد کی جاتی ہے کہ اس نے آم وجود میں لا کر اسے اس طرح پروان چڑھانا

ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کر سکے جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

جب شاخ پر آم کا بُور لگتا ہے تو شاخ ہلکی سے جھک جاتی ہے پھر جیسے جیسے آم بن کر بڑا ہوتا چلا جاتا ہے تو ویسے ویسے شاخ جھکتی چلی جاتی ہے یعنی جیسے جیسے شاخ کو اس پر لادی جانے والی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو شاخ اکڑے رہنے کی بجائے ویسے ویسے ہی جھکتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب شاخ کا رخ مکمل طور پر زمین کی طرف ہوتا ہے یعنی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہوتی ہے۔ اب ذرا غور کریں اگر شاخ جھکنے کی بجائے اکڑی ہی رہے گی تو کیا وہ اس ذمہ داری کو پورا کر پائے گی جو اس پر لادی گئی؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ اگر شاخ اکڑی رہے گی تو آم جو کہ اس پر اس کی ذمہ داری ہے وہ ٹوٹ کر نیچے گر جائے گا اور شاخ اس مقصد کو پورا کرنے سے ناکام ہو جائے گی جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے شاخ کو وجود میں لایا گیا۔

آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کی سب مخلوقات ایسے ہی رکوع و سجود کر رہی ہیں تو مریم کو بھی یہی کہا گیا جو کہ مریم کے اندر سے ہی آواز تھی اور حالات یہ سب کہہ رہے تھے کہ اے مریم اپنے اندر اگر کوئی خامی ہے تو اسے بھی نکال دے خود کو مکمل طور پر جھکائے رکھ اگر تُو عالمین کی عورتوں پر ترجیح دی گئی ہے تو اس کا مقصد ہے تجھے جس مقصد کے لیے وجود میں لا کر اس طرح پروان چڑھایا گیا اور آج تُو اس کے قابل ہو چکی ہے تو جیسے جیسے تجھے تیری ذمہ داری کا احساس ہوتے جائے تو خود کو جھکاتی جا یعنی رکوع کر جیسے تمام عالمین رکوع کر رہے ہیں ان کیساتھ۔

جیسے ہر عورت جب بالغ ہوتی ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کی کسی اچھے سے اچھے لڑکے سے شادی ہو اور پھر اس کی اولاد ہو تو وہ اپنی اولاد کی فلاں طرح سے تربیت کرے گی اسے یہ بنائے گی وہ بنائے گی بالکل ایسے ہی مریم بھی چونکہ کب کی بالغ ہو چکی تھی تو مریم کے دل میں بھی یہ سب باتیں آتی تھیں۔ مریم کے دل میں یہی آتا تھا کہ جب اس کی اولاد ہوگی تو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور مریم اس کی ایسی پرورش و تربیت کرے کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر حق کھول کھول کر واضح کرے یعنی جو علم و حکمہ مریم کو اللہ نے عطا کی تھی وہ اپنے بیٹے کو دے گی اس کی ایسی تربیت کرے گی لیکن پھر جب مریم اپنے آپ کو دیکھتی تو اس کا یہ سارا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے کہ جیسے اس کا کوئی اپنا نہیں ہے تو کیسے اس کی شادی ہوگی کون اس کی شادی کروائے گا یعنی جب اس کی شادی ہوئی ہی نہیں تو اس کے ہاں اولاد کہاں سے ہوگی جو اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرے گی۔

یوں ایک طرف مریم کے دل میں اولاد کی شدید چاہت پیدا ہوتی تاکہ وہ اس کی مثالی تربیت کرے اور دوسری طرف اکیلی اور غریب ہونے کی وجہ سے شادی نہ ہو پانے کی ناامیدی بھی تھی لیکن اس کے باوجود مریم پر امید تھی کہ اگر اللہ نے مجھے وجود میں لا کر اس مقام تک لایا ہے تو وہ ضرور کوئی نہ کوئی بندوبست کرے گا یعنی ایسا ہی ہوگا نہ صرف میری شادی ہوگی بلکہ میری اولاد بھی ہوگی جس کو میں اسی مقصد کے لیے پروان چڑھاؤں گی اس کی تربیت کروں گی کہ وہ اللہ کا عبد بنے وہ کل کو اس مقصد کو پورا کرے، جس مقصد کے لیے اسے دنیا میں لایا گیا۔

اسی حوالے سے مریم کو بار بار ایک ہی خواب بھی آتا رہا کہ وہ ساری دنیا سے بلند بادلوں کے اوپر جاتی ہے اور اس کو ایک لڑکا دیا جاتا ہے اور پھر جب مریم کی آنکھ کھلتی تو وہی بات کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا میری تو شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اللہ کی باغی ہوں جو کسی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا ہو یا کروں جس سے میرے ہاں اولاد پیدا ہو جائے۔ اسی کو اللہ نے درج ذیل آیات کی صورت میں بیان کیا۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ. وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَھۡدِ وَ کَھۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ . آل عمران ۴۵، ۴۶

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ تب کہا الملائکہ نے اور الملائکہ کا کہنا کیا ہے یہ پیچھے واضح کیا جا چکا مریم کے دل میں آنے والی باتیں تھیں یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اے مریم اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا یعنی مریم کو جب اپنی پیدائش سے لیکر اس مقام تک پہنچنے کے دوران جن جن مراحل سے گزرنا پڑا جن جن حالات و واقعات سے گزرنا پڑا جو کہ غیر معمولی حالات و واقعات تھے باقی تمام کی تمام عورتوں سے مختلف تھے تو ان سب سے گزارنے والا اس طرح وجود میں لا کر پروان چڑھانے والا جو بھی صلاحیتیں ہیں یہ سب دینے والا اللہ تھا یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اللہ تھا جو دل میں ایسی باتیں آ رہی تھیں مستقبل کے حوالے سے جو آگاہیاں دل میں آ رہی تھیں کلمات کیساتھ اس سے یعنی جو حالات و واقعات پیش آتے رہے ان کے سبب جو دل میں باتیں آتی رہیں تب درج ذیل سب بھی دل میں آ چکا تھا لیکن مریم کو اس کا اس وقت شعور نہیں تھا اسۡمُہُ جس وقت موجود ہے اس میں جو صلاحیتیں و صفات ہیں الۡمَسِیۡحُ مخصوص مس کر رہا ہے یعنی اپنے علم و حکمہ سے

اپنے اعمال سے لوگوں پر انتہائی مثبت اثر انداز ہو رہا ہے عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ عیسیٰ وجود میں آیا مریم سے وَجِیۡھًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ وجیھ ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی اور مقربین سے ہیں یعنی دنیا میں بھی عیسیٰ ابن مریم کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا ہر لمحے رخ اللہ کی طرف ہے اپنے ربّ کی طرف ہے اور اس کی کوئی بات رد نہیں کی جا سکتی یعنی وہ جو بھی چاہے جو بھی کہے وہ پورا کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسیٰ مقربین سے ہے یعنی جو اللہ کے سب سے قریب ترین ہیں ان میں سے جو ہے جو کہ اس کے اپنے ہی اعمال کے سبب ہے جو وہ خالص اللہ کی غلامی کر رہا ہے وَیُکَلِّمُ النَّاس اور لوگوں سے کلام کر رہا ہے یعنی ان سے انتہائی علم وحکمہ پر مبنی باتیں کر رہا ہے فِی الۡمَھۡدِ المھد میں یعنی جبکہ وہ والدین کا محتاج ہے اپنے والدین پر ہی انحصار کر رہا ہے مطلب یہ کہ بچوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود سے اتنی عقل نہیں رکھتے اتنا علم وحکمہ نہیں رکھتے کہ وہ کوئی احسن فیصلہ کر سکیں یا علم وحکمہ پر مبنی باتیں کر سکیں وہ اس معاملے میں اپنے والدین کے ہی یا پھر دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں جن پر وہ انحصار کر رہے ہوتے ہیں لیکن عیسیٰ کا معاملہ یہ نہیں ہے جس عمر میں بچے اپنے نفع ونقصان کا شعور نہیں رکھتے وہ اپنے والدین کے محتاج ہوتے ہیں ان پر انحصار کرتے ہیں اس عمر میں عیسیٰ دوسرے بچوں کے مقابلے پر ایسی ایسی باتیں کرتا کہ بڑے بڑے علم وحکمہ والے بھی حیران رہ جاتے کہ یہ بچہ کتنا عقل مند ہے چھوٹی سی عمر میں ایسی باتیں کر رہا ہے جیسے یہ کوئی بچہ نہیں بلکہ کوئی تجربہ کار شخص ہے یعنی عیسیٰ ابن مریم کا معاملہ یہ تھا کہ وہ باقی بچوں سے بالکل مختلف اور منفرد تھا چھوٹی سی عمر میں انتہائی تجربہ کارانہ باتیں کرتا کہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے وَکَھۡلًا اور بڑھاپے کی آخری حد جب موت بالکل سر پر آ چکی ہوتی ہے تب بھی عیسیٰ کا معاملہ ایسا تھا کہ وہ انتہائی علم وحکمہ پر مبنی باتیں ہی کرتا حالانکہ آپ جانتے ہیں جب کوئی بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ بچوں جیسا ہو جاتا ہے بھلکڑ پن، بات میں وہ اثر نہیں رہتا، علم وحکمہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے بالکل ایسے جیسے کہ بچپن دوبارہ لوٹ آیا ہو لیکن عیسیٰ کا معاملہ یہ نہیں تھا عیسیٰ جب اپنی عمر کے آخری حصے کو پہنچ چکا تب بھی اسی طرح ہی لوگوں سے کلام کر رہا ہے ان کی راہنمائی کر رہا ہے ان پر حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے انتہائی علیم وحکیم ہے وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور صالحین سے ہے یعنی اصلاح کرنے والوں سے۔ عیسیٰ نے جب سے ہوش سنبھالا تب سے لیکر اپنی موت تک اصلاح ہی کی کہیں کوئی ایسا عمل نہ کیا جس سے آسمانوں وزمین یا ان میں کسی بھی خلق میں یا کہیں بھی کوئی خرابی ہو بلکہ خرابیوں کو دور کر کے انہیں ٹھیک ہی کرتا رہا خواہ لوگ مفسد کہتے رہیں۔

اب یہاں یہ بات ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے کہ ایسا نہیں یہ سب مریم سے اللہ نے ایسے ہی کہا جیسے کہ دو بشر آپس میں بات کرتے ہیں یا پھر جب مریم کو یہ سب کہا تھا تو مریم کو ایسے ہی علم تھا جیسے کہ ابھی آپ کو بتایا جا رہا ہے تو آپ کو علم ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ مریم کو وہ سب کچھ پہلے ہی کھول کھول کر بتا دیا تھا بلکہ اللہ کا قانون کیا ہے اسے آپ کو سمجھنا ہوگا۔

مثال کے طور پر آپ نے اکثر یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ آپ کیساتھ کوئی حادثہ ہوتا ہے کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو آپ اس واقعے کے ہو جانے کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے پہلے ہی ایسا لگ رہا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے ایسا ہی کچھ ہوگا۔ اب ذرا غور کریں آپ نے ایسا کیوں کہا؟ کیا آپ نے جھوٹ بولا یا پھر واقعتاً حقیقت یہ ہے کہ اگر کچھ اچھا ہونے والا ہو تو پہلے سے ہی عجیب سا اطمینان سا محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ کچھ اچھا ہونے والا ہے اور اگر کچھ برا ہونے والا ہو تو تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے ہی آپ کو محسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ کچھ برا ہونے والا ہے لیکن جب تک وہ واقعہ وقوع پذیر نہیں ہو جاتا تب تک آپ یقین سے نہیں کہہ سکتے لیکن جیسے ہی واقعہ ہو جاتا ہے حادثہ ہو جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں دیکھا مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا یا ایسا ہی ہوگا۔ ایسا اس لیے کہ واقعتاً آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا جا چکا ہوتا ہے لیکن آپ کے دماغ کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ وہ ان معلومات کا صحیح سے نقشہ کھینچ سکے اور جیسے ہی وہ حادثہ ہوتا ہے تو مشاہدہ ہونے پر دماغ فوراً گواہی دیتا ہے کہ یہی تھی وہ بات یا یہ تھا وہ واقعہ۔

بالکل ایسے ہی مریم پر بھی یہ سب پہلے ہی اتار دیا گیا تھا لیکن مریم کا معاملہ ایسا تھا گویا کہ اسے کچھ علم ہی نہیں لیکن ان میں سے جب جب جیسے جیسے کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوتا گیا تو مریم کے دل سے آواز آتی کہ یہ تھا یعنی مشاہدہ کر لینے پر یاد آ جاتا کہ اسی کا تو فلاں وقت سے احساس ہوتا رہا۔ مریم عیسیٰ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں اور جب بھی کوئی سخت حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑا یا عیسیٰ کیخلاف محاذ کھولا گیا عیسیٰ کیساتھ دشمنی کی گئی اسے قتل تک کرنے کی پوری کوشش کی گئی تو مریم کے دل کو اطمینان تھا کہ نہیں اس کے بیٹے کو قتل نہیں کیا جا سکتا اور یہ اسی وجہ سے تھا کیونکہ عیسیٰ کی پیدائش سے لیکر عیسیٰ کی موت تک مکمل علم اللہ نے مریم پر اتار دیا ہوا تھا فرق صرف یہ تھا کہ مریم کا معاملہ یہ تھا جیسے کہ وہ یہ سب مکمل طور پر بھول چکی ہے اور جیسے جیسے کوئی واقعہ وقوع پذیر

ہوتا تو مریم کو یاد آجاتا۔ان میں سے جب درج ذیل واقعہ وقوع پذیر ہوا اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ تو اس کے بعد یہ ہوا
قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَايَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.

آل عمران ۴۷

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ کہا میرے ربّ یعنی یہ مریم اپنے ربّ فطرت سے کہہ رہی تھی اور فطرت سے کلام زبان سے نہیں کیا جاتا بلکہ آپ اپنے اعمال کے ذریعے ہر لمحے فطرت سے کلام کر رہے ہیں حالانکہ آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہے مریم نے اپنے اعمال کی صورت میں اپنے ربّ یعنی فطرت سے کہا کہاں ہے کہ میرے لیے ہو رہا ہے جنم دینا اور نہیں مجھ پر اثر انداز ہوا اس مقصد کے لیے بشر قَالَ کہا یعنی آگے سے ربّ نے جواب دیا فطرت نے جواب دیا كَذٰلِكِ بالکل اسی طرح ہوگا یعنی بشر مس کرے گا اور لڑکا پیدا ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کون کرے گا تو آگے اسی کا جواب موجود ہے اللّٰهُ اللہ ہے يَخْلُقُ مَايَشَآءُ خلق کر رہا ہے جو اس کا قانون ہے یعنی تجھے اگر کوئی بشر مس نہیں کر رہا تو اس لیے کہ اللہ خلق کر رہا ہے جیسے اس کا قانون ہے اللہ کا قانون یہ ہے کہ طیب مردوں کے لیے طیب عورتیں اور طیب عورتوں کے لیے طیب مرد تو جیسے اللہ تجھے خلق کر رہا ہے اس مقصد کے لیے ایسے ہی اللہ ایک مرد کو بھی اس مقصد کے لیے خلق کر رہا ہے اور بالکل ویسے ہی ہوگا جیسے کہ بچے کو جنم دیا جاتا ہے یعنی بشر کے مس کرنے سے اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا تب جب کام کرنا ناگزیر ہو جائے گا یعنی جب اس کام کے کرنے کا وقت آجائے گا تب فَاِنَّمَا يَقُوْلُ پس اس میں کچھ شک نہیں جو کہہ رہا ہے لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کو ہو جا پس گویا کہ خود ہی ہو رہا ہے۔

مریم جب بالغ ہو چکی تھی اور بالغ ہوئے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو مریم چونکہ اکیلی تھی یہ بھی وجہ تھی کہ مریم کی شادی نہیں ہو رہی تھی اور اس کے علاوہ وہ غریب بھی تھی اس وجہ سے بھی اس کی شادی نہیں ہو رہی تھی اب مریم کی تو چاہت تھی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کو اللہ کا عبد بنائے اس کی پرورش و تربیت ایسی کرے لیکن اس کے لیے شادی کا ہونا لازم تھا جو کہ بظاہر حالات و واقعات کی وجہ سے نہیں ہو رہی تھی لیکن اللہ نے وقت آنے پر اس کا جواب دیا یعنی پھر بالآخر وقت آیا جب مریم کو اس سوال کا جواب مل گیا کہ اس کی شادی کیوں نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اللہ خلق کرتا ہے جیسے اس کا قانون ہے۔ اب ایک طرف اللہ نے مریم کو خلق کیا مریم خالص اللہ کی خلق تھی طیب تھی تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ فرط کر دے یعنی اللہ کچھ خلق کر کے اس کی ضروریات کیا ہیں انہیں خلق کرنا بھول جائے یا انہی میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی یا کجی کر دے؟ یا پھر جسے اللہ نے خلق کیا اللہ اس کا رزق خلق کرنے کی بجائے رزق کے لیے جو اس کے شریک ہیں ان کا محتاج بنا دے؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہیں تو جب مریم اللہ کی خلق تھی اور مریم بالغ ہو چکی تھی اب اس کا رزق ایک مرد تھا تو پھر اللہ مریم کا رزق خلق کرنا بھول نہیں گیا تھا بلکہ اللہ تو اپنا کام کر رہا تھا جیسے اس کا قانون ہے۔

ایک طرف اللہ مریم کو خلق کر رہا تھا اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لایا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس مقام پر لا رہا تھا تو وہیں اللہ دوسری طرف اس کے بالغ ہونے پر اس کا رزق ایک طیب مرد بھی خلق کر رہا تھا۔

اللہ ایک طرف ایک طیب مرد کو جس مقصد کے لیے خلق کر کے پروان چڑھا رہا تھا تو عین اسی وقت دوسری طرف اللہ آگے چل کر اس کے بالغ ہونے پر اس کا رزق طیب عورت بھی خلق کر رہا تھا جو کہ مریم تھی۔

مریم کی عمر کی تمام لڑکیوں کی شادیاں ہو چکیں تھیں ان کی اولاد بھی تھی لیکن دوسری طرف مریم تھی جس کی ابھی تک شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور مریم جب انہیں دیکھتی تو مریم کے دل میں بھی شادی اور اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو دل ہی دل میں اپنے ربّ سے شکوہ کرتی آگے سے ربّ کا جواب یہی تھا کہ بالکل ویسے ہی ہوگا یعنی شادی ہوگی اور اولاد بھی ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا. مریم ۱۶

وَاذْكُرْ اور کیا کرنا ہے؟ ذکر کر یعنی یاد دلا، آج اس وقت اللہ اپنے رسول سے کہہ رہا ہے کہ جو آج سے چودہ صدیاں قبل حق ان پر کھول کھول کر واضح کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اسے بھلا دیا اسے یاد دلا، اسے آج پھر ان پر کھول کھول کر واضح کر دے فِي الْكِتٰبِ اس الکتاب میں یعنی اس مخصوص کتاب میں جس کے

بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل کہا گیا تھا کہ آگے چل کر تمہارے سامنے آئے گی یعنی یہ الکتاب آج جو آپ کے سامنے ہے مَـرْيَـمَ مریم تھی یعنی کیا تھی مریم؟ مریم کے بارے میں حق کیا ہے اصل حقیقت کیا ہے؟

اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا جب مریم جو اس کے اہل تھے یعنی رشتے دار وغیرہ انہیں چھوڑ کر پیچھا کر کے پکڑے جانے کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اس جگہ چلی گئی جس سے انہوں نے اس سے لاتعلقی اختیار کر لی کہ مریم آج سے ہمارے لیے مرگئی۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. مریم ۱۷

فَـاتَّـخَـذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا پس جو وہاں سے انہیں چھوڑ کر گئی جو وہ اسے تلاش کرتے رہے اس کا پیچھا کرتے رہے تو ایسی جگہ پہنچ گئی کہ ان سے ہٹ گئی درمیان میں پردہ حائل ہو گیا یعنی ایسی جگہ کہ جہاں وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے فَـاَرْسَلْنَا پس کیا ہوا تھا؟ بھیجا تھا ہم نے اِلَيْهَا رُوْحَنَا جسے بھیجا تھا اس کی طرف ہماری روح تھی فَتَمَثَّلَ لَهَا پس جو ہماری روح تھی جسے ہم نے مریم کی طرف بھیجا تھا مثل تھی اس کی یعنی مریم کی جیسے مریم کو ہم نے خلق کیا تھا وہ طیب تھی بالکل ایسے ہی اسے بھی ہم نے خلق کیا وہ طیب تھا بَشَــرًا ایک بشر تھا سَــوِيًّـــا جسے اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھایا تھا۔

ان آیات میں اللہ کا کہنا ہے کہ مریم اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر چلی گئی تھی ایسی حالت میں کہ مریم کا پیچھا کیا گیا اس کی تلاش کی گئی اگر وہ مل جاتی تو اسے نقصان پہنچایا جاتا اور مریم ایک ایسے بشر کیساتھ گئی تھی جو بالکل مریم کی مثل تھا یعنی جیسے مریم کی پیدائش ہوئی تھی ایسے ہی اس بشر لڑکے کی بھی پیدائش ہوئی تھی جیسے مریم کا رزق طیب تھا وہ اللہ کا رزق استعمال کرتی تھی اور وہ طیب تھی بالکل ایسے ہی وہ لڑکا بھی طیب تھا۔

یہ سارا واقعہ حقیقتاً تھا کیا اسے بالکل کھول کر واضح کرنے کا اللہ نے کہا ہے تو ایسا کرتے ہیں اسے بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
زکریا جو کہ مریم کی مدد کرتے تھے یعنی جب بھی فصل کو سمیٹنے کا وقت آتا یا ایسی ہی کوئی مدد کی ضرورت پیش آتی جو مریم کے لیے کرنا مشکل ہوتا تو اس کے لیے زکریا مریم کی مدد کیا کرتے تھے، ایک نوجوان تھا جو محنت مزدوری کی غرض سے اپنے علاقے کو چھوڑ کر یہاں رہتا تھا اس کی زکریا سے ملاقات ہوتی رہتی تھی اور وہ بھی بالکل ویسی ہی باتیں کرتا تھا جیسی مریم کرتی تھی اور جب زکریا کے ہاں یحیٰی کی پیدائش ہوئی تب زکریا نے مریم سے ذکر کیا کہ اس طرح ایک لڑکا ہے جو ہو بہو تمہاری طرح کی باتیں کرتا ہے اس کے نظریات بھی بالکل ایسے ہی ہیں جیسے تمہارے نظریات ہیں تو مریم کے دل میں اس لڑکے سے ملنے کی چاہت پیدا ہوئی اور یہ بات زکریا اس لڑکے سے بھی کرتے تھے کہ اس طرح میری بیوی کی بہن کی بیٹی ہے جو بالکل تمہاری ہی طرح کی باتیں کرتی ہے یوں زکریا جب مریم کی مدد کے لیے آیا کرتے تو اسے بھی ساتھ لے آتے تھے۔ جیسے مریم طیب تھی ایسے ہی وہ لڑکا بھی طیب تھا۔ کام کے دوران کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہی رہتی ہے بات کا کوئی نہ کوئی بہانہ بن جاتا ہے۔ اب چونکہ مریم بھی طیب تھی اور وہ لڑکا بھی طیب تو ظاہر ہے طیب تو ایک ہی وجود ہے طیب طیب کو اپنی طرف کھینچتا ہے یعنی حب کرتا ہے تو مریم اور وہ لڑکا ایک دوسرے کو چاہنے لگے ایک دوسرے کی طرف کھنچنے لگے۔

دوسری طرف مریم کے رشتہ داروں نے مریم کا رشتہ ایک ملّاں سے طے کر دیا جو کہ ایک فرقہ پرست اور اعلیٰ درجے کا جاہل شخص تھا لیکن چونکہ اس وقت ایسا ہی ماحول اور معاشرہ تھا جیسا آج ہے ملّاؤں کو سروں پر بٹھایا جاتا ہے تو بظاہر وہ دین دار تھا۔ اب مریم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور مریم کی چاہت تھی کہ اس کی شادی اس لڑکے سے ہو جو کہ اس کی مثل ہے یعنی بالکل اسی کے جیسا ہے طیب۔

مسئلہ یہ تھا کہ جیسے آج دین و مذہب کے نام پر رسم و رواج اور فرقہ واریت و فرقہ پرستی عام ہے بالکل یہی اس وقت بھی تھا۔ جیسے آج خود کو امت محمد یا مسلمان کہلوانے والے فرقوں میں تقسیم ہیں اور ہر فرقے کا گمان ہے کہ صرف اور صرف وہی حق پر ہے باقی سب کے سب کافر و مشرک ہیں بالکل یہی حالت اس وقت امت بنی اسرائیل کی تھی۔ جیسے آج کسی دوسرے فرقے میں نکاح جائز نہیں اور اگر کوئی کرتا ہے تو وہ نکاح نہیں بلکہ زنا کہلائے گا بالکل یہی اس وقت بھی تھا نکاح کے لیے ذات پات، اور فرقہ سب سے اہم تھا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے فرقے سے باہر نکاح کا کوئی تصور نہیں تھا اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا تو اس پر فتوے جاری کر دیئے جاتے اس کی جان تنگ کر دی جاتی اسے معاشرے میں طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

جیسے آج دین و مذہب کے نام پر طرح طرح کے رسم و رواج عام ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت بھی دین و مذہب کے نام پر آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے رسم و رواج، عقائد و نظریات عام تھے جن کے خلاف سوچنا بھی بہت بڑا جرم تھا اور اگر کوئی ان رسم و رواج، عقائد و نظریات کے خلاف کرتا تو اس کو

کسی بھی صورت برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔

جیسے آج کسی کو نہیں علم کہ اصل میں نکاح ہے کیا اور مذہبی رسم ورواج کے نام پر خرافات کو نکاح کا نام دیا جاتا ہے جو ان مذہبی رسم ورواج کو پورا نہیں کرتا تو اس کا نکاح نہیں کہلاتا بلکہ زنا کہلاتا ہے بالکل ایسے ہی اس وقت بنی اسرائیل میں یہ سب عام تھا۔ اگر کوئی مذہبی رسم ورواج کو پورا کرتا ہے تو وہ نکاح کہلائے گا اور اگر کوئی ان رسم ورواج سے بغاوت کرتا ہے تو اسے نکاح نہیں مانا جاتا تھا بلکہ ایسا کرنے والے کو زانی کہا جاتا تھا۔

اب مسئلہ یہ تھا ایک تو مریم کا رشتہ طے کیا جا چکا ہوا تھا اور وہ بھی مذہبی گھرانے میں اور رشتہ کرنے سے پہلے مریم کو پوچھا بھی گیا تھا اور مریم نے دین دار ہونے کی شرط رکھی تھی اور انہوں نے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ملّاں سے رشتہ طے کر دیا تھا اور دوسری بات کہ مریم کا خاندان جس ذات پات اور فرقے سے تعلق رکھتا تھا وہ لڑکا اس ذات پات اور فرقے کا نہیں تھا تو ایسی صورت میں مریم چاہ کر بھی اس لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ اگر کسی کو اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی تو نہ صرف مریم کو قتل کر دیا جاتا بلکہ اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا جاتا۔

مریم کی اس ملّاں سے شادی کی تیاری زور وشور سے جاری تھی اور جب شادی کا دن سر پر آ گیا تو مریم نے اور اس لڑکے نے جو کہ اللہ کا بھیجا ہوا تھا دونوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ شادی کر لیں گے اور یہاں رہتے ہوئے تو ان کی شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا جاتا اور بالآخر دونوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اور پھر جب پتہ چلا کہ مریم غائب ہے تو پورے علاقے میں دور دور تک شور مچ گیا کہ مریم ایک لڑکے کیساتھ بھاگ گئی ہے مریم کی تلاش کے لیے رات دن ایک کر دیا گیا خاندان تو خاندان پورے علاقے کی جاہل عوام نے یہ طے کر لیا کہ انہیں پکڑ کر رجم کیا جائے گا انہوں نے یہ بہت بڑا جرم کیا ہے یہ حرام کام کیا ہے۔

وہ لوگ مریم کو تلاش کرتے رہے اور مریم اس لڑکے کیساتھ اسی علاقے میں تھی لیکن ایسی جگہ پر کہ ان کے درمیان پردہ حائل تھا یعنی جہاں مریم اور وہ لڑکا چھپ گئے تھے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا یوں جب وہ تلاش کر کے تھک ہار گئے مریم نہ ملی تو انہوں نے یہ طے کر لیا کہ آج سے وہ لڑکی ہمارے لیے مر گئی ہمارا اس کیساتھ کوئی تعلق نہیں، اس نے ہماری ناک کٹوا دی ہمیں معاشرے میں ذلیل ورسوا کر دیا۔

مریم کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہوگا بلکہ مریم نے تو یہی سوچا تھا کہ فی الحال نہ صرف شادی سے بچ جاؤں گی بلکہ بعد میں حالات معمول پر آ جائیں گے تو کسی نہ کسی طریقے سے مسئلہ حل ہو ہی جائے گا ہو سکتا ہے رشتے دار یہی سوچیں کہ جو یہ کرنا چاہتی ہے کرے لیکن آپ جانتے ہیں جیسے کہ آج مذہبی معاشرے ہیں اگر کوئی لڑکی لڑکا ایک دوسرے سے حب کرتے ہیں اور وہ شادی کرنا چاہتے ہیں تو اسے پسند نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی لڑکی لڑکا ایسا قدم اٹھاتے ہیں تو ان کے خاندان والے بالخصوص لڑکی کے خاندان والے سمجھتے ہیں کہ ان کی ناک کٹ گئی انہیں ان کی لڑکی نے اپنے اس اقدام سے معاشرے میں ذلیل ورسوا کر دیا کہیں کا نہیں چھوڑا اور لوگ ساری زندگی انہیں طعنے دیتے ہیں بالکل یہی حالت اس وقت تھی اور اسی وجہ سے مریم کی توقعات کے برعکس ہوا۔

اللہ نے کہا کہ وہ ہماری روح تھی جو کہ بالکل مریم کی مثل بشر تھا جو اللہ نے اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھایا تھا اور اللہ نے بھیجا تھا اسے مریم کی طرف۔ اب جب آپ پر اللہ کیا ہے ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا ہے تو آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی کہ اللہ نے اسے کیسے بھیجا، اللہ تو فطرت ہے تو غور کریں فطرت کیسے آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے؟ حالات ہی ایسے بن جاتے ہیں کہ آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے آپ کو نہیں علم ہوتا کہ کل آپ کو کہاں جانا ہے یا آپ کو نہیں علم ہوتا کہ آپ نے اپنی زندگی میں کہاں کہاں کا سفر کرنا ہے کیا کیا کرنا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے تو حالات آپ سے کرواتے چلے جاتے ہیں یہ ہے اللہ کا کروانا اللہ کا کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

جیسے یعقوب کو پورے خاندان سمیت اللہ ہی اسرائیل سے مصر لے گیا تو غور کریں کہ کیسے لے گیا؟ حالات ہی ایسے بن گئے کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اللہ یعقوب اور اس کی ساری اولاد کو مصر میں یوسف کے پاس لے گیا یہ ہے اللہ کا لے کر جانا۔ ایسے ہی حالات اس لڑکے کو مریم کی طرف لے آئے تھے نہ کہ ایسا ہوا کہ کسی نے آ کر اس لڑکے کو کہا کہ جاؤ مریم کی طرف۔

مریم کے اس لڑکے کیساتھ چلے جانے کے بعد اس کا مورد الزام زکریا کو ٹھہرایا گیا کہ یہ سب زکریا کی وجہ سے ہوا ہے اس کا ذمہ دار زکریا ہے یہ زکریا ہی ہے جو اس لڑکے کو مریم کے پاس لے جایا کرتا تھا یہ سب زکریا کی ناک کے نیچے ہوا یعنی زکریا کو مفسدین میں سے قرار دیا گیا لیکن اللہ نے قرآن میں گواہی دی ہے

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. الانعام ۸۵

زکریا مفسدین میں سے نہیں تھا بلکہ زکریا صالحین یعنی اصلاح کرنے والوں میں سے تھا وہ بگاڑ کرنے والوں میں سے نہیں بلکہ بگاڑ کو دور کر کے اصلاح کرنے والوں میں سے تھا فساد یعنی بگاڑ تو تم لوگ کر رہے تھے طیب لڑکی کا نکاح خبیث مشرک کیساتھ کر رہے تھے اگر یہ سب زکریا کی وجہ سے ہوا تو یہ فساد یعنی بگاڑ نہیں بلکہ تمہارے کیے ہوئے فساد یعنی بگاڑ کو زکریا نے دور کیا مریم طیب تھی تو اس کا رزق بھی طیب ہونا چاہیے جو کہ زکریا کی وجہ سے اسے اس کا طیب رزق ملا۔ اور اسی کا ذکر اللہ نے ایک اور پہلو سے سورۃ مریم میں بھی کیا۔ زکریا کو مریم کے لیے اس کے ربّ کی رحمہ یعنی حفاظت قرار دیا یعنی زکریا نے مریم کو تباہی ونقصان سے اس کا متبادل فراہم کر کے محفوظ کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا. مریم ۲

جو بھول چکے اسے یاد کر رہے ہو تیرے ربّ کی رحمت اپنے ربّ کا غلام زکریا یعنی زکریا نے اپنے ربّ اللہ جو کہ فطرت ہے اس کی غلامی کی تو زکریا تیرے ربّ کی طرف سے مریم کے لیے رحمت بنا یعنی مریم کو لاحق ہونے والی تباہی ونقصان سے اس کا متبادل فراہم کر کے محفوظ کر دیا۔

مریم کے رشتے دار اس کا عقد ایک مشرک ملّاں کیساتھ کرنے والے تھے لیکن زکریا نے مریم کو اس کا متبادل طیب لڑکا فراہم کر کے اسے اس تباہی سے محفوظ کر دیا۔ وہاں سے بھاگنے کے بعد مریم اور وہ لڑکا دونوں اکیلے تھے نہ تو کوئی کام کاج تھا اور نہ ہی وقت گزارنے کا کوئی اور ذریعہ یوں دونوں ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تو جو ہوا اللہ نے درج ذیل آیت کی صورت میں اس کی تاریخ اتاری۔

قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا. مریم ۱۸

جیسا کہ پیچھے واضح کر دیا گیا کہ جیسے آج نکاح کے نام پر طرح طرح کے مذہبی رسم ورواج عام ہیں اور اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرتا ہے یا انہیں پورا نہیں کرتا مثلاً ایک مولوی کا ہونا اس کے علاوہ گواہوں کا ہونا، ولی کے نام پر کسی کا ہونا وغیرہ اگر ان کا انکار کیا جاتا ہے ان رسم ورواج کو پورا نہیں کیا جاتا تو وہ نکاح نہیں بلکہ زنا سمجھا اور کہلایا جاتا ہے بالکل ایسے ہی اس وقت بھی مذہبی رسم و رواج عام تھے جن پر پورا اترنا ہی نکاح ورنہ زنا سمجھا جاتا تھا۔ جب وہ لڑکا مریم کے قریب آنے لگا تو مریم کے دل ودماغ میں یہی سب آیا کہ ہمارا تو ابھی نکاح نہیں ہوا یعنی جو رسم ورواج عام تھے ہم نے وہ پورے نہیں کیے اس لیے ابھی میرے قریب مت آؤ۔

یہ ہے اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ مریم سمجھ رہی تھی کہ نکاح کے لیے کم از کم جو دین کے نام پر کیا جاتا ہے یعنی گواہوں کا ہونا اور مولوی وغیرہ کا ہونا یہ الرحمٰن ہے الرحمٰن کا عائد کردہ ہے اس لیے اس کا ہونا لازم ہے اگر اس کے بغیر ہم ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو یہ حرام ہوگا اس لیے مریم نے اسے اپنے قریب آنے سے منع کر دیا اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا تُو جو کر رہا ہے نہیں الرحمٰن سے بچ رہا یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم پہلے نکاح کے نام پر جو رسم ورواج پورے کیے جاتے ہیں جو کہ لازم تصور کیے جاتے ہیں انہیں پورا کریں پھر ایک دوسرے کے قریب آئیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا. مریم ۱۹

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ جواب دیا اس میں کچھ شک نہیں جو میں کر رہا ہوں میں بھیجا ہوا ہوں تیرے ربّ یعنی فطرت کا اور کس مقصد کے لیے بھیجا ہوا ہوں آگے یہ بھی واضح کر دیا لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا اس لیے بھیجا ہوا ہوں تیرے ربّ کی طرف سے تجھے ہر طرح سے آزما کر جب کہ تُو اس کی اہل ثابت ہو چکی تو تجھے ایک لڑکا دینے کے لیے جو کہ پاکیزہ یعنی ہر طرح کی خباثت سے پاک ہو فطرتی لڑکا یعنی جو خالص اللہ کی خلق ہوگا۔ جب مریم نے کہا قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا تو مریم کی مثل اس طیب بشر نے جواب دیا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ کہا اس میں کچھ شک نہیں میں تیرے ربّ الرحمٰن کا ہی بھیجا ہوا ہوں یعنی میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا بلکہ وہی ہوگا جو الرحمٰن نے کہا جس کی الرحمٰن نے اجازت دی۔ مریم کے ذہن میں اس وقت تک یہی تھا کہ الرحمٰن کو ربّ بنانا یہ ہے کہ جو مذہبی رسم ورواج ہیں ان کو پورا کریں گے تو نکاح ہوگا لیکن حق اس کے بالکل برعکس تھا جو کہ مریم پر ابھی واضح کیا ہی جانے والا تھا۔ مریم کے ذہن میں نکاح کے لیے یہی مذہبی رسم ورواج کا خاکہ تھا جس کو ذہن میں رکھتے ہوئے مریم نے کہا

قَالَتۡ اَنّٰى یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَکُ بَغِیًّا. مریم ۲۰

مریم نے کہا کہاں سے ہو رہا ہے میرے لیے لڑکا اور نہیں اس مقصد کے لیے اثر انداز ہوا مجھ پر بشر اور نہ ہی تُو کوئی ایسا کام کرنے والا ہے جس میں ربّ الرحمٰن سے ذرا بھی بغاوت ہو۔

یعنی مریم نے کہا کہ نہ تو میں ایسی ہوں کہ مجھے کوئی بشر بغیر شادی کے چھوئے اس مقصد کے لیے اور میں لڑکے کو جنم دوں اور اب تو ویسے بھی ممکن نہیں رہا کیوں کہ ولی کے بغیر نکاح ہوتا نہیں اور میں تمہارے ساتھ آ چکی ہوں اور میرے سب رشتے دار میرے دشمن بن چکے ہیں اب تو اگر ان کے ہاتھ لگ گئی تو ایک ہی انجام ہے وہ غیرت کے نام پر قتل کریں گے اور دوسرے تم بھی ایسے نہیں کہ الرحمٰن سے رائی برابر بھی بغاوت کرو یعنی بغیر شادی کے مجھے مس کرو تو کیسے اب ہو سکتا ہے کہ میں لڑکے کو جنم دوں؟

واپس اب جا نہیں سکتی اگر رشتے داروں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ قتل کر دیں گے اور تمہارے ساتھ وہ میری شادی کریں گے نہیں اب بغیر ولی کے جب نکاح ہی نہیں تو پھر لڑکا کیسے ہونے والا ہے؟ اس لیے یہ تو اب ممکن نہیں رہا۔

اب مریم ایک طرف تو اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دے رہی تھی کہ وہ ایسی عورت نہیں ہے کہ وہ رائی برابر بھی اللہ سے بغاوت کرے اور دوسری طرف مریم یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے لیے اب نکاح کے تو دروازے ہی بند ہو گئے ہیں ولی کے بغیر نکاح نہیں اور جو میرے ولی ہیں وہ کسی بھی صورت اس سے نکاح تو کریں گے نہیں اور اس سے نکاح کرنا تو دور کی بات اگر ان کے ہاتھ لگ جاتی ہوں تو وہ قتل کر دیں گے۔ تو مریم کی انہی باتوں کا جواب اس بشر نے دیا

قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا. مریم ۲۱

قَالَ کَذٰلِکِ کہا بالکل اسی طرح ہو گا یعنی جیسے الرحمٰن نے کہا جیسے الرحمٰن نے بچے کو جنم دینے کے لیے قانون بنایا ویسے ہی ہو گا قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ کہا تیرے ربّ پر یہ اور وہ اور یہ اور وہ سب کا سب بالکل آسان ہے انتہائی سمپل سادہ۔ یعنی تُو جو سمجھ رہی ہے کہ نکاح کے جو قوانین معاشرے میں پائے جاتے ہیں دین و مذہب کے نام پر یہ تیرے ربّ کے قوانین ہیں ایسا نہیں ہے یہ اتنی مشکلیں تیرے ربّ کی کھڑی کردہ نہیں ہیں بلکہ تیرے ربّ پر تو یہ سب کا سب بالکل آسان ہے انتہائی سادہ ہے سمپل۔ وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ اور ہم نے یہ اس لیے کیا لوگوں کے لیے آیت کر دی یعنی جب لوگ اس معاملے میں مریم کے نکاح و بچے کے جنم والے واقعے میں غور کریں تو ان کی ان معاملات میں راہنمائی ہو کہ انہیں کس سے اور کیسے نکاح کرنا ہے اور کیسے اولاد کو جنم دینا ہے وَ رَحۡمَۃً مِّنَّا اور ہم سے رحمہ یعنی جو نکاح اور اولاد کے جنم کے لیے طرح طرح کے سختیوں، تکالیف و مصائب بنا دیئے گئے رسم و رواج اور دین و مذہب کے نام پر قوانین کے ذریعے ان سے محفوظ ہونا کہ یہ ہے طریقہ جس طریقے سے تم ان تمام تر پریشانیوں، مصیبتوں اور سختیوں سے محفوظ رہ سکتے ہو وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا اور قدر میں یعنی اللہ کے قانون میں یہ کام ہو چکا تھا اس لیے اس کا ہونا ناگزیر تھا یعنی ہو کر رہنا تھا۔

یہاں پھر یہ بات ذہن میں ہونا لازم ہے ایسا نہیں ہے کہ اس لڑکے نے ان الفاظ کا استعمال کیا تھا بلکہ اس وقت جو ہوا تھا اس کو اللہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اس وقت جو ہوا وہ یہ تھا کہ جب مریم نے کہا کہ ہمیں پہلے نکاح کرنا چاہیے یعنی نکاح کے نام پر جو مذہبی رسم و رسواج ہیں انہیں پورا کرنا چاہیے اس کے بعد ہم ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں ورنہ یہ جرم ہو گا ہم اللہ کے باغی کہلائیں گے تو جواب میں اس لڑکے نے واضح کیا کہ جسے نکاح کہا یا سمجھا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں یہ تو بالکل بے بنیاد و باطل ہے۔

اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی فطرت کی منصوبہ بندی سے مریم کو ملنے والے بشر نے مریم پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کیا کہ نکاح کیا ہے۔

آج بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ نکاح مذہب کے نام پر کی جانے والی رسومات کا نام ہے لیکن کسی کو نہیں علم کہ نکاح ہے کیا۔ نکاح کو سمجھنے کے لیے آپ کو پہلے یہ جاننا ہو گا کہ دین کیا ہے جو کہ آپ پر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ دین فطرت ہے فطرت پر ہی قائم ہونا اصل مقصد ہے۔ جب دین فطرت پر قائم ہونا ہے تو پھر آپ خود غور کریں کہ کیا فطرت نے ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت کے ملاپ کے لیے ایسی کوئی شرائط عائد کی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ مذہبی رسومات کے نام پر جو کچھ بھی آج ہو رہا ہے جو صدیوں سے چلتا آ رہا ہے کیا یہ حق ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔

جیسے ایک گھر میں میاں بیوی اور ان کے بچے ہوتے ہیں بچے ہر اس شئے کی طرف بھاگتے ہیں جو انہیں اچھی لگتی ہے خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو اور والدین بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کے نفع ونقصان کا خیال رکھتے ہیں وہ بچوں کو ہر اس کام سے روکتے ہیں جس میں بھی ان کے لیے نقصان چھپا ہوتا ہے لیکن بچوں کو وہ نظر نہیں آ رہا ہوتا، والدین بچوں کو پیار سے بھی روکتے ہیں اور اگر پیار سے نہ رکیں تو پھر سختی کیساتھ بھی روکتے ہیں خواہ بچوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ اگر والدین اپنی ذمہ داری ترک کر دیں تو بچے نہ صرف گھر میں ہر شئے درہم برہم کر دیں گے تباہی مچا دیں گے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچا بیٹھیں گے اور جو بھی اس گھر میں ہو گا لامحالہ اسے بھی اس تباہی ونقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بالکل یہی مثال اس دنیا میں جتنے بھی بشر ہیں ان کی ہے۔ دو طرح کے بشر ہیں ایک وہ جو کہ انسان ہیں یعنی وہ خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے ہیں انہیں کچھ نہیں علم کہ وہ کون ہیں کیا ہیں ان کا اول وآخر کیا ہے وہ اس دنیا میں کیوں اور کس مقصد کے لیے آئے یوں انہیں جو بھی اچھا لگتا ہے انہیں جس میں بھی اپنے لیے فائدہ نظر آتا ہے وہ بچوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اس کے حصول کے لیے جو بھی کرنا پڑے کرتے ہیں انہیں جو صلاحیتیں دی گئیں ان کا اسی کے پیچھے استعمال کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہو گا تو وہ آسمانوں وزمین میں سب کچھ درہم برہم کر دیں، آسمانوں وزمین میں کچھ بھی سلامت نہ رہے اور دوسری طرح کے بشر وہ ہیں جن پر حق کھل کر واضح ہو جاتا ہے جو اپنی حقیقت کو پا لیتے ہیں اور یوں ان پر بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ اس دنیا میں ان کی موجودگی کا مقصد کیا ہے۔ ان کی ذمہ داری ومقصد بالکل وہی ہے جو مقصد وذمہ داری گھر میں والدین کی ہوتی ہے جب ان کے بچے چھوٹے ہوتے ہیں ان کے محتاج ہوتے ہیں۔

یعنی دنیا میں جتنے بھی بشر ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو انسان یعنی بھولے کے بھولے ہی ہیں اور دوسری وہ جو انسان نہیں یعنی خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے نہیں رہے بلکہ انہوں نے غور وفکر کر کے وہ یاد کر لیا جو وہ خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے۔

جو انسان ہیں یعنی خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے ہیں انہیں نہیں علم کہ ان کی حقیقت کیا ہے وہ کون ہیں کیا ہیں اس دنیا میں آنے کا ان کا مقصد کیا ہے ان کا معاملہ بچوں کی طرح ہے انہیں جو بھی اچھا لگتا ہے اس کے حصول کے لیے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کچھ علم نہیں ہوتا کہ جس میں وہ اپنے لیے فائدے دیکھ اور سمجھ رہے ہیں حقیقت میں اگر وہ کام کیا گیا اس شئے کو حاصل کرنے کے لیے انہیں دی گئی صلاحیتوں کا استعمال کیا گیا تو آسمانوں وزمین میں ہر شئے میں خرابیاں ہو جائیں گی اور وہ بلاخوف وخطر اسی میں اپنا فائدہ سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے لگ کر آسمانوں وزمین میں فساد کرتے ہیں یعنی مخلوقات کو ان کے مقامات سے بدلتے ہیں فطرت میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔

آپ پر یہ بھی کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ آسمانوں وزمین کی مثال بالکل آپ کے جسم کی سی ہے یا پھر یوں کہیں کہ ایک مشین کی سی اگر کوئی ایک بھی شئے اپنے مقام سے ہٹے گی تو پورے وجود میں خرابیاں ہو جائیں گی یعنی مخلوقات میں جو ربط قائم ہے جس کی وجہ سے تسلسل اور نظم قائم ہے وہ ربط ٹوٹ کر تسلسل میں تعطل آ جائے گا جس سے نظم برقرار نہیں رہے گا یوں آسمانوں وزمین میں ہر شئے میں خرابیاں ہو کر تباہیاں آئیں گی۔

دوسری طرح کے بشر جو کہ انسان نہیں ہیں یعنی وہ خود کو بھولے ہوئے نہیں رہے بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو یاد کر لیا تو جب انہوں نے غور وفکر کر کے اپنی ہی ذات کو یاد کر لیا تو ان کی اپنی ذات اللہ نکلی یعنی جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ ان کا اپنا ہی وجود ہے لیکن اس وقت وہ بطور امتحان اس بشر کی صورت میں اس دنیا میں موجود ہیں اگر تو وہ اپنے آپ کو اللہ ثابت کر دیتے ہیں تو آخرت میں ان کی حقیقت اللہ ہی ہے اور اگر نہیں تو جو درجہ اس دنیا میں کمائیں گے آخرت میں وہی درجہ ملے گا۔

اب جب کہ اپنی حقیقت اللہ ہے تو پھر اب بھلا کوئی اپنے ہی وجود کو نقصان کیوں پہنچائے گا؟ اور اگر کوئی اپنے ہی وجود کو نقصان پہنچا رہا ہو تو کیا اسے اپنے ہی وجود کو نقصان پہنچانے دیا جائے گا یا پھر اسے روکا جائے گا؟ تو حقیقت بالکل واضح ہے کہ اسے روکا جائے گا تو یہی ذمہ داری اس دنیا میں دوسری قسم کے جو بشر ہیں ان کی ہے۔

ایسے تمام کے تمام بشر گویا کہ ایک ہی وجود ہے تو وہ ایک وجود بن کر دنیا میں آنے کے اس مقصد کو پورا کرتے ہیں یعنی آسمانوں وزمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں انہیں نقصان نہیں پہنچانے دیتے ہر مخلوق کو اس کے اپنے مقام پر رہنے دیتے ہیں اور جو انہیں ہٹانے والے ہیں یعنی انسان انہیں بھی ان کے مقام پر قائم کرتے

ہیں جسے قرآن میں الصلاۃ کہا گیا۔

الصلاۃ صل سے ہے جس کے معنی ہیں شئے کا اپنے اصل مقام پر ہونا اپنی لائن پر ہونا اور الصلاۃ کا معنی ہے اس زمین میں ہر مخلوق کو اس کے اصل مقام اس کی اصل لائن پر رہنے دینا اور اگر کوئی اپنے مقام سے اپنی لائن سے ضل ہے یعنی ہٹی ہوئی ہے تو اسے اس کے مقام اس کی اصل لائن پر لانا اس کے اصل مقام پر قائم کرنا جس سے یہ ہوگا کہ اگر زمین میں کہیں کوئی خرابیاں ہیں تو وہ دور ہو کر زمین کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر یہ ذمہ داری پوری نہ کی گئی تو ظاہر ہے اگر والدین گھر میں بچوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیں گے اپنی ذمہ داری کو بھول جائیں گے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ بچے گھر کی حالت کیا کریں گے؟ نتیجہ سامنے دیوار پر لکھا ہے۔

یوں دوسری قسم کے جو بشر ہیں جو کہ انسان نہیں بلکہ ان کی صورت میں اللہ ہی کا وجود ہے اللہ ہے تو وہ ایک وجود کی صورت اختیار کرتے ہیں جیسے وجود میں یعنی جسم میں ایک دماغ ہوتا ہے جو کہ پورے وجود کو چلاتا ہے تمام کے تمام اعضاء اس کے ٹولز ہوتے ہیں وہ ان کے ذریعے انہی پر مشتمل اپنے وجود کی دیکھ بھال کرتا ہے پورے وجود کا خیال رکھتا ہے ایسے ہی ان میں ایک بشر کو اپنا دماغ یعنی امام بنالیا جاتا ہے اور پھر جیسے نفس یعنی دماغ آنکھوں سے دیکھتا ہے، کانوں سے سنتا ہے، زبان سے بولتا ہے، ہاتھوں سے کرتا ہے، پاؤں سے چلتا ہے وغیرہ ایسے ہی باقی بشر اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے کوئی اس کی آنکھیں بن جاتا ہے، کوئی اس کے کان، کوئی اس کی زبان، کوئی اس کی ٹانگیں اور کوئی اس کے ہاتھ اور انسان وجود میں ایسی ہی اہمیت وحیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ باقی مخلوقات کی اہمیت وحیثیت ہے۔

جو بشر آنکھوں، کانوں، زبان، پاؤں اور ہاتھوں کی حیثیت رکھتے ہیں وہ اس کے وزراء کہلاتے ہیں یوں ایک حکومتی ڈھانچہ وضع ہو جاتا ہے بالکل وہی حکومتی ڈھانچہ جو آپ کو فطرت کی ایک ایک خلق میں ملے گا، جو چھوٹی سے چھوٹی خلق سے لیکر کل کے کل وجود میں ملے گا جو آپ کے اپنے ہی اس وجود میں آپ کو ملے گا۔

ان کا کام ہے انسانوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنا جیسے والدین گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں بالکل ایسے ہی ان کا کام ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس گھر یعنی زمین اور اس میں بچوں کی مانند جو انسان ہیں ان کا خیال رکھنا انہیں ہر اس کام سے روکنا جس سے اس گھر زمین میں کہیں بھی کوئی خرابی ہو، انسانوں کا کام ہی یہی ہے کہ وہ ہر اس شئے کے پیچھے بھاگتے ہیں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں بھی انہیں اپنے لیے فائدہ نظر آتا ہے خواہ وہ حقیقت میں آگ ہی کیوں نہ ہو۔ انسان صرف اور صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جب تک کہ وہ سامنے نہیں آجاتا اور تب دیکھنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کے بشر یعنی جو انسان نہیں ہیں وہ المیز ان یعنی آسمانوں وزمین میں جو بہترین اور پیچیدہ ترین توازن وضع کیا گیا ہے اس کو قسط کے ساتھ قائم رکھتے ہیں یعنی زمین میں اگر اشیاء کو صرف استعمال ہی کرتے جائیں گے واپس ان کا متبادل نہیں رکھیں گے تو میزان میں خسارہ ہو کر زمین میں تباہیاں آئیں گی جنہیں روکنے کے لیے میزان کا قائم رہنا لازم ہے تو وہ انسانوں کو قسط کے ساتھ قائم کرتے ہیں یعنی مثال کے طور پر اگر لکڑی کی ضرورت ہے تو اس کے لیے درخت کاٹا جائے گا اب اگر درخت کاٹ کر لکڑی حاصل کر لی اور واپس وہاں اتنا ہی وزن قسط کیساتھ نہ رکھا یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے واپس وہاں درخت نہ رکھا تو جو توازن وضع کیا گیا ہوا ہے اس میں خسارہ ہو جائے گا اور بالآخر تباہیاں آئیں گی اور سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا تباہ و برباد ہو جائے گا اس لیے وہ لوگوں پر ان کی ذمہ داری نہ صرف کھول کھول کر واضح کرتے ہیں پہلی بات کہ کون کون سی اشیاء کو وہ زمین میں استعمال کر سکتے ہیں اور پھر جب ان میں سے کچھ بھی استعمال کرنا ہے تو اسے قسط کیساتھ واپس بھی رکھنا ہے اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو پھر اس کے لیے وہ سختی کرتے ہیں ڈنڈے کا استعمال کر کے قسط کیساتھ المیز ان کو قائم کرتے ہیں۔

یہ ہے ذمہ داری دوسری قسم کے جو بشر ہیں ان کی۔

اب جب ایک بشر بوڑھا ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا نائب وہاں چھوڑ کر جائے یعنی اگر وہ اپنے مقام سے ہٹے گا تو میزان میں خسارہ ہو جائے گا اس لیے اس پر یہ لازم تھا کہ وہ قسط کیساتھ وہاں اپنا متبادل رکھ کر دنیا سے جائے جس کے لیے اسے اپنے جیسے نوجوان بشر کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنا متبادل بشر کہاں سے لائے؟ تو اسی کے لیے کہا کہ قسط کیساتھ یعنی وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا متبادل بشر لیکر آئے، جس کے لیے

اللہ نے یعنی اسی وجود فطرت نے یہ نظام بنا دیا کہ مرد اور عورت کے اختلاط سے ننھا سا بشر وجود میں آتا ہے جسے آہستہ آہستہ یعنی قسط قسط کیساتھ پروان چڑھا کر اس مقام پر لایا جاتا ہے کہ جس مقام پر آ کر وہ آپ کا متبادل بن سکے۔

مرد اور عورت کے اختلاط کا مقصد ہے بشر دنیا میں لانا نہ کہ مرد اور عورت کے اختلاط کا مقصد جنسی لذت ہے۔ اللہ نے یہ عظیم احسان کیا کہ اللہ نے اس میں لذت رکھ دی اگر لذت نہ رکھی ہوتی تو یہی عمل ہر بشر کے لیے بوجھ ہوتا جسے کوئی بھی نہ کرتا۔

آپ جو طرح طرح کے ثمرات کھاتے ہیں جو کہ آپ کا رزق ہے اس کا مقصد ذائقے کا حصول نہیں ہوتا یعنی آپ لذت کے لیے نہیں کھاتے بلکہ ان کے کھانے کا اصل مقصد ہے جسم کو اس کی ضروریات فراہم کرنا جو کہ انتہائی قلیل مقدار میں وہ عناصر ہوتے ہیں جن عناصر سے جسم کو خلق کیا گیا۔ جیسا کہ لوہا، تانبہ، گندھک سمیت ایسے ہی طرح طرح کے عناصر ہیں۔ یہ عناصر انتہائی قلیل مقدار میں آپ کے جسم کی ضرورت ہوتے ہیں اتنی قلیل مقدار کہ اسے پکڑنا تو دور کی بات براہ راست آنکھ سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔

اللہ نے یعنی فطرت نے انتہائی عظیم احسان کر دیا کہ ان عناصر کو طرح طرح کے رنگوں اور ذائقوں سے مزین کر دیا ان میں لذت رکھ دی تاکہ آپ اپنی مرضی اور خوشی سے نہ صرف اپنے جسم کو اس کی ضرویات فراہم کریں بلکہ اس میں آپ کے لیے لذت بھی رکھ دی۔ اب اصل مقصد لذت کا حصول نہیں بلکہ اصل مقصد تو جسم کو وہ عناصر فراہم کرنا ہے جو جسم کی ضروریات ہیں تاکہ جسم کو اس کی ضروریات فراہم کرنے سے جسم بالکل صحیح رہے اور اس جسم سے اس مقصد کو پورا کیا جا سکے جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

اور اگر کوئی اس مقصد سے غافل ہے یا اسے اس مقصد کا علم ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے اس کے لیے اصل مقصد تو لذت ہوگی اور وہ لذت ہی کو اپنا اصل مقصد و مشن سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے لگا رہے گا یوں لذت فتنہ یعنی امتحان ثابت ہو جاتی ہے یعنی آپ لذت کے دھوکے کا شکار ہو کر اسے ہی اصل مقصد و مشن بنا بیٹھے اور جو اصل مقصد و مشن ہے اس کا آپ کو علم ہی نہیں آپ اس سے غافل ہو کر مجرم بن جاتے ہیں۔

بالکل ایسے ہی ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط کا اصل مقصد لذت کا حصول نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو قسط کے ساتھ المیزان قائم رکھنے کے لیے اپنا متبادل بشر لانا ہے۔ اور اگر کوئی لذت کے پیچھے پڑتا ہے اسے ہی اصل مقصد سمجھ لیتا ہے تو وہ اس فتنے کا شکار ہو کر دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو جائے گا ہلاکت کا شکار ہو جائے گا۔

اللہ جو کہ اسی کا ہی وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یعنی فطرت، فطرت اپنے شریک یعنی اپنے علاوہ کسی بھی دوسرے وجود کو قبول نہیں کرتی اس لیے اگر کوئی بچہ دنیا میں آتا ہے اور وہ فطرتی نہیں ہے یعنی خالص اللہ کا خلق کردہ نہیں ہے تو فطرت اسے قبول نہیں کرتی، فطرت صرف اور صرف اپنے وجود یعنی فطرت کو ہی قبول کرتی ہے۔

اس لیے اللہ نے جو آپ کا رزق ہے اس کے لیے طیبات کو حلال کیا ہے۔ حلال کہتے ہیں جس کی اجازت دی گئی اور اس کی ضد حرام ہے جس کا معنی ہے جس کے کرنے یا جس کے استعمال کی اجازت نہیں دی بلکہ منع کر دیا۔

جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اس کا رزق ایک بالغ لڑکا بن جاتا ہے یعنی اس کی ضرورت ایک بالغ لڑکا ہوتا ہے اور ایسے ہی جب ایک لڑکا بالغ ہوتا ہے تو اس کا رزق یعنی اس کی ضرورت ایک بالغ لڑکی بن جاتی ہے اور اللہ نے حلال کیا ہے طیبات کو۔

طیب کہتے ہیں اس شئے کو جو فطرت کے قوانین کے تحت نہ صرف وجود میں آئی یا لائی گئی بلکہ اس کے استعمال کیے جانے تک اس میں کسی بھی قسم کی کسی دوسرے نے مداخلت نہیں کی یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد فطرتی شئے اور وہ فطرتی شئے جس کے استعمال سے استعمال کرنے والے کے نفس یعنی دماغ پر کسی قسم کا کوئی منفی اثر مرتب نہ کرے، نہ ہی اسکے جسم پر، نہ ہی خاندان، گلی، محلے، معاشرے یہاں تک کہ آسمانوں و زمین میں اس کے استعمال سے کہیں بھی منفی اثرات مرتب نہ ہوں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہو۔

اب جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اس کا رزق ایک طیب مرد ہونا چاہیے اگر دونوں طیب ہیں تو ان سے وجود میں آنے والی ان کی اولاد حلال اولاد ہو گی یعنی جس کی اجازت دی گئی بالکل اسی طرح اسے وجود میں لایا گیا اسے جنم دیا گیا اور اگر والدین طیب نہیں ہیں تو ان کے اختلاط سے وجود میں آنے والی اولاد حلال

نہیں بلکہ حرام ہوگی انہوں نے جو کیا وہ حلال نہیں بلکہ حرام کیا جسے عربی میں زنا کہا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی طیب نہیں تو وہ دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے خواہ کتنے ہی رسم ورواج کو پورا کرے، وہ دین و مذہب کے نام پر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرلے وہ اللہ کے قانون میں نکاح نہیں بلکہ زنا ہوگا اور اگر کوئی مرد وعورت دونوں طیب ہیں اور وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ جس مقصد کے لیے دنیا میں لائے گئے اس مقصد کو پورا کرتے ہوئے قسط کے ساتھ المیز ان قائم کرنے کے لیے اپنے متبادل کے طور پر مرد وعورت وجود میں لا کر انہیں اس مقام پر لائیں گے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل بن جائیں اور وہ اس کے لیے دنیا میں کسی ایک کو بھی اپنا گواہ مقرر نہیں کرتے وہ دنیا کے کسی بھی قانون کو فالو نہیں کرتے وہ کسی ایک بھی رسم کو پورا نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ کسی کو بھی اس بارے میں آگاہ نہیں کرتے تو وہ اللہ کے قانون میں حرام یعنی زنا نہیں بلکہ حلال ہوگا نکاح ہوگا۔

ایک طیب مرد اور ایک طیب عورت اگر وہ پہلے سے کسی کے نکاح میں نہیں تو وہ اس کے لیے دنیا میں کسی بھی انسان قانون یا رسم ورواج کے پابند نہیں ہیں خواہ وہ دین و مذہب کے نام پر ہو یا پھر کسی بھی نام پر۔

فطرت نے صرف اور صرف طیب ہونے کی شرط عائد کی ہے اس کے علاوہ اللہ نے کوئی شرط عائد نہیں کی۔ یہی حق اس مریم کی مثل طیب بشر نے مریم پر واضح کیا تو مریم نے فوراً اس حق کو قبول کر لیا اور مریم جو پہلے ڈر رہی تھی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ اگر اس نے بغیر مذہبی رسومات کو پورا کیے تعلق قائم کیا تو وہ اللہ کی باغی بن جائے گی اس کی حقیقت مریم پر بالکل کھل کر واضح ہوگئی اور مریم کو اطمینان ہو گیا۔

یہی وہ وجہ تھی کہ جب مریم واپس آئی اور اس کیساتھ اس کا بیٹا عیسیٰ تھا تو مریم پر زنا کا بہتان عظیم باندھا گیا کے اے مریم تُو بغیر شادی کیے ایک لڑکے کیساتھ بھاگ گئی تھی تُو نے کہیں کوئی نکاح نہیں کیا جو اس لڑکے کے ساتھ تُو نے تعلق قائم کیا تو یہ تُو نے زنا کیا تُو زانیہ ہے اور اس کا نتیجہ تیرا یہ بیٹا زنا کی پیداوار ہے۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے مریم پر زنا کا بہتان عظیم لگایا گیا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک جو مذہبی رسم ورواج کو پورا نہیں کرتا اور بغیر ان رسوم کو پورا کیے جنسی تعلق قائم کرلے یا ساتھ میں رہے تو وہ زنا کہلاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے آج ہو رہا ہے۔ کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ یہ دین و مذہب کے نام پر فضول قسم کے رسم ورواج اور قوانین اللہ کے عائد کردہ نہیں بلکہ یہ تو انسان کے تراشیدہ ہیں اور اللہ کا تو ایک ہی قانون ہے اور وہ ہے طیب ہونا اگر کوئی طیب نہیں تو وہ دنیا کے کسی بھی قانون پر پورا اترے، دین و مذہب کے نام پر اللہ سے منسوب کر کے کتنے ہی قوانین اور رسم ورواج کی پابندی کرلے وہ اللہ کے قانون میں زنا ہے۔ اور انسان اللہ کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہ انسانوں کی پرواہ کرتا ہے وہ انسانوں کی ملامتوں سے بچنے کے لیے، انسانوں کی باتوں سے بچنے کے لیے، انسانوں کے الزامات و بہتانات سے بچنے کے لیے ان کو اپنا الٰہ بنا لیتا ہے اور اللہ کے الٰہ ہونے کا کفر کردیتا ہے۔

مریم پر جب یہی حق واضح ہوا تو مریم نے لوگوں کی پرواہ نہ کی، مریم نے یہ نہیں سوچا کہ لوگ کیا کہیں گے، کیا تہمتیں و ملامتیں کریں گے مریم نے انسانوں سے بچنے کے بارے میں نہیں سوچا، مریم نے زمانے کی سختیوں سے بچنے کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ مریم نے اللہ کی پرواہ کی اللہ سے بچنے کو پسند کیا خواہ پوری دنیا ہی دشمن کیوں نہ بن جائے۔ مریم پر واضح ہو چکا تھا کہ ایک طرف اللہ کا قانون ہے اللہ کی چاہت ہے اور دوسری طرف اللہ کا کفر کرتے ہوئے انسانوں کی چاہت انسانوں کے قوانین، اگر انسانوں کی پرواہ کرتی ہے تو اسے ایک خبیث مرد کیساتھ شادی کرنا پڑے گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کے قانون میں حرام اولاد پیدا ہوگی اور دوسری طرف انسانوں کے قوانین و ملامتوں کا کفر کرتے ہوئے اللہ کے قانون پر پورا اتروں گی تو جس مقصد کے لیے مرد وعورت کے اختلاط کا نظام وضع کیا وہ مقصد پورا ہوگا ایک طیب بچہ وجود میں آئے گا جو کہ بڑا ہو کر اس مقصد کو پورا کرے گا جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

یہی وہ حق تھا جو مریم کی مثل طیب بشر نے مریم پر واضح کیا تو مریم مان گئی، اس نے کہا تھا کہ اگر ہماری اولاد ہوتی ہے تو وہ طیب اولاد ہوگی وہ پیدائشی اللہ کی بھیجی ہوئی ہوگی اور ہمیں جس مقصد کے لیے دنیا میں لایا گیا ہم وہ مقصد پورا کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے ورنہ اگر ہم نے دنیا والوں کی پرواہ کی تو ہم دنیا و آخرت میں ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ تھا حق کہ جب مریم نے کہا تھا قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا مریم نے ایسا اس لیے کہا تھا کیوں کہ مریم بھی تب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ معاشرے میں جو نکاح کے نام پر مذہبی رسم ورواج پائے جاتے ہیں جو شرائط پائی جاتی ہیں وہ الرحمٰن کی طرف سے ہیں اور مریم نے اسی وجہ سے کہا تھا کہ وہ الرحمٰن کے وضع کردہ قانون کے خلاف تعلق قائم نہیں کرے گی اور پھر اللہ کے بھیجے ہوئے اس مریم کی مثل طیب بشر نے جواب دیا قَالَ کَذٰلِکِ کہا بالکل اسی

طرح ہوگا یعنی جیسے الرحمن نے کہا جیسے الرحمن کا قانون ہے بالکل اسی طرح ہی ہوگا الرحمٰن کے خلاف نہیں ہوگا اور پھر واضح کیا کہ الرحمن کا قانون کیا ہے یعنی الرحمٰن کے ہاں نکاح کیا ہے قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کہا تیرے ربّ پر یہ اور یہ اور وہ وغیرہ وغیرہ سب کا سب بالکل سادہ اور آسان ہے یعنی یہ جو نکاح کے نام پر مذہبی و معاشرتی رسم ورواج ہیں، جو بندشیں ہیں، جو مشکلات ہیں یہ سب کا سب الرحمن کی طرف سے نہیں ہے بلکہ الرحمٰن کے ہاں تو نکاح بالکل سادہ اور انتہائی آسان ہے جو کہ مریم پر کھول کھول کر واضح کر دیا اور جب مریم پر حق واضح ہوا تو مریم نے صرف اور صرف الرحمٰن کی ہی پرواہ کی نہ کہ الرحمن کے نام پر شیاطین کی۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا. مریم ۲۲

پس مریم اپنے ربّ فطرت کے بھیجے ہوئے اسی کی مثل طیب بشر سے حاملہ ہوئی پس اس کیساتھ یعنی اسی بشر کیساتھ دور سے دور جگہ چلی گئی۔

مریم اور مریم کی مثل طیب بشر جو کہ فطرت کی ہی منصوبہ بندی سے مریم سے ملا تھا پہلے تو دونوں مریم کے آبائی علاقے کے قریب ہے ایک مقام پر چھپے رہے لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ کسی بھی صورت حالات معمول پر نہیں آنے والے اور اگر ان کے ہاتھ چڑھ گئے تو قتل کر دیئے جائیں اور پھر مریم حاملہ بھی ہو چکی تھی تو دونوں نے فیصلہ کیا کہ مستقل طور پر یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں دور جا کر آباد ہو جاتے ہیں اور یوں مریم جو کہ حاملہ تھی اور اس کا زوج یعنی فطرت کا منتخب کردہ اس کا جوڑا جو کہ اسی کی مثل طیب تھا دونوں وہاں سے ہجرت کر کے جتنے دور سے دور جا کر آباد ہو سکتے تھے جا کر آباد ہوئے۔ دونوں نے جب ہجرت کی تو بالکل خالی ہاتھ تھے یعنی جیسے کوئی لٹ لٹا کر کہیں جا کر آباد ہوتا ہے بالکل نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے بالکل ایسے ہی دونوں نے دور سے دور جا کر نئے سرے سے زندگی شروع کی جس کے لیے انہیں ابتداء میں بستیوں سے دور جنگل سے مماثلت رکھتے علاقے میں رہنا پڑا اور رہنے کے لیے انہوں نے کھجور کی شاخوں سے جھگی نما گھر بنایا جس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا. مریم ۲۳

پس کیا ہوا؟ آگے اسی کا جواب ہے کہ المخاض کے آنے تک یعنی بچے کو جنم دیئے جانے کا وقت آنے تک مریم کھجور کے پتوں سے بنے جھونپڑے میں رہی، اس دوران مریم نے کافی سخت سے سخت حالات کا سامنا کیا اور پھر اوپر سے بچے کو جنم دینے کا وقت بھی آ چکا تھا۔ وہ عورتیں جن کی اولاد ہے وہ جانتی ہیں کہ جب پہلے بچے کا جنم ہوتا ہے تو نہ صرف باقی بچوں کو جنم دینے کی نسبت درد بہت زیادہ ہوتا ہے بلکہ وقت بھی زیادہ لگتا ہے اور زیادہ تر عورتیں بالخصوص ایسی عورت جن کے پاس کوئی تجربہ رکھنے والی عورت یا کوئی ایسا نہ ہو جو اسے تسلی دینے والا ہو عورت گھبرا جاتی ہے اور یہی سمجھتی ہے کہ بس ابھی اسے موت آئی اب وہ نہیں بچنے والی۔ اور پھر یہ ایسا وقت ہوتا ہے اگر کوئی عورت اللہ سے بچنے والی ہو تو ایسی صورت میں اس کے دل و دماغ میں اس کے ماضی کے غلطیاں یا جنہیں وہ گناہ سمجھتی ہے جو اس سے ماضی میں سرزد ہوئے ہوتے ہیں وہ یاد آتے ہیں اور وہ سمجھتی ہے کہ اس وقت جس حالت سے وہ دوچار ہے یہ ضرور اس کے کسی گناہ ہی کی سزا ہے جو اسے مل رہی ہے۔

پہلی بار جب کوئی عورت بچے کو جنم دیتی ہے تو چوبیس گھنٹے تک کا وقت بھی لگ جاتا ہے درد کو برداشت کرنے میں اور ایسی درد کہ اس وقت عورت چاہتی ہے کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اسے موت آ چکی ہوتی اور یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مریم بھی اسی سے دوچار تھی جس کا ذکر اللہ نے یوں کیا قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا مریم اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی اور غم کرنے لگی کہ اس نے جو کیا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا یعنی درد کی شدت کی وجہ سے مریم یہی سمجھ رہی تھی کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیے تھا اب اسے اسی کی سزا مل رہی ہے اور ایسی سوچ آتی بھی کیوں نہ کیونکہ نہ تو مریم کو اس بارے میں پہلے کوئی علم تھا کہ بچے کو جنم دینے میں کس قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی مریم کے زوج مریم کی مثل بشر کو علم تھا اس لیے مریم تو اس وقت یہی سمجھ رہی تھی کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ اسی کی سزا اسے مل رہی ہے اور یہی کہہ رہی تھی کہ اس سے بہتر تھا کہ اس سے پہلے ہی مجھے موت آ جاتی یعنی درد اس قدر شدید تھا کہ اسے برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا. مریم ۲۴

پس مریم کی مثل بشر نے مریم کو پکارا جن مراحل سے وہ گزر رہی تھی کہ نہ غم کر تحقیق کر دیا تیرے ربّ نے تیرے نیچے سے پانی۔ یعنی درد کی شدت کی وجہ سے مریم رو اور کراہ رہی تھی دونوں اکیلے تھے کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو انہیں تسلی ہی دینے والا ہوتا۔ مریم کے زور لگانے اور درد کی وجہ سے بار بار ایسا لگتا کہ مریم گویا کہ مرنے ہی والی ہے اور ایسی صورت میں مریم کا زوج اسے بلند آوازوں میں پکارتا اور تسلیاں دینے کی کوشش کرتا اور بہر حال بچے کو جنم دینے کا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

دوران جنم کے مراحل درد کی شدت کی وجہ سے مریم غم کر رہی تھی لیکن جب بچے کا جنم ہو گیا تو درد فوری غائب ہو گیا جس سے مریم کو اطمینان ہو گیا کہ اس سے کوئی جرم نہیں ہوا تھا جو اس کو اس کی سزا مل رہی تھی بلکہ بچے کا جنم ہوتا ہی ایسے ہے اس کے بعد مریم اپنے بچے عیسیٰ کیساتھ مصروف ہو گئی اس کی پرورش و تربیت میں لگ گئی یہاں تک کہ انیس سال کی مدت تک وہیں رہی جس کا درج ذیل آیات میں ذکر ہے۔

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا. فَكُلِيۡ وَاشۡرَبِيۡ وَقَرِّيۡ عَيۡنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا فَقُوۡلِيۡۤ اِنِّيۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا. مریم ۲۵، ۲۶

ان آیات میں مریم کے ربّ کی طرف سے مریم کو کہا گیا لیکن اس کا مطلب ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ربّ نے بالکل ایسے ہی مریم سے کہا جیسے کہ کوئی دو بشر آپس میں بات کرتے ہیں بلکہ مریم تو بہت مشکل سے وہاں اپنا وقت گزار رہی تھی کیوں کہ ایک تو اکیلا پن سوائے اپنے بچے اور زوج کے کوئی اور نہیں اور دوسرا کھجور کے درخت اور پانی کا چشمہ ہی بنیادی رزق تھا اور مریم تو یہی سمجھ رہی تھی کہ اسے زندگی بھر یہیں اسی حالت میں رہنا پڑے گا لیکن حالات و واقعات یہ واضح کر رہے تھے کہ زندگی بھر نہیں بلکہ ایک مخصوص مدت تک یہیں رہنا پڑے گا اس لیے جیسے کیسے وہ مدت گزاری جائے یوں مریم اسی امید پر وقت گزارتی کہ ایک دن وہ ان حالات سے نکل جائے گی اور زندگی میں آسانی آجائے گی۔

یہ تھا مریم کے ربّ کی طرف سے مریم کو ان آیات میں کہا گیا اور مزید یہ کہا گیا کہ کوئی بشر اگر نظر آئے تو اسے یہی کہے کہ اِنِّيۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا اس میں کچھ شک نہیں میں نے نذر کیا ہوا ہے الرحمٰن کے لیے رکنا پس اس مدت کوئی بات نہیں کرنی گویا کہ سب کچھ بھول چکی ہو یعنی جتنی مدت وہاں ٹھہرنا ہے اس مدت کے دوران اگر کوئی بھی بشر وہاں آتا ہے کسی کیساتھ سامنا ہوتا ہے تو اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا بالکل ایسے رہنا ہے گویا کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی مکمل طور پر بھولی ہوئی ہے بس اپنے کام سے کام رکھنا ہے اور تیرا کام تیرا مقصد یہ ہے کہ تُو الرحمٰن کو خاص مقصد کے لیے دی گئی ہوئی ہے یعنی جو مریم کی ماں نے مریم کے جنم سے پہلے اپنے ربّ سے وعدہ کیا تھا کہ جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے تیرے لیے نذر کرتی ہوں اس لیے اے مریم تُو الرحمن کے لیے نذر کی گئی ہوئی ہے اور جس مقصد کے لیے تیری ماں نے تجھے الرحمن کے لیے نظر کیا ابھی تُو جن مراحل سے گزر رہی ہے یہ وہی مقصد ہے جو تُو پورا کر رہی ہے۔ جس مقصد کے لیے تُو تیرے ربّ کے لیے نذر کی گئی۔

یوں مریم اپنے بیٹے عیسیٰ کو جنم دینے کے بعد انیس سال کی مدت جسے الیوم کہا گیا مخصوص مدت وہیں رہی اور پھر اس کے بعد جب مریم کے زوج اور عیسیٰ کے والد کی وفات ہو گئی تو مریم اکیلی پڑ گئی اب مریم کے پاس صرف اور صرف ایک ہی رستہ بچا تھا کہ وہ واپس اپنے آباؤ اجداد کے علاقے میں اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جائے، کافی سال گزر جانے کے بعد اب حالات بدل چکے ہوں گے اس لیے اب واپسی میں ان حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جن کی ماضی میں توقع تھی اور پھر بالآخر مریم اپنے بیٹے کیساتھ واپس اسی علاقے میں آ گئی اور پھر جو ہوا اس کا درج ذیل آیات میں ذکر کر دیا گیا۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡــًٔـا فَرِيًّا. مریم ۲۷

پس آ گئی اس کیساتھ یعنی اپنے بیٹے عیسیٰ کیساتھ جو اس کی قوم تھی اسے یعنی اپنے بیٹے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے، اس کی قوم نے کہا اے مریم تحقیق کے یعنی یہ بات طے شدہ ہے یہ بات تو قانون میں ہے تُو لائی ہے ایک فریا شیئے۔ فریا کہتے ہیں عجیب، حیران کن، غیر متوقع، قابل ذکر یعنی جس کے بارے میں چہ مگوئیاں کی جائیں، غیر معمولی، حیرت انگیز، پریشان کن اور مضحکہ خیز وغیرہ۔

یعنی مریم جب اپنے بیٹے عیسیٰ کیساتھ واپس اپنے آباؤ اجداد کے علاقے میں آ کر آباد ہوئی تو جب بھی موقع ملتا تو لوگ مریم سے اسی بارے میں بات کرتے، کچھ لوگ مذاق اڑاتے، حقارت کی نگاہ سے دیکھتے، آپس میں چہ مگوئیاں کرتے جیسا کہ اگر معاشرے میں کوئی ایسا قدم اٹھائے جو بالکل غیر متوقع ہو تو لوگ کرتے

ہیں بالکل ایسا ہی کیا جانے لگا اور کچھ لوگ مریم سے بحث کرتے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تمہارا بچہ زنا کی پیداوار ہے، دین اس کی اجازت نہیں دیتا جو تم نے کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یعنی تصور کریں کہ جیسے آج اگر کوئی لڑکی معاشرے میں رائج رسم ورواج اور مذہب کے نام پر قوانین و پابندیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی ہے تو معاشرے میں اسے کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کیا چہ مگویاں کی جاتی ہیں؟ بالکل ایسا ہی معاشرہ اس وقت موجود تھا اور بالکل ایسے ہی حالات و واقعات کا مریم کو سامنا کرنا پڑا۔

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا. مریم ۲۸

ان میں سے کچھ لوگوں نے مریم کو کہا کہ اے مریم نہ تو تیرے ابو نے ایسا کوئی برا کام کیا اور نہ ہی تیری ماں باغی یعنی بدکردار اور بدچلن تھی اور جب قرآن میں اللہ نے اس واقعہ کی تاریخ اتاری تو اللہ نے ''یا اخت ھارون'' کے الفاظ استعمال کیے۔ ھارون نام کا کوئی بشر مریم کا سگا بھائی نہیں تھا بلکہ یہ ھارون وہی ہیں جو موسیٰ کیساتھ تھے جو کہ موسیٰ کے بھائی نہیں تھے اس کے باوجود انہوں نے موسیٰ کا مکمل ساتھ دیا تو جو کردار موسیٰ کے وقت ہارون نے ادا کیا تھا ویسا ہی کردار مریم نے عیسیٰ کی بعثت میں ادا کیا جس وجہ سے مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا۔

یعنی مریم سے جب بھی لوگ بحث کرتے مریم نے جو اقدام اٹھایا تھا اس بارے میں بات کرتے تو ان میں سے وہ لوگ جو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کی طرف سے مریم کو یہی کہا جاتا کہ اے مریم تُو نے یہ بہت برا کام کیا یعنی تُو نے زنا کیا ہے تیرے ماں باپ تو ہرگز ایسے نہیں تھے بلکہ وہ تو بہت مذہبی اور تقویٰ والے تھے لیکن ان کے برعکس تُو یہ کیسی نکلی۔ اپنی طرف سے وہ یہی کہنا چاہتے کہ اے مریم تیرے ماں باپ تو بہت مذہبی تھے دینی تھے وہ تو بہت متقی تھے اور ان کی اولاد ایسی کیسے ہوسکتی ہے جیسی تُو ہے جو تُو نے کیا ہے تو ان کے جواب میں مریم ان پر حق واضح کرتی کہ جسے آپ لوگ نکاح سمجھتے ہیں وہ حق نہیں ہے نکاح کا مقصد ایسی اولاد دنیا میں لانا ہے جو آگے چل کر اس مقصد کو پورا کرے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا اور اس کے لیے اللہ نے ایسی کوئی شرائط عائد نہیں کیں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جن شرائط وقوانین کو آپ لوگ اللہ سے منسوب کر کے ان میں قید ہیں اور اگر کوئی ان کے خلاف کرے تو اس پر فتوے لگاتے ہیں۔ اللہ نے تو ایک ہی شرط عائد کی اور وہ ہے طیب، اگر لڑکا اور لڑکی طیب ہیں تو ان سے وجود میں آنے والی اولاد حلال اولاد ہوگی اور اگر لڑکا اور لڑکی طیب نہیں بلکہ خبیث ہیں تو خواہ لاکھ خود ساختہ قوانین ورسم ورواج کو پورا کرلیں ان سے وجود میں آنے والی اولاد حلال نہیں بلکہ حرام ہو گی۔

حلال کہتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت دی اور حرام کہتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی بلکہ اس سے روک دیا تو دیکھیں اور غور کریں کیا آپ کی اولاد حلال ہے یا پھر میری؟ نکاح کا مقصد جنسی لذت کا حصول نہیں ہے بلکہ نکاح کا مقصد ہے کہ جس مقصد کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے نائب کے طور پر اپنا متبادل دنیا میں لانا تاکہ جب آپ دنیا سے جائیں یا آپ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل نہ رہیں تو آپ کی اولاد اس ذمہ داری کو سنبھال لے اور اس مقصد کے لیے اللہ نے طیب ہونا شرط عائد کی ہے۔ اللہ طیب ہے اس لیے اللہ نے طیب رزق کا حکم دیا جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے جو شرط عائد کی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کا نکاح طیب مرد سے ہو، دونوں طیب ہوں اس کے علاوہ اللہ نے کوئی بھی شرط عائد نہیں کی اب اگر طیب مرد اور طیب عورت سے اولاد وجود میں آتی ہے تو وہ اولاد اللہ کی بھیجی ہوئی ہوگی جو کہ احسن ہوگی اور وہ پروان چڑھ کے اس مقصد کو بخوبی پورا کرنے والی ہوگی جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے دنیا میں لایا گیا۔

نکاح اسے نہیں کہتے جسے آپ لوگ نکاح سمجھتے، کہتے اور کرتے ہو، آپ لوگ اللہ کی پرواہ کرنے کی بجائے اللہ سے بچنے کی بجائے انسانوں کو اللہ کا شریک مقرر کرتے ہوئے ان سے بچتے ہو انسانوں کی پرواہ کرتے ہوئے اللہ سے منسوب کردہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور رسم ورواج کو پورا کر کے سمجھتے ہو کہ تم لوگوں نے بہت بڑا معرکہ مار لیا، جان لو یہ انسانوں کی نظروں میں تو حلال ہوسکتا ہے لیکن اللہ کے ہاں یہ حلال نہیں بلکہ حرام ہے نہ ہی اللہ نے اس کی اجازت دی اور نہ ہی اللہ نے اس طرح سے اولاد وجود میں لانے کی اجازت دی تو جس کی اللہ نے اجازت ہی نہیں دی یعنی حرام قرار دیا تو اس کے باوجود اگر یہ کیا جائے گا تو ایسا کرنا اور ایسی اولاد دونوں حرام ہوں گے وہ کبھی بھی اس مقصد کو پورا نہیں کرسکتے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہی انہیں دنیا میں لایا گیا بلکہ وہ

الٹاتمہاری ہی مثل اللہ کیساتھ شرک کریں گے۔

اوراسی فرق کوواضح کرنے کے لیےمریم اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتی کہ وہ ان لوگوں سے دین پر بات کرے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ‌ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا. مریم ۲۹

اس آیت میں دوالفاظ کو جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ آج تک ان میں سے ایک لفظ کا خودساختہ ترجمہ کر کے نہ صرف آج تک دھوکہ دیا جا تا رہا بلکہ دوسرے لفظ کو توسرے سے غائب ہی کر دیا گیا۔ ان میں پہلالفظ ہے ''الۡمَهۡدِ'' اوردوسرالفظ ہے ''صَبِيًّا''

المھد جس کا ترجمہ ماں کی گود کیا جاتا ہے یہ بالکل بے بنیاد و باطل ترجمہ ومعنی ہے، مھد کہتے ہیں مکمل طور پر کسی پر انحصار کرنا کسی کا ڈیپنڈنٹ ہونا جیسے کہ بچے جب تک والدین کے محتاج ہوتے ہیں ان پر انحصار کرتے ہیں تو انہیں المھد میں کہا جاتا ہے اور دوسرالفظ ''صبیاً'' کے معنی ہیں نوجوان، جسے انگلش میں یوتھ کہتے ہیں یعنی جو عموماً تقریباً بیس سے پچیس سال کے نیچے کی عمر ہوتی ہے جب تک کوئی لڑکا اپنے والدین کا محتاج ہوتا ہے اس کے فیصلے اس کے والدین کرتے ہیں وہ اپنے والدین پر انحصار کرتا ہے۔

اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ عیسیٰ دودھ پیتا بچہ تھا جب اس کی ماں نے اسے ان لوگوں سے کلام کرنے کا کہا بلکہ اللہ نے تو بالکل واضح الفاظ میں اسے نوجوان قرار دیا لیکن آج تک اللہ کے دشمنوں نے اکثریت کو اپنے دجل ودھوکے کا شکار کیے رکھا۔

آج تک ان لوگوں نے المھد کا ترجمہ ومعنی ماں کی گود یا پالنا کیا اور اگلے لفظ ''صبیاً'' کو مکمل طور پر چھپا دیا اس کا نہ تو کوئی ترجمہ کیا گیا نہ ہی کوئی معنی کیا گیا گویا کہ یہ لفظ اللہ کی غلطی کی وجہ سے قرآن میں استعمال ہو گیا اور بعد میں جب اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ان مجرمین شیاطین اپنے شریکوں کو وحی کی کہ دیکھو اس لفظ کو چھپا دینا کیونکہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔

اب اگر ان لوگوں کی اس بات کو مان لیا جائے کہ عیسیٰ اس وقت ماں کی گود میں یا پالنے میں تھا ابھی اس کی پیدائش کو ایک آدھ دن ہی گزرا تھا تو اس کا مطلب کہ زکریا کے بیٹے یحییٰ کو جب اللہ نے الکتاب والحکمہ دی اور اسے الکتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تو تب یحییٰ بھی ماں کی گود میں تھا کیونکہ یہی لفظ ''صبیاً'' قرآن میں ایک دوسرے مقام پر بھی استعمال کیا گیا جو کہ درج ذیل آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ‌ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا. مریم ۱۲

اللہ نے اس وقت یحییٰ سے کلام کرتے ہوئے یحییٰ کو کہا جب یحییٰ نہ صرف ایک نوجوان تھا بھرپور جوان تھا بلکہ لوگوں پر حق واضح کرنے کی پاداش میں اسے لوگوں، ملاؤں اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے مخالفت ودشمنی کا سامنا تھا اور اس عمر کے لیے اللہ نے اس آیت میں وہی لفظ استعمال کیا جو عیسیٰ ابن مریم کے لیے استعمال کیا۔

اب اگر تو عیسیٰ ابن مریم اس وقت ماں کی گود میں تھا پالنے میں تھا تو اس کا مطلب کہ جب اللہ نے یحییٰ کو الکتاب اور الحکمہ دی اور الکتاب کو پوری قوت کے ساتھ پکڑنے کا کہا تو یحییٰ بھی اس وقت ماں کی گود میں پالنے میں تھا اور اگر ایسا نہیں بلکہ تب یحییٰ نوجوان تھا تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ تب عیسیٰ ابن مریم بھی ماں کی گود یا پالنے وغیرہ میں نہیں تھا بلکہ ایک نوجوان تھا اور آج تک مجرمین شیاطین نے جو دین کے ٹھیکیدار بنے رہے اپنے مشرک آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے حق کو چھپاتے رہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ پس مریم اپنے بیٹے عیسیٰ کی طرف اشارہ کرتی کہ ان لوگوں سے بات کرو تو ان لوگوں کا آگے سے جواب ہوتا قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا آگے سے جواب دے رہے ہیں کہ ہم کس طرح اس نوجوان لڑکے سے بات کریں جو کہ ابھی المھد میں ہے یعنی اپنی ماں کا محتاج ہے جو اپنے بھلے برے کا شعور نہیں رکھتا، جو اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتا وہ ہمیں دین سکھائے گا؟

یعنی مریم یہی کہتی کہ اپنی اولادوں کو بھی دیکھو اور میری اولاد کو بھی دیکھو ذرا میرے بیٹے کیساتھ کوئی بات کر کے دیکھو تب تمہیں اس بات کا اندازہ ہوگا جو میں کہہ رہی ہوں تو ان لوگوں کا آگے سے یہی جواب ہوتا کہ ہم اس لڑکے سے کیسے بات کریں جو کہ اپنے بھلے برے کا بھی شعور نہیں رکھتا جو کہ اپنی ماں کا محتاج ہے اپنی ماں پر ہی انحصار کر رہا ہے بات تو اس سے کی جاتی ہے جو نہ صرف بڑی عمر والا ہو بلکہ اس کے پاس علم و تجربہ بھی ہو تو یہ کل کا لونڈا جو اپنے بھلے برے کا بھی شعور

نہیں رکھتا یہ ہمیں دین سکھائے گا؟ اور اپنے منہ سے جھاگ نکالنا شروع کر دیتے، عیسیٰ جو کہ اس وقت انیس سال کا نوجوان تھا اس کیساتھ دین پر بات کرنا اپنی توہین سمجھتے کہ یہ کل کا لونڈا ہم سے دین پر بات کرے گا ایسا نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ لوگ جو خود کو بڑے عالم و عاقل سمجھتے ہیں اگر کوئی نوجوان ان کے سامنے آئے ان کے سامنے کوئی سوال اٹھائے یا بحث کرنے کی کوشش کرے تو آگے سے اس پر چڑھ دوڑتے ہیں اسے طرح طرح کی باتیں سناتے ہیں کہ تُو کل کا لونڈا آیا ہمیں دین سکھانے یا ہم سے بات کرنے اور پھر اپنی توہین سمجھتے ہیں بالکل یہی حال اس وقت کے ایسے لوگوں کا تھا جو خود کو دین کے ٹھیکیدار اور عالم و عاقل سمجھتے تھے۔

لیکن جب مریم کا بیٹا عیسیٰ کسی بھی موضوع پر بات کرتا تو ان لوگوں کی زبانیں گویا کہ کٹ ہی گئی ہیں وہ عیسیٰ کے کسی بھی سوال کا نہ تو جواب دے پاتے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسا سوال ہوتا کہ جس سے وہ عیسیٰ کو لا جواب کر سکیں۔

یوں عیسیٰ کا کردار یہ بات بالکل کھول کھول کر واضح کر دیتا کہ عیسیٰ الرسول ہے یعنی اس کی زبان پر اللہ بول رہا ہے کیونکہ ایسا کیسے ممکن ہے ایک نوجوان جس نے کسی سکول، کالج، مدرسے واستاد وغیرہ سے کچھ نہیں سیکھا اور وہ علم وحکمہ میں اس قدر ماہر ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ عیسیٰ اپنے اعمال وکردار سے کہہ رہا تھا کہ

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا. مریم ۳۰

کہا اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کا عبد یعنی غلام ہوں، کیا ہے جو دیا گیا مجھے؟ الکتاب تھی جو مجھے دی گئی اور کر دیا مجھے ایک نبی۔

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا. مریم ۳۱

اور کر دیا مجھے برکات والا جہاں بھی میں ہوں وہاں برکاۃ ہوں گی اور وصیت کی گئی مجھے الصلاۃ سے اور الزکاۃ سے جب تک میں لوگوں میں زندہ موجود ہوں۔

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا. مریم ۳۲

اور جو مجھے جنم دینے والی ہے اس کیساتھ ایسا ہی سلوک کرنے والا جیسا سلوک کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور نہیں کیا مجھے رائی برابر بھی جبر کرنے والا رائی برابر بھی شقیا یعنی ایسا رویہ اختیار کرنے والا کہ جس سے کسی کو تکلیف ہو، کسی کے ساتھ زیادتی ہو، برا سلوک کرنے والا، بدمعاش وغیرہ

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا. مریم ۳۳

اور سلام ہو مجھ پر تولید کیا گیا میں جس یوم اور میری موت کے یوم پر اور زندہ اُٹھائے جانے کے یوم پر۔

درج ذیل آیات جو کہ ابھی پیچھے گزری ہیں۔

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا. مریم ۳۰

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا. مریم ۳۱

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا. مریم ۳۲

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا. مریم ۳۳

یہ آیات ایسا نہیں کہ اس وقت عیسیٰ نے دیکھتے ہی دیکھتے عربوں کی زبان میں چند ہی لمحوں میں یہ سب اپنی زبان سے کہہ دیا بلکہ عیسیٰ نے جب دعوت دینا شروع کی لوگوں کیساتھ بات کرنا شروع کی تب سے لیکر عیسیٰ کی موت تک کی تاریخ ہے جو اللہ نے ان چند آیات میں بیان کی۔

عیسیٰ کا یہ سب کہنا زبان سے نہیں بلکہ اس کی موت ہونے تک کے جو اعمال ہیں جو اس کا کردار تھا اس کو اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ان چند آیات کی صورت میں اتارا تھا جنہیں آج اللہ آپ پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

جب عیسیٰ لوگوں کو دعوت دیتا تو عیسیٰ کو سب سے بڑے اسی بہتان کا سامنا کرنا پڑتا کہ اس کی والدہ کو زانیہ کہا جاتا اور عیسیٰ کو ابھارا جاتا کہ بڑا دین دار بنتا ہے پہلے اپنی ماں کو تو رجم کر اس نے زنا کیا تھا اور تُو اسی زنا ہی کی پیداوار ہے یعنی اس وقت کے ملّاں جو کہ دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے جب ان کے پاس عیسیٰ کے کسی سوال کا جواب نہ ہوتا جب وہ عیسیٰ کے سامنے ذلیل ورسوا ہوتے تو وہ ذاتیات پر اتر آتے اور عیسیٰ اور اس کی والدہ پر الزامات و بہتانات باندھتے جیسا کہ

بالکل اسی طرح آج یہ ملّاں کرتے ہیں۔
بہرحال ان آیات میں عیسیٰ کی اپنی قوم کو دعوت کی ابتداء سے لیکر عیسیٰ کی موت تک کی تاریخ ہے جسے قرآن سے ہی ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ. آل عمران ۴۸

اور اس نے یعنی عیسیٰ ابن مریم نے سیکھی الکتاب اور الحکم یعنی علم کا استعمال اور التورائت اور الانجیل۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. آل عمران ۴۹

یہ وہ آیت ہے جس آیت کے تراجم وتفاسیر کو بنیاد بناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مٹی سے پرندے کی مورت بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا، مادرزاد اندھے کو اور کوڑھ یعنی جذام کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتے، مردوں کو زندہ کر دیتے یعنی جو قبروں کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں انہیں دوبارہ پہلے جیسا جیتا جاگتا کر دیتے اور پھر بتا دیتے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو یعنی دال کھائی ہے، گوشت یا کیا کھایا ہے بتا دیتے اور کیا گھروں میں ذخیرہ کیا ہوا ہے وہ بھی بتا دیتے یوں کہا جاتا ہے کہ دیکھو عیسیٰ ابن مریم کے پاس معجزات تھے۔

اور یہیں سے پھر دلیل اخذ کی جاتی ہے کہ اللہ اپنے رسولوں کو معجزات کیساتھ بھیجتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے یا پھر حقیقت اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے؟ حقیقت کیا ہے اسے ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت ہے اور آیت کے معنی ہیں اصل حقیقت جو کہ مکمل وجود ہے مکمل بات کو چھپا دیا گیا اور اس کا تھوڑا سا پہلو چھوٹا سا حصہ سامنے رکھا گیا جسے آیت کہتے ہیں جب تک آیت میں غور نہیں کیا جائے گا یعنی اس کے پیچھے پڑ کر اس کی آخری حد تک گہرائی میں نہیں جایا جائے گا تب تک حقیقت کیا ہے وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گی۔

اب جب کہ ہر کسی کو علم ہے کہ یہ آیت ہے تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ جو سامنے نظر آرہا ہے وہی کھلم کھلا حقیقت ہو؟ ایسا ممکن ہی نہیں بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو کہ اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ اس کی آخری حد تک گہرائی میں نہیں جایا جاتا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی جو تراجم وتفاسیر کی بنیاد پر دعوے کیے جاتے ہیں جیسا کہ انتہائی مختصر معنی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور ایک رسول تھا بنی اسرائیل کی طرف جسے تب بعث کیا گیا جب کہ وہ اس سے پہلے ضلالٍ مبینٍ میں تھے یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس نے کہا اس میں کچھ شک نہیں میں تم میں تمہی سے آیا ہوں آیات کیساتھ تمہارے ربّ سے اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ اس میں کچھ شک نہیں کیا کر رہا ہوں؟ خلق کر رہا ہوں تم کو طین سے جیسے کہ مخصوص فضا میں اڑنے والا پس اس میں نفخ کیا جا رہا ہے پس ہو رہا ہے فضا میں اڑنے والا اللہ کے اذن کیساتھ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ اور بری کر رہا ہوں یعنی دور کر رہا ہوں پیدائشی اندھا پن اور کوڑھ کے امراض وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ اور مخصوص موت کو حیی کرتا ہوں اللہ کے اذن سے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ اور تمہیں وہ علم دے رہا ہوں جو علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اس سے جو تم بطور رزق استعمال کر رہے ہو وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اور اس کے بارے میں بھی وہ علم دے رہا ہوں جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو تم بطور رزق یعنی ضروریات کے نام پر گھروں میں رکھے ہوئے ہو اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اس میں کچھ شک نہیں اس میں اللہ کی آیت ہے لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تمہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دماغ دیا، اور جو کانوں سے سنا نہیں جا سکتا جو آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور دماغ سے سمجھا نہیں جا سکتا اسے سننے

دیکھنے اور سمجھنے کے لیے تمہارے قلوب میں یہ صلاحیتیں رکھ دیں اگر تم ہو اللہ کی اس دعوت کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والے۔
عیسیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ میں مٹی سے مورت بناتا ہوں کیونکہ مٹی کو تو عربی میں تراب کہا جاتا ہے لیکن آیت میں ''طین'' کا ذکر کیا گیا۔ پھر جو تراجم و تفاسیر میں کہا جاتا ہے کہ پیدائشی آنکھوں سے اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو بینائی آجاتی، کوڑھ کے مریضوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تو چھومنتر کر کے بیماری غائب ہوجاتی تو ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا۔ پھر تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا گیا کہ مردوں کو یعنی جو قبروں کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں انہیں گڑھوں سے نکال کر زندہ کر دیتے تھے اللہ کے اذن سے تو ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا بلکہ آیت میں تو اُحیِ الۡمَوۡتٰی کے الفاظ ہیں اور پھر انہیں تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ لوگ جو کھا کر آتے تھے وہ بتا دیتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھروں میں کیا رکھا ہوا ہے ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا بلکہ آیت میں تو وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ کے الفاظ آئے ہیں اُنَبِّئُکُم نبا سے ہے جس کے معنی ہیں شئے کے بارے میں وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جب اللہ وہ علم انسان کو دیتا ہے تو نبا کہلاتا ہے۔ اور ویسے بھی اس میں اللہ کی کیا حکمت ہے کہ کوئی کچھ کھا کر آئے تو اسے بتا دینا کہ بھائی تم فلاں شئے کھا کر آئے ہو اور تم نے گھر میں فلاں شئے رکھی ہوئی ہے کیا اسے نہیں علم کہ وہ دال یا گوشت ہی کھا کر آیا ہے؟ کیا اسے نہیں علم کے اس نے گھر میں کتنی گندم اور کتنی دالیں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں؟ جب اسے علم ہے تو پھر اس میں نبا والی کون سی بات ہے؟
پھر اس کے علاوہ آج اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا کہ اللہ نے جو اتارا تھا وہ متشابہاً ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ کے سامنے ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ ۔ الزمر ۲۳

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ اللہ نے جو اتارا تھا وہ اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی ایسی بہترین تاریخ ہے کہ اس سے بہتر کوئی تاریخ ہو ہی نہیں سکتی کِتٰبًا ایک ہی کتاب ہے، مُّتَشَابِہًا ایسی ہے کہ وہ ہے تو سب کے سامنے ہر کوئی اسے دیکھ پڑھ اور سن رہا ہے لیکن اس کا علم سو فیصد چھپا دیا گیا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو سامنے نظر آرہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت کیا ہے حقیقت کا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے مَّثَانِیَ مثانی ہے یعنی ایسی ہے جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین، تین کے بعد چار وغیرہ، اس میں ہر لفظ کا اگلے لفظ کے ساتھ ایسے ہی ربط ہے جیسے مشین کے پرزوں میں ربط ہوتا ہے یا جسم میں ہر عضو دوسرے سے مربوط و مشروط ہوتا ہے ایسے ہی اس میں آیات کا آپس میں گہرا ربط اور تسلسل قائم ہے۔
اللہ نے جو اتارا تھا کون نہیں جانتا کہ وہ یہ قرآن ہے اور پھر آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ قرآن متشابہاً ہے یعنی یہ سامنے تو سب کے ہے ہر کوئی اسے دیکھ، پڑھ اور سن رہا ہے لیکن اس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اللہ نے اس کا علم سو فیصد چھپا دیا اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے اسی قرآن میں کہا

لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ۔ القیامۃ ۱۶

نہ حرکت دے اپنی زبان کو اس کیساتھ یعنی یہ جو تُو قرآن کو سمجھنے کے نام پر اپنی زبان کو حرکت دیتا ہے اس قرآن کیساتھ یہ جو تُو قرآن پڑھتا ہے اسے پڑھنا سیکھتا ہے تو تجھے اپنی زبان تک کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے تُو بالکل ایسا مت کر لِتَعۡجَلَ بِہٖ عجلت یعنی جلد بازی کرنے کے لیے اس کیساتھ مطلب یہ کہ قرآن کیساتھ اپنی زبان کو حرکت وہی لوگ دیتے ہیں جو عجلت پسند ہیں

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ۔ القیامۃ ۱۷

اس میں کچھ شک نہیں ہم پر ہے اس کا جمع کرنا یعنی ترتیب میں لانا کہ کب کون سی آیت آتی ہے اور کون سی نہیں اور اس کا قرا کرنا بھی ہم پر ہے کہ کیسے قرا کرنا ہے۔

فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ۔ القیامۃ ۱۸

پس جب ہم اسے قرا کریں یعنی تم میں تمہی سے ایک بشر کے ذریعے تم پر کھول کھول کر واضح کریں کہ کیسے اسے قرا کیا جاتا ہے تو پس کیا کرنا ہے؟ اس کی اتباع میں قرا کرنا ہے اسے یعنی ویسے ہی تم نے بھی قرا کرنا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ۔ القیامۃ ۱۹

پھر اس میں کچھ شک نہیں ہم پر ہے اس کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرنا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ. القیامة ۲۰

ہرگز نہیں بالکل نہیں کسی بھی لحاظ سے کسی بھی پہلو سے کھول کھول کر واضح کریں گے بلکہ ان پر بالکل نہیں کھول کر واضح کریں گے جو حب کر رہے ہیں العاجلہ سے یعنی جو قریب ہے جو جلد حاصل ہونے والا ہے جو کہ دنیا ہے دنیاوی زندگی ہے دنیاوی مال و متاع ہے اس کی طرف کھینچے چلے جا رہے ہیں۔

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ. القیامة ۲۱

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

اب آپ سے ہی سوال ہے ذرا غور کریں کہ اللہ نے کیا کہا؟ اگر تراجم و تفاسیر حق ہیں تو پھر اللہ نے کسے بیّن کرنے یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرنے کا ذمہ لیا؟ اور کھول کر واضح بھی ان پر ہی کیا جائے گا جو دنیا کی بجائے آخرت کی طرف کھینچے چلے جانے والے ہیں۔

اللہ کہہ رہا ہے کہ قرآن متشابہاً ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے متشابہ کہتے ہیں اس شئے کو جو ہو تو بالکل سامنے آپ کو اپنی آنکھوں سے نظر آ رہی ہو لیکن اس کے بارے میں علم چھپا دیا گیا ہو اور اللہ خود اسی قرآن میں کہہ رہا ہے کہ اس نے جو اتارا تھا وہ متشابہاً ہے یعنی وہ سامنے تو سب کے ہے لیکن اس کے بارے میں علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اللہ نے اس کے بارے میں علم مکمل طور پر چھپا دیا اور پھر اللہ نے سختی کیساتھ اس قرآن کو سمجھنے یا کسی بھی غرض سے پڑھنے سے منع کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس قرآن کو وہی پڑھتے ہیں جو دنیا پرست ہیں اور اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جو دنیا پرست ہیں جو دنیاوی مال و متاع دنیاوی زندگی کے طلب گار ہیں ان پر تو کسی بھی صورت قرآن کھول کر واضح نہیں کیا جائے گا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اب جب اللہ نے یہ کہا تو پھر دیکھیں کیا تراجم متشابہاً ثابت ہوتے ہیں؟ کوئی ایک بھی ترجمہ و تفسیر ایسی نہیں جو متشابہاً ثابت ہو اور جو متشابہاً ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ کا اتارا ہوا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے جو اتارا وہ متشابہاً ہے۔

پھر اس کے علاوہ من پسند تراجم و تفاسیر کر کے آج تک یہ بات پھیلا دی گئی کے رسول معجزات کیساتھ آتے ہیں لیکن حقیقت کیا ہے جب حقیقت آپ کے سامنے آئے گی تو آپ چونک جائیں گے کیونکہ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان لوگوں نے جیسے کہ ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ ہر وہ بات کرنی ہے جو قرآن کی ضد ہو جو اللہ کے خلاف ہو۔ اللہ نے پورے قرآن میں کسی ایک بھی مقام پر ایسا نہیں کہا کہ اللہ رسولوں کو معجزات کے ساتھ بھیجتا ہے بلکہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس کہا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ. المائدہ ۳۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا آئے ان میں انہی میں سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی جو بھی رسول آیا تو وہ معجزات کیساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ آیا اس نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. التوبة ۷۰

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ. یونس ۱۳

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلاً اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ. یونس ۷۴

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. الروم ۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. الروم ۴۷

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ. فاطر ۲۵

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ. غافر ۲۲

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ. غافر ۸۳

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ. ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ. التغابن ۵، ۶

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ. الحدید ۲۵

یہ چند آیات ہیں جن میں بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ رسول البیّنات کیساتھ آتے ہیں اور ہر رسول البیّنات کیساتھ بھیجا گیا نہ کہ معجزات کیساتھ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں لیکن آپ نے جان لیا کتنی ہی آیات ہیں جن میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ اللہ رسولوں کو البیّنات کیساتھ بھیجتا ہے۔ بیّنات بیّن کی جمع ہے اور بیّن کا معنی ہے کسی شئے، بات یا ذات کا اس قدر ہر لحاظ سے ہر پہلو سے بالکل کھلم کھلا واضح ہونا کہ کم سے کم عقل کی بھی سمجھ میں آ جائے اور اس کے برعکس اس کی ضد معجزہ ہے، معجزہ کہتے ہیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیا جائے اس کی سمجھ نہ آئے بندہ عاجز آ جائے لیکن وہ سمجھ نہ آئے اور اس کی جمع معجزات ہے اور یہ ضد ہے بیّنات کی۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ رسولوں کو معجزات کیساتھ بھیجتا ہے لیکن اللہ نے ان کے بالکل برعکس کہا کہ اللہ رسولوں کو البیّنات کیساتھ بھیجتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ معجزات موسیٰ اور عیسیٰ کیساتھ منسوب کیے جاتے ہیں کہ موسیٰ اور عیسیٰ کو اللہ نے معجزات کیساتھ بعث کیا اور آپ دیکھیں گے کہ حیران کن طور پر اللہ نے دونوں رسولوں کا ایک سے زائد مقامات پر نام لے کر ان لوگوں کی بات کا رد کرتے ہوئے کہا کہ موسیٰ وعیسیٰ کو معجزات نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ بھیجا گیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ. البقرة ۸۷

اور کیا دیا تھا ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو؟ دیں تھیں ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو البیّنات یعنی عیسیٰ ابن مریم نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔

پھر ایسے ہی ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ موسیٰ کو معجزات دیئے گئے اور پھر دیکھیں کہ اس بارے بھی اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے آج کس طرح حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آج سے چودہ صدیاں قبل درج ذیل آیات کی صورت میں تاریخ اتار دی گئی۔

وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ. البقرة ۹۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا جس کی خلاف ہونا ناممکن ہے اور وہی ہوا جو قدر میں کر دیا گیا آیا تم میں تمہی سے موسیٰ البیّنات کیساتھ یعنی موسیٰ نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ. العنکبوت ۳۹

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا جس کیخلاف ہو ہی نہیں سکتا اور وہی ہوا جو کہ قدر میں کر دیا گیا آیا ان میں انہی سے موسیٰ ساتھ البیّنات کے یعنی موسیٰ نے آ کر آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

آپ نے دیکھا کہ موسیٰ وعیسیٰ کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا رہا کہ اللہ نے انہیں معجزات کیساتھ بھیجا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ آج تک اللہ اور اس کے رسولوں پر بہتان عظیم باندھتے آئے اللہ نے جو قدر میں کیا ہی نہیں وہ ہو کیسے سکتا ہے؟ اور اللہ نے جو قدر میں کر دیا اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ جب اللہ

نے رسول بالبیّنات قدر میں کیا تو اس کیخلاف رسول آ ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس معجزات ہیں تو وہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ کذاب ہوگا جو کہ لوگوں کی خواہشات کے ساتھ آئے لوگوں کی خواہشات کے مطابق آئے۔

اب آتے ہیں واپس آیت کی طرف اور آیت کو بیّن کرتے ہیں یعنی آیت کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ‌ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ. آل عمران ۴۹

آیت ہوتی ہی متشابہاً ہے یعنی جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس چھپی ہوئی ہوتی ہے جو اس وقت تک سامنے نہیں آتی جب تک کہ آیت کی گہرائی میں نہیں جایا جاتا اور دوسری بات کہ قرآن کا بیّن کرنا یعنی کھول کر واضح کرنا صرف اور صرف اللہ پر ہے اللہ کے علاوہ نہ تو کسی کو یہ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی کوئی قرآن کو بیّن کر سکتا ہے یعنی کھول کر واضح کر سکتا ہے اس لیے جن جن لوگوں نے بھی قرآن کے تراجم وتفاسیر کیے اور وہ خود اپنی زبان سے بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی اللہ کے رسول تو پھر ایسے لوگ اللہ کے دشمن ہیں اللہ کے شریک، مجرمین شیاطین۔

حق کیا ہے اسے اب ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے اللہ آپ پر کھول کھول کر واضح کرتا ہے۔

رسول بالکل ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آپ کے وجود میں آپ کی زبان ہے تو جب زبان سے کچھ الفاظ نکل رہے ہوتے ہیں تو وہ زبان نہیں بلکہ وجود بول رہا ہوتا ہے مثلاً زبان کہہ رہی ہوتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ زبان کہہ رہی ہے مجھے بھوک لگی ہے بلکہ زبان تو وجود کا ایک حصہ ہے ایک عضو ہے جو کہ وجود کی ترجمان ہے اصل میں وجود بول رہا ہوتا ہے زبان کی صورت میں۔ بالکل ایسے ہی رسول اللہ کی زبان ہوتا ہے جب رسول بول رہا ہوتا ہے تو وہ انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا ہے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ آپ ہی کی طرح کا بشر ہے جو بول رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ انسان ہیں اور وہ بشر جو اللہ کا رسول ہے وہ انسان نہیں بلکہ اللہ ہے جو اس بشر کی صورت میں انسانوں سے کلام یعنی بات کر رہا ہوتا ہے اس لیے رسول اگر کوئی بات کرتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ پانچ سے سات فٹ کا شخص کوئی دعویٰ کر رہا ہوتا ہے کچھ کہہ رہا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اس کے باوجود بھی یہی سمجھے کہ وہ آپ ہی کی طرح ایک انسان بشر ہے جو بول رہا ہے کوئی دعویٰ کر رہا ہے تو ایسا سمجھنے والے کی ذہنی سطح کا اندازہ آپ اس بات سے لگا لیں کہ وہ کہہ رہا ہے زبان کہہ رہی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے۔

رسول ظاہر اور باطن اللہ کا وجود ہوتا ہے رسول اور اللہ میں فرق نہیں کیا جا سکتا یعنی جب تک رسول زندہ ہوتا ہے وہ اللہ سے الگ نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی وجود ہوتا ہے جو کہ اللہ ہے اس لیے اللہ اور رسول دو وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے ان میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے رسول اگر کوئی بھی بات کہتا یا کرتا ہے تو وہ اللہ ہے جو انسانوں سے بات کر رہا ہوتا ہے۔

وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عیسیٰ ابن مریم کو الکتاب یعنی آسمانوں وزمین کا علم وحکمہ دیکر بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف۔ یہ ذہن میں رہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا یعنی جب عیسیٰ بات کرتا تھا تو وہ کوئی انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا تھا یوں اللہ نے عیسیٰ کی صورت میں کہا اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ اس میں کچھ شک نہیں میں تم میں تمہی سے آیا ہوں آیات کیساتھ تمہارے ربّ سے اور ربّ کیا ہے یہ بھی کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ ربّ فطرت ہے۔ رسول آیات کو بیّن کرنے کے لیے آتا ہے اس لیے عیسیٰ جن آیات کیساتھ آیا تھا وہ ان آیات کو بیّن کرنے یعنی ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کرنے آیا تھا اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ اس میں کچھ شک نہیں میں نے کیا کیا؟ میں نے تم کو خلق کیا طین سے اب یہ ذہن میں رہے کہ یہ عیسیٰ نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہیں خلق کیا طین سے اور طین کہتے ہیں زیر زمین کالے رنگ کے کیچڑ کو جسے آج خام تیل کا نام دیا جاتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کو جب بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو وہ پرندوں کا گوشت کھانے کے بہت شوقین تھے وہ ایسا کرتے تھے کہ ان پرندوں کی فارمنگ کرتے تھے بالکل ایسے ہی جیسے کہ آج پوری دنیا میں مرغی بہت شوق سے کھائی جاتی ہے جو کہ طیر ہے اور اس کی آج فارمنگ کی جا رہی ہے اور یہی بنی اسرائیل کو کہا گیا کَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ جیسے کہ یہ تم طیر یعنی پرندے اپنے رزق کے طور پر خلق کر رہے ہو یہ اللہ کا رزق نہیں ہے اللہ کا رزق وہ ہے جو نہ صرف باذن اللہ خلق ہو بلکہ اس میں باذن اللہ نفخ ہو یعنی جس طرح اللہ نے خلق کرنے کی اجازت دی ویسے خلق کیا جائے لیکن یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ کو بتایا جیسے آج مرغی کی فارمنگ کی جا رہی ہے ایسے ہی بنی اسرائیل اس وقت کر رہے تھے اور پھر ایسا گوشت کھانے سے وہ نہ صرف طرح طرح کی جسمانی بیماریوں کا شکار تھے بلکہ روحانی طور پر بھی امراض کا شکار تھے وہ اللہ کے قانون میں بہرے، گونگے، اندھے اور الاموات ہو چکے تھے۔ تو عیسیٰ نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کیا عیسیٰ نے واضح کیا کہ جو تم کھاتے ہو وہی بنتے ہو، تمہارے اعمال تمہارے اختیار میں نہیں ہیں یہ جو تم اعمال کرتے ہو یہ تم نہیں کرتے بلکہ تم سے کروائے جاتے ہیں۔ اگر طیب رزق استعمال کرو گے تو طیب اعمال کر پاؤ گے اور اگر خبائث کو اپنا رزق بناؤ گے تو خبیث اعمال ہی کرو گے۔

اسے سمجھنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً اگر آپ زہر کھائیں تو کیا آپ کا جسم آپ کے اختیار میں رہے گا؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں بالکل نہیں بلکہ جسم آپ کے اختیار میں نہیں رہے گا۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ زہر کھانے کے بعد آپ کا جسم جو کر رہا ہے آخر کسی نہ کسی کی بات مان کر ہی وہ اعمال کر رہا ہے آخر وہ کس کی بات مان رہا ہے وہ کیوں ایسا کر رہا ہے؟ تو حقیقت بالکل واضح ہے کہ زہر میں کچھ تھا اور جسم نے وہی کرنا شروع کر دیا جو زہر نے جسم کو کرنے کے احکامات دینا شروع کر دیئے۔

زہر کیا ہے؟ زہر بھی مادہ ہے جسے آپ مادہ کہتے ہیں جو کہ زمین کے عناصر ہیں ہر عنصر کی اپنی خصوصیات وصفات اور خصلتیں ہیں یہ مادہ کوئی صورت اختیار کرتا ہے یعنی کسی وجود میں ڈھلتا ہے اور اس میں جان آ جائے تو مادہ اس وجود کے اعمال کی صورت میں اپنی صفات وصلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے جنہیں آپ اعمال کا نام دیتے ہیں۔

جس طرح کے مادے سے آپ اپنا وجود بنائیں گے وہی آپ بنیں گے اگر آپ طیب رزق سے اپنا وجود بنائیں گے تو آپ کا وجود طیب اعمال یعنی اصلاح کرنے والے اعمال ہی کرے گا جو کہ مادہ آپ کے اعمال کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر رہا ہو گا اور اگر آپ خبائث کو اپنا رزق بناتے ہیں تو آپ چاہ کر بھی صالح اعمال نہیں کر سکتے بلکہ آپ کی سوچیں، آپ کی فکریں آپ کے اعمال سب کا سب ہی خبیث ہو گا مفسد ہو گا۔

نہ صرف آپ کے جسم میں قائم توازن بگڑ جائے گا جنہیں آپ بیماریوں کا نام دیتے ہیں بلکہ کوئی چاہ کر بھی آپ کو وہ بات نہیں سنا اور دیکھا سکتا یا سمجھا سکتا جو آپ کا وجود ہے ہی نہیں۔ یہی عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل پر کھول کھول کر واضح کیا کہ تم وہ ہو جو تم کھاتے ہو عیسیٰ ابن مریم نے جب ان پر حق کھول کھول کر واضح کیا کہ تمہیں یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہیں یہ تمہارے اسی خبیث رزق کی وجہ سے ہیں، آج جو تم دنیا میں ذلیل ورسوا ہو رہے ہو یہ تمہارے اسی خبیث رزق کی وجہ سے ہے۔ اسی خبیث رزق کی وجہ سے تم اللہ کے قانون میں پیدائشی اندھے خلق ہو رہے ہو اور یہ اندھا ہونا آنکھوں سے اندھا ہونا نہیں بلکہ دل ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں، اسی خبیث رزق کی وجہ سے تم اللہ کے قانون میں الاموات ہو تمہارا اس دنیا میں ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔

جو کچھ تم کھا رہے ہو جو کچھ بھی تم ضروریات کے نام پر استعمال کر رہے ہو تم سمجھ رہے ہو کہ تم بہت اچھا رزق کھا رہے ہو بہت صاف ستھرا کھا رہے ہو یہ سب کا سب اللہ کا خلق کردہ نہیں ہے یہ سب تو خبیث ہے اسی طرح جو تم لوگوں نے اپنے گھروں میں ضرورت کے نام پر جو کچھ بھی رکھا ہوا ہے جنہیں تم اپنے لیے فائدے کی اشیاء سمجھتے ہو یہ سب فائدے کی اشیاء نہیں ہیں بلکہ انہی کے استعمال کرنے سے تم طرح طرح کی جسمانی وروحانی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہو اس لیے یہ سب ترک کر دو۔

عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے البیّنات کیساتھ بھیجا تھا یعنی عیسیٰ ابن مریم نے آ کر سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا یوں جب بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی دعوت کو تسلیم کیا اور اپنا رزق ٹھیک کیا طیب رزق اختیار کیا تو نہ صرف ان کی بیماریاں دور ہو گئیں بلکہ ان کا اندھا پن جو کہ ان کے دل اندھے ہو چکے ہوئے تھے ان کی بینائی آ گئی انہیں حق وباطل واضح نظر آنے لگ پڑا، وہ اللہ کے قانون میں الاموات تھے ان کی دنیا میں موجودگی نہ ہونے کے برابر تھی یعنی اللہ کے قانون میں الاموات تھے اور الاحیاء ہو گئے اللہ کے قانون میں زندہ ہو گئے اس طرح عیسیٰ ابن مریم نے البیّنات کیساتھ نہ صرف ان کی بیماریاں ان سے دور

کردیں بلکہ وہ اندھے تھے ان کو بینا کر دیا، وہ الاموات تھے انہیں الاحیاء کر دیا یعنی زندہ کر دیا ان پر دنیا میں آنے کا مقصد واضح ہو گیا اور وہ اس مقصد پر قائم ہو گئے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ.

آل عمران ۵۰

وَمُصَدِّقًا عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ میں جو بھی دعوت دے رہا ہوں جو کچھ بھی کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری ایک ایک بات کی تصدیق موجود ہے لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میری دعوت کی تصدیق کے لیے اسے کھولو جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میں بھیجا گیا ہوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے۔

یعنی عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ ایسا نہیں کہ میں تمہاری طرح لوگوں کو دیو مالائی کہانیاں سنا رہا ہوں بلکہ میں جو بھی دعوت دے رہا ہوں جو کچھ بھی کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری ایک ایک بات کی تصدیق اس میں موجود ہے جو تمہارے دونوں ہاتھوں میں ہے اور میں بھیجا گیا ہوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے یعنی میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا بلکہ میں تو وہی بات کر رہا ہوں جو موسیٰ نے کی تھی جو آج سے کئی صدیاں قبل موسیٰ نے کہا تھا وہ سب کا سب تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں اب جب کہ میری تصدیق اس میں موجود ہے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے جس کے تم دعویدار ہو تو پھر بھی میری دعوت جو کہ حق ہے تمہیں تکلیف کیوں دے رہی ہے تمہیں ناگوار کیوں گزر رہی ہے؟

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور میں بھیجا گیا ہوں حلال کرنے کے لیے تمہارے لیے وہ کچھ جو تم پر حرام کر دیا گیا یعنی کہ اللہ نے جو تم پر حلال کیا تھا تو آج اسے حرام کر دیا گیا تم پر۔ مثال کے طور پر اللہ نے جو حلال کیا تھا تمہارے لیے صرف اور صرف اسی شرط پر کہ وہ طیب ہو اگر طیب ہے تو حلال ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت دی گئی ورنہ اگر طیب نہیں تو اللہ نے خبائث کو حرام قرار دیا یعنی خبائث کو استعمال کرنے سے روک دیا اور آج تم لوگوں نے کیا کیا؟ تم لوگوں نے جو اللہ نے تمہارے لیے طیب کی شرط پر حلال کیا تھا اسے تم لوگوں نے خبیث بنا کر حرام کر دیا اس لیے میں تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں کہ اللہ کا رزق کیا ہے طیب کیا ہے وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور میں تم میں تمہی سے آیا ہوں تمہارے ربّ سے آیات کیساتھ، جیسا کہ پیچھے بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ رسول آیات کو بیّن کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اس لیے رسول آ کر آیات کو بیّن کرتا ہے اور عیسیٰ ابن مریم نے ان کے ربّ سے آیات کو کھول کر واضح کر دیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ پس کس سے بچ رہے ہو؟ یعنی یہ جو تم لوگوں کی ملامتوں اور چھوٹی موٹی دنیاوی تکالیف سے بچنے کے لیے ان کا استعمال کر رہے ہو جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا جیسا کہ تمہیں صحت دی گئی، سننے، دیکھنے، سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں دی گئی، چلنے کی صلاحیتیں، مال و اولاد یا کچھ بھی دیا گیا تو ان سب کا تم کس سے بچنے کے لیے استعمال کر رہے ہو؟ اللہ تھا جس نے تمہیں یہ سب کی سب صلاحیتیں دیں اس لیے صرف اور صرف اللہ ہی سے بچنے کے لیے ان سب کا استعمال کرو اور اللہ سے کیسے بچو گے اس کے لیے جو میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں جو حق تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری اطاعت کرو یعنی میری بات مانو جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو ورنہ تم دنیا و آخرت میں ہلاک ہو جاؤ گے ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

یوں عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا اور عوام عیسیٰ کی بات کو سمجھ بھی رہی تھی لیکن بنی اسرائیل کے ملاّں عیسیٰ ابن مریم کے سامنے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے جس وجہ سے وہ عیسیٰ ابن مریم کے دشمن بن گئے۔

اسے مزید تفصیل کیساتھ آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اس وقت کیا ہوا۔

عیسیٰ ابن مریم نے اپنی ماں کیساتھ اپنے ننھیال کے علاقے میں آ کر دعوت کا آغاز کر دیا جہاں کہیں بھی موقع ملتا تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دیتے یوں کہیں کہ جہاں بھی دو چار لوگوں کا گروہ دین و مذہب کو لیکر بحث و مباحثہ کر رہا ہوتا اور وہاں عیسیٰ ابن مریم بھی موجود ہوتے تو اپنی بات کیے بغیر نہ رہتے۔ جب عیسیٰ ابن مریم اپنی بات پیش کرتے تو سامنے والے لاجواب ہو جاتے یوں دیکھتے ہی دیکھتے عیسیٰ ابن مریم چھوٹی سطح پر نمایاں ہونے لگے۔

جب بھی کسی سے بحث ہوتی تو جب عیسیٰ اسے لاجواب کر دیتا تو وہ شخص اپنے ملاّؤں سے جا کر بات کرتا عیسیٰ کو شکست دینے کے لیے ان سے مدد طلب کرتا اس

کے ملّاں اس کی راہنمائی کرتے کہ اس سے فلاں فلاں سوال کرو فلاں موضوع پر ایسے بات کرو وہ جواب نہیں دے سکے گا لیکن جب عیسیٰ کا سامنا کیا جاتا تو عیسیٰ لاجواب کر دیتا یوں شروع شروع میں چھوٹے موٹے مولوی عیسیٰ کے مقابلے پر آنے لگے لیکن جب عیسیٰ کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو یہ سلسلہ آگے بڑھنے لگا یہاں تک کہ کچھ نوجوان عیسیٰ کے ساتھی بن چکے تھے اب عیسیٰ اور اس کے ساتھی یعنی اس کے حواری چند نوجوانوں نے اپنے اپنے گلی محلوں میں طوفان بپا کیا ہوا تھا چھوٹے موٹے گلی محلے کے مولویوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا اور جب چھوٹے موٹے مولویوں کے بس سے باہر نکل جاتا تو وہ اپنے بڑے ملّاؤں کو سامنے لانے لگے جن کے مقابلے پر عیسیٰ کے حواری عیسیٰ کو سامنے لانے لگے اور عیسیٰ سے جب ان کا مقابلہ ہوتا تو بڑے بڑے ملّاں بھی عیسیٰ کے سامنے گونگے ثابت ہونے لگے اور یہاں تک تقریباً ایک دہائی کا وقت گزر چکا تھا۔

بہت سے لوگ عیسیٰ کی طرف متوجہ ہوتے لیکن کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ایسی بات ایسا عقیدہ جسے وہ کسی بھی صورت ترک نہیں کرنا چاہتے جب عیسیٰ سے اس کے برعکس سنتے تو کچھ عیسیٰ سے دور ہو جاتے اور کچھ دشمنی پر اتر آتے عیسیٰ کے قریب آنے والے چونکہ عیسیٰ کو اللہ کا رسول سمجھتے اور تسلیم کرتے تھے اور خود عیسیٰ بھی اپنے حواریوں کے درمیان اسی کا اظہار کرتا تھا لیکن عام سطح پر نہیں بلکہ خواص کے اندر اس لیے جو دور ہو جاتے یا دشمنی پر اتر آتے تو دشمنی کے لیے وہ عیسیٰ کا کسی بھی صورت مقابلے تو کر نہیں سکتے تھے تو انہوں نے نبوت کے انکار اور رسالت کے دعوے والا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا معاشرے میں پھیلانا شروع کر دیا کہ یہ عیسیٰ نامی شخص رسول ہونے کا دعویدار ہے۔ دوسری طرف زکریا کے بیٹے یحییٰ بھی اسی علاقے میں موجود تھے جب یہ بات ان تک پہنچی تو ان کی عیسیٰ کیساتھ کئی موضوعات پر بات ہوئی اور ہر موضوع پر یحییٰ کو ادراک ہو گیا کہ عیسیٰ کیساتھ بات کرنے سے پہلے یا تو وہ یعنی یحییٰ غلط تھا یا پھر اس کے پاس نامکمل علم تھا یوں یحییٰ نے بھی یہ گواہی دے دی کہ یہ شخص عیسیٰ اللہ کا رسول ہے وہی المسیح رسول جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا جس کا سب انتظار کر رہے ہیں۔

یحییٰ چونکہ ایک بڑے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اس لیے یحییٰ کی طرف سے یہ کہنا کہ عیسیٰ اللہ کا رسول ہے سے کافی شور مچ گیا دوسری طرف بڑے بڑے ملّاؤں کے کان کھڑے ہونے لگے لوگوں نے عیسیٰ کی طرف توجہ دینا شروع کر دی جو ملّاؤں کے لیے شدید خطرہ ثابت ہونے لگا لوگ عیسیٰ کی طرف سے واضح کیے جانے والے حق کو لیکر اپنے ملّاؤں سے سوالات کرتے جن کے جوابات ان کے پاس نہ ہوتے تو وہ عیسیٰ کے خلاف ہونے لگے جب ملّاؤں کو ادراک ہو گیا کہ وہ نہ تو عیسیٰ کی کسی بات کا رد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کیساتھ بحث کر سکتے ہیں اس کا سامنا کر سکتے ہیں اگر اس کا سامنا کیا جائے گا تو لوگوں کی نظروں میں جو ان کا مقام ہے وہ ان کی حقیقت چاک ہونے سے ختم ہو جائے گا، عوام کی نظروں میں ذلیل و رسوا ہو جائیں گے تو انہوں نے انا کی جنگ بنا لی اس لیے ملّاؤں نے ٹھان لیا کہ اس خطرے سے نمٹنا ہو گا۔

عیسیٰ ہر فرقے کے لیے مشترکہ خطرہ بن چکے تھے سب کے سب فرقے ہی ان کے دشمن بن چکے تھے یوں ہر فرقے کے ملّاؤں نے عیسیٰ پر الزامات اور بہتانات باندھنا شروع کر دیئے تا کہ اسے لوگوں کی نظروں میں بدنام کیا جائے اور لوگ اس کی بات نہ سنیں لوگ اس سے نفرت کرنا شروع کر دیں جس سے ہماری گدیاں بچ جائیں گی۔ ان الزامات و بہتانات میں سے ایک وہی پہلا بہتان بھی تھا جو مریم پر باندھا گیا تھا کہ اس شخص عیسیٰ کی ماں زانیہ ہے اور یہ شخص عیسیٰ زنا کی پیداوار ہے اس کے ساتھ ہی توہین رسالت کے فتوے جاری ہونے لگے۔

جب ملّاؤں کی طرف سے عیسیٰ پر توہین رسالت کے فتوے لگائے جانے لگے تو لوگوں نے عیسیٰ سے پوچھنا شروع کر دیا کہ کیا آپ واقعتاً اللہ کے رسول ہو آپ کا خود یہ کہنا ہے یا پھر محض ملّاؤں کی طرف سے آپ پر الزام لگایا جا رہا ہے تو اب وقت آ چکا تھا کہ اس بات کو عام سطح پر بھی واضح کیا جانا ناگزیر ہو چکا تھا اس لیے عیسیٰ ابن مریم نے بھی واضح کر دیا کہ وہ ان کی طرف یعنی بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہے۔

اب ملّاؤں کے سر پر بن چکی تھی کیونکہ اگر کوئی شخص رسول ہونے کا دعویٰ کرتا اور وہی رسول المسیح جس کا وعدہ کیا گیا تھا جس کا ہر کوئی انتظار کر رہا تھا تو اب ذمہ داری ملّاؤں کی ہے کہ وہ اس شخص سے بات کریں اور لوگوں پر واضح کریں کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے واقعتاً اللہ کا رسول ہے یا پھر کذاب ہے جھوٹا ہے۔

اب ملّاؤں کو علم تھا کہ اگر عیسیٰ کو رسول تسلیم کر لیا جاتا ہے تو عیسیٰ کی دعوت اس کے سو فیصد برعکس ہے جو آج تک یہ ملّاں کہتے آئے جسے یہ دین کہتے آئے وہ سو فیصد ہی غلط ہے اس کا دین حق کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے لوگ کیا کہیں گے کہ آج تک تم لوگ جو کہ دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے کیا کرتے رہے؟ پھر جو گدیاں ان کے پاس ہیں وہ چھن جائیں گی ان کا آج جو مقام و مرتبہ ہے وہ سب ختم ہو جائے گا وہی کرنا پڑے گا جو عیسیٰ کہے گا اور وہ تو

ایک پیسہ بھی چندہ نہیں لینے دے گا ہمیں محنت کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہوگا آج عوام کے پیسوں سے چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ بیویاں اور درجنوں بچے پال رہے ہیں اگر یہ گدیاں چھن گئیں تو پھر کہاں سے ان کا پیٹ پالیں گے؟ آج جو عوام سلیوٹ کرتی ہے ہم اونچی جگھوں پر اور عوام ہمارے پیروں میں بیٹھتی ہے یہ سب ختم ہو جائے گا آج اس مقام کی وجہ سے جرائم بھی کریں تو کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکتا لیکن کل کو کوئی چھوٹا سا جرم بھی کیا تو اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔

یہ ملاں طبقہ انتہائی بڑے بڑے جرائم کرتا ہے لیکن ان کے جرائم لوگوں کو نظر نہیں آتے جس کی وجہ ان کا معاشرے میں انسانوں کی نظروں میں مقام ہے ملائیت کے پردے میں سب کچھ کرتے ہیں ہر طرح کی فحاشی بھی کرتے ہیں اور یہ سب ان کی عادت بن چکی ہوتی ہے اب جس پردے میں یہ سب کرتے ہیں اگر ان سے وہ پردہ ہی چھن جائے تو ظاہر ہے یا تو انہیں اپنی عادات ترک کرنا ہوں گی یا پھر انجام کا سامنا کرنا ہوگا، جیسے کہتے ہیں کہ چور چوری سے جائے مگر ہیرا پھیری سے نہ جائے بالکل ایسے ہی سنگین جرائم کرنا ان لوگوں کی عادت بن چکی ہے جسے یہ لوگ ترک نہیں کر سکتے اور اگر ترک کرنے کی کوشش بھی کریں گے تو جہاں کہیں انہیں موقع ملے گا یہ خود کو روک نہیں پائیں گے اور پھر نتیجہ وہی نکلے گا جو یہ نہیں چاہتے۔

اب یہ لوگ کیسے چاہیں گے کہ ان سے ان کا یہ مقام چھن جائے؟ لوگ ان کو چور ڈاکو کہیں، ان کو زانی شرابی کے طور پر جانیں جو کہ ان کی اصل حقیقت ہے یہ لوگ ہرگز ایسا نہیں چاہیں گے اس لیے ان لوگوں نے عیسیٰ کیخلاف فتوے دینا شروع کر دیئے کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ یہ کذاب ہے یہ جھوٹا ہے۔

یوں شور مچ گیا ملاؤں نے عیسیٰ کے خلاف جلسے جلوس نکالنا شروع کر دیئے اور اس سب کی وجہ یہی تھی کہ کوئی ایک بھی ملاں ایسا نہیں تھا کوئی ایک بھی شخص ایسا نہیں تھا جو عیسیٰ کا مقابلہ کر سکے عیسیٰ کے مقابلے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اگر اسے رستے سے ہٹایا نہیں جاتا تو ملاؤں کی گدیوں کو شدید خطرہ لاحق ہو چکا تھا اس لیے عیسیٰ کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندیاں کی جانے لگیں اور بڑے بڑے ملاؤں نے یہ منصوبہ بندی کی کہ اب تو اس شخص کے ماننے والوں کی بھی کافی تعداد ہو چکی ہے اگر اسے ایسے ہی قتل کروا دیا جاتا ہے تو سیدھے سیدھے قتل کا مقدمہ ان ملاؤں پر ہوگا اور انہیں اس کی سزا قتل کیے جانے کی صورت میں بھگتنا پڑے گی کیونکہ جیسے آج حکومتیں قائم ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت یروشلم میں حکومت قائم تھی عدالتیں اپنا کام کر رہی تھیں اب اگر ملاں ایسے ہی عیسیٰ کو قتل کرواتے ہیں تو ان کے خلاف قتل کا مقدمہ درج ہوتا اور بدلے میں انہیں بھی قتل کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے یہ طے پایا کہ منظم طریقے سے اس شخص کے خلاف عوام کو بھڑکایا جائے عوام کو مشتعل کیا جائے کہ یہ شخص اللہ کا رسول نہیں بلکہ ایک کذاب شخص ہے جب عوام مشتعل ہوگی تو عوام کو سڑکوں پر لایا جائے جس سے حکومت دباؤ میں آ کر عوام کے راہنماؤں یعنی ان بڑے بڑے ملاؤں سے رابطے کرے گی کہ وہ عوام کو ٹھنڈا کریں حالات کو معمول پر لانے کے لیے حکومت کا ساتھ دیں عوام سے اپیل کریں کیونکہ عوام ان کی بات مانتی ہے تو ایسی صورت میں حکومت کے سامنے یہ مطالبہ رکھیں گے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذمہ دار ایک ہی شخص ہے جس نے رسول ہونے کا دعویٰ کر کے عوام کے جذبات کے ساتھ کھلواڑ کیا ان کے مذہب کے ساتھ کھلواڑ کیا اس لیے اگر حکومت چاہتی ہے کہ حالات معمول پر آجائیں عوام میں پایا جانے والا اشتعال اور جو عوام اور حکومتی املاک کو جلوسوں کی صورت میں نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو حکومت اس شخص کیخلاف فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کر کے اسے سزا دے۔

اس وقت قانون میں فساد فی الارض کی سزا مصلوب تھی یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا جانا جو کہ تمام سزاؤں سے سخت ترین اور بھیانک ترین سزا تھی جس کے بارے میں سن کر بھی لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

یوں بڑے بڑے چند ملاں جن کی ساری منصوبہ بندی تھی وہ حکومت کیساتھ رابطے میں رہے اور مقامی سطح پر اپنے نیچے ملاؤں کیساتھ بھی رابطے میں رہے ان ملاؤں کے ذریعے عوام کو شدید اشتعال دلاتے رہے جلسے جلوس نکالتے رہے، رستے بند کر دیئے گئے دھرنے دیئے جانے لگے ریاست اور عوام کی املاک کو نقصان پہنچایا جانے لگا اس سب میں لوگ زخمی اور قتل بھی کیے جانے لگے جس وجہ سے حکومت شدید ترین دباؤ کا شکار ہوگئی۔

یہ وہ وقت تھا جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کہا

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ۔

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِیۡنَ۔ وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ۔ آل عمران ۵۲،۵۳،۵۴

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ پس جو کہ احساس ہو گیا عیسیٰ کو ان سے جو اس وقت موجود ہیں مخصوص کفر کا یعنی عیسیٰ پر واضح ہو گیا کہ اب یہ لوگ ایک تو عیسیٰ کی کوئی ایک بھی بات نہیں مانیں گے بلکہ یہ انکار ہی کریں گے اور دوسرا یہ نقصان پہنچانے یہاں تک کہ قتل کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے تب عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے کہا قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ کہا کون ہے جو میری مدد کرنے والا ہے اللہ کی طرف، جب عیسیٰ نے ان لوگوں کو جو خود کو عیسیٰ کے حواری یعنی سب سے قریب ترین سمجھتے تھے جو عیسیٰ کیساتھ براہ راست رابطے میں تھے تو ان میں سے کچھ ایسے تھے جو حقیقت میں حواری نہیں بلکہ منافق تھے وہ حالات سے گھبرا کر عیسیٰ کو چھوڑ گئے اور ایسا ہو بھی کیوں نا کیونکہ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اللہ ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ جس میں رائی برابر بھی نفاق ہو وہ اپنا نفاق ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کا کفر ظاہر واضح ہو جاتا ہے اور جو واقعتاً مومن ہوتے ہیں خالص مومن صرف اور صرف وہی پیچھے رہ جاتے ہیں اور یہی ہوا کہ جو واقعتاً حواری تھے وہی پیچھے رہ گئے اور جو حواریوں کے پردے میں منافقین تھے وہ سب حالات سے گھبرا کر بھاگ گئے۔ جو حواری تھے ان کا جواب یہ تھا قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ کہا جو حواری ہیں ہم ہیں اللہ کی مدد کرنے والے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم تو مان چکے اس بات کو جو اللہ کی طرف سے ہم تک پہنچ چکی وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ اور شاہد ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمیں جو کہا گیا وہی کر رہے ہیں یعنی ہم اپنے اعمال سے اس پر گواہی دیں گے کہ ہم حواری ہیں ہم مومن ہیں رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ ہمارے ربّ ہم جو بھی تیری طرف سے بات آئی اسے تسلیم کر چکے ہیں وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ اور جو رسول کہہ رہا ہے جو رسول کر رہا ہے ہم نے وہی کیا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ پس کتب کر ہمیں اس کیساتھ جو اپنے اعمال سے گواہی دینے والے ہیں۔

وَمَكَرُوۡا اور جو عیسیٰ اللہ کے رسول کا کفر کر رہے ہیں وہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں وَمَكَرَ اور یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ منصوبہ بندی تو پہلے ہی ہو چکی ہے یعنی یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں عیسیٰ کو قتل کرنے کی اسے نقصان پہنچانے کی یہ ان کی منصوبہ بندی نہیں بلکہ یہ تو پہلے سے ہی کی جا چکی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ شکار ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے کس نے منصوبہ بندی کی جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں تو آگے اسی کا جواب ہے اللّٰهُ اللہ ہے یعنی اللہ ہے جس نے پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور آج یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں اللہ کے رسول کو شر پہنچانے کی تو یہ اللہ کی پہلے سے ہی کی جا چکی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ اور اللہ ہے خیر ہے جتنے بھی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں یعنی جتنے بھی ایسے منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں جو شر یعنی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں وہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور ظاہر ہے وہ کامیاب ہو بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ وہ جسے اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں وہ تو پہلے سے ہی اللہ کی کی گئی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں اور جب یہ اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں جسے یہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں تو پھر نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو اللہ کا طے کیا ہوا ہے نہ کہ ان کا اور اللہ شر نہیں بلکہ اللہ خیر ہے یعنی اللہ اپنے رسول کو قتل نہیں ہونے دے گا۔

تمام کے تمام فرقوں کے ملاں جو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ایک دوسرے کو جہنمی قرار دیتے اور رات دن ایک دوسرے سے دشمنی کرتے وہ سب کے سب عیسیٰ کو اپنا مشترکہ دشمن قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور عیسیٰ اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی اپنی منصوبہ بندی پر عمل کرنا شروع کر دیا، اللہ کے رسول عیسیٰ کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا اور پھر انہیں لگا کہ ان کی منصوبہ بندی کام کر گئی حکومت نے مذاکرات کی دعوت دے دی اور مذاکرات میں طے پایا کہ اس شخص پر فی الفور فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کیا جائے گا جس کے بدلے میں عوام اپنے گھروں میں چلی جائے اور اگر عوام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حالات کو معمول پر لانے کے لیے مقدمہ تو قائم کیا جاتا ہے اور گرفتار کر کے سزا نہیں دی جاتی تو نہ صرف عوام دوبارہ سڑکوں پر آئے گی بلکہ حکومت پر سے اعتماد بھی اٹھ جائے گا جس کا نتیجہ حکومت کے خاتمے کی صورت میں نکلے گا۔ حکومتی مذاکراتی ٹیم کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ نہ صرف فی الفور مقدمہ قائم کیا جائے گا بلکہ گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر الزامات ثابت ہوتے ہیں تو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیتے ہوئے جو اس کی سزا ہے وہ دی جائے گی مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا جائے گا۔

یوں حکومت کی مدعیت میں عیسیٰ ابن مریم کے خلاف فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کر دیا گیا عیسیٰ ابن مریم بہر حال بشر تھے ہر رسول بشر ہوتا ہے تو ظاہر ہے بشری تقاضوں کا کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا، عیسیٰ بشر تھے انہیں بھوک لگتی تھی کھاتے پیتے تھے باقی تمام تر حاجات بھی لاحق تھیں ایسے ہی جو باقی بشری تقاضے ہوتے ہیں وہ بھی لاحق تھے مثلاً کوئی کتنے ہی بڑے جگر والا ہی کیوں نہ ہو کتنا ہی نڈر کیوں نہ ہو لیکن جب حکومت اور عوام دونوں ہی دشمن بن جائیں آگ بگولہ

ہو کر ہر طرف تلاش کی جا رہی ہو تو ظاہر ہے بشر ہونے کے ناطے کسی حد تک فکر تو لاحق ہوتی ہے کہ اگر ان کے ہاتھ چڑھ گئے تو نتیجہ کیا نکلے گا وسوسے لاحق ہوتے ہیں حالانکہ رسول کی شخصیت پر یہ سب اثر انداز نہیں ہوتا لیکن وقتی طور پر فکریں لاحق ہونا فطرتی بات ہے اصل شئے یہ ہوتی ہے کہ آپ ان وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر ڈٹے رہتے ہیں۔ وسوسوں پر آپ کا اختیار نہیں لیکن عمل آپ کے اختیار میں ہے آیا آپ ان کا شکار ہو کر ویسا ہی کرتے ہیں یا پھر وہ وسوسے آپ کے کردار کو متاثر نہیں کرتے۔

اس لیے حالات کی سنگینی کی وجہ سے عیسیٰ ابن مریم نے خود کو حکومت اور عوام کی نظروں سے اوجھل کر لیا لیکن جب حکومت اور عوام دونوں ہی آپ کے دشمن ہوں اور آپ ان کے درمیان میں موجود ہیں تو زیادہ دیر آپ کا چھپے رہنا ناممکن بن جاتا ہے عوام اپنے ارد گرد کوئی بھی معمول سے ہٹ کر ہوتا ہوا دیکھیں تو فوراً حکومت کو مطلع کیا جاتا ہے اور حکومت ایسی صورت حال میں تصدیق نہیں کرتی بلکہ بغیر سوچے سمجھے بغیر تصدیق کے چھاپہ مارتی ہے یوں عیسیٰ ابن مریم کی تلاش میں رات دن ایک کیا جانے لگا اور زیادہ وقت نہیں گزرا کہ عیسیٰ ابن مریم کو تلاش کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

عیسیٰ ابن مریم کی گرفتاری کے لیے جہاں کہیں بھی چھاپہ مارا جاتا تو عوام کا ہجوم اکٹھا ہو جاتا ایسے ہی جب عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کیا گیا تو عوام کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور جیسے ہی عوام کو پتہ چلا کہ عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کر لیا گیا تو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی یوں نہ صرف دیکھتے ہی دیکھتے کثیر تعداد میں عوام اکٹھی ہو گئی بلکہ ہجوم میں ہی موجود ملاؤں نے عوام کو اشتعال دلانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پولیس اسٹیشن لاتے لاتے پورا جسم زخموں سے چور ہو گیا۔

یوں جب اس کیس کی سماعت شروع ہوئی عدالت لگی اور عیسیٰ ابن مریم کو عدالت میں پیش کیا گیا تو عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بہت سے ملاؤں نے گواہی دی کہ یہ شخص عیسیٰ جو کہ مریم کا بیٹا ہے اس نے نہ صرف ہمارے دین کا کفر کیا ہے لوگوں میں دین کے سو فیصد ہی خلاف نظریات پھیلا رہا ہے، ہمارے اللہ سمیت تمام تر عقائد و نظریات کا منکر ہے ان کا کفر کرتا ہے بلکہ رسول ہونے کا دعویٰ کر کے توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے اور پھر جب منصف نے یعنی جج نے عیسیٰ ابن مریم سے پوچھا کہ کیا تُو نے دین کے خلاف لوگوں میں نظریات پھیلائے؟ پہلے سے پائے جانے والے عقائد و نظریات کا کفر کیا؟ کیا تُو موسیٰ کے لائے ہوئے دین کا منکر ہے؟ اس کے برعکس کسی نئے دین کا دعویدار ہے؟ تو عیسیٰ ابن مریم بالکل خاموش رہا جج کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہ دیا جس پر عدالت میں بار بار شور اٹھتا کہ جج صاحب اس سے کیوں پوچھ رہے ہیں کیا اتنے سارے لوگ غلط ہیں یا جھوٹی گواہی دے رہے ہیں؟

پھر جب جج نے یہ سوال کیا کہ کیا تُو نے ایسا کوئی دعویٰ کیا ہے تُو اللہ کا رسول ہے وہی رسول المسیح جس کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہوا ہے؟ تو عیسیٰ ابن مریم پھر خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا اتنے میں عوام میں سے ملاؤں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ ابھی بھی تیرے پاس وقت ہے کہ تسلیم کر لے کہ تُو اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ تُو نے جھوٹ بولا تھا تو تیری جان بچ جائے گی۔

جج چونکہ نہ صرف تربیت یافتہ ہوتے ہیں بلکہ ان کو وسیع تجربہ حاصل ہوتا ہے کوئی بھی مقدمہ جب ان کے سامنے آتا ہے تو جج پر ساری حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے جج کو سب علم ہوتا ہے وہ سچے اور جھوٹے کو چہروں سے ہی پہچان لیتے ہیں لیکن جج اس بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ قانون کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں انہوں نے قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ہوتا ہے الا یہ کہ اللہ کا یعنی فطرت کا نظام عدل ایسا ہے کہ اس کے لیے سارا اختیار جج کے پاس ہی ہوتا ہے نہ کہ وہ کسی انسانی قانون کا پابند ہوتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کا مقدمہ جب جج کے سامنے آیا تو جج پر حقیقت بالکل کھل کر واضح ہو چکی تھی کہ یہ شخص عیسیٰ ابن مریم جھوٹا نہیں ہے یہ سچا ہے اس کی ایک ایک بات سچ ہے لیکن جن میں یہ بھیجا گیا ہے یہ لوگ ہیں ہی ضلالٍ مبینٍ میں اس لیے ان کی عقل میں اس کی باتیں آنے والی نہیں ہیں اور جج کی یہی چاہت تھی کہ کسی نہ کسی طریقے عیسیٰ ابن مریم کو رہا کر دیا جائے لیکن جج کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ کیا کرے کیونکہ جج کے بار بار اصرار پر بھی عیسیٰ ابن مریم کوئی جواب نہیں دے رہا تھا اور پھر جب سامنے موجود ملاؤں کی طرف سے یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ اب بھی تیرے پاس وقت ہے اگر تُو اقرار کر لیتا ہے کہ تُو اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی تو جج نے عیسیٰ ابن مریم کو مخاطب کرتے ہوئے یہی کہا کہ ایک بار اس بات کا اقرار کر لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تُو وہ المسیح نہیں ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہوا ہے تو تیری جان بچ جائے گی۔

جج چونکہ حق جان چکا تھا جج پر بالکل واضح ہو چکا ہوا تھا کہ یہ اللہ کا رسول ہی ہے اور ایمان لا چکا تھا اس لیے جج خود کو عظیم امتحان میں پا رہا تھا اور جج دل ہی دل میں اللہ سے گڑ گڑا کر یہی کہہ رہا تھا کہ اے میرے ربّ میں کسی بھی صورت تیرے رسول کو اذیت دینے والوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا میں کسی بھی صورت تیرے رسول کے دشمنوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا اس لیے مجھے اس امتحان میں کامیاب کر لیکن جج کے بار بار اصرار پر بھی عیسیٰ ابن مریم بالکل خاموش تھا کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔ جج یہی چاہ رہا تھا کہ اگر عیسیٰ ایک بار اقرار کر لے کہ وہ اللہ کا رسول المسیح نہیں ہے تو اس کو رہا کر دونگا ورنہ اگر عیسیٰ اقرار نہیں کرتا، صحت جرم سے انکار نہیں کرتا تو میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاؤں گا کیونکہ ایک تو میں قانون کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا اور اگر بالفرض میں ایسا کوئی حکم سنا تا بھی ہوں تو عوام کا ٹھاٹے مارتا سمندر اور ملاں طبقہ اسے یہیں قتل کر دیں گے۔

دوسری طرف ملاں بھی بہت بے چین ہو رہے تھے عیسیٰ ابن مریم کی خاموشی ان پر قہر بن کر ٹوٹ رہی تھی ملاؤں کی چاہت ہی یہی تھی کہ یہ ایک بار اقرار کرے کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہے تو نہ صرف ہم سچے ثابت ہو جائیں گے اور فخر کیساتھ عوام کو کہہ سکیں گے کہ دیکھو ہم نے کہا تھا نا کہ یہ اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ یہ کذاب ہے اگر رسول ہوتا تو موت کی پرواہ نہ کرتا، اپنی جان نہ بچاتا اگر رسول ہوتا تو اللہ اسے قتل ہی نہ ہونے دیتا اور اب جبکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خود اس بات کا اقرار کر لیا ہے تو یہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا اور پھر بعد میں اسے کذاب کذاب کہہ کر اس کا اور اس کے حواریوں کا جینا حرام کر دیں گے۔ لیکن ملاؤں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہی تھا کہ ملاں یہ ہوتا ہوا نہیں دیکھ رہے تھے ان کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ شخص عیسیٰ ابن مریم اپنے دعویٰ پر ڈٹا رہتا ہے اور مصلوب ہو جاتا ہے تو پھر ہر کوئی یہی کہے گا کہ وہ سچا تھا اگر وہ جھوٹا ہوتا اور دنیاوی لالچ، شہرت یا کسی اور غرض سے جھوٹا دعویٰ کر رہا تھا تو پھر اس نے مصلوب ہونا ہی پسند کیوں کیا؟ اسے تو اپنی جان بچانی چاہیے تھی اور صحت جرم کا انکار کر دینا چاہیے تھا جو کہ نہیں ہوا تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ عیسیٰ اللہ کا رسول تھا۔

بڑے بڑے ملاں نہیں چاہ رہے تھے کہ ایسا ہو ملاں بار بار شور مچا رہے تھے کہ اب بھی تیرے پاس وقت ہے اس بات کا اقرار کر لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تیری جان بچ جائے گی، دیکھ تیری بوڑھی ماں ہے اور دیکھ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے کوئی بے گناہ قتل کیا جائے اس لیے اب بھی وقت ہے اقرار کر لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تا کہ تیری جان بچ جائے۔

جج اور ملاؤں کے بار بار اصرار کے باوجود عیسیٰ ابن مریم نے ایک بار بھی زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کیا اور بالآخر گواہوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر جج کو مجبوراً عیسیٰ ابن مریم کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیتے ہوئے مصلوب کیے جانے کی سزا سنا دی۔ ایک طرف یہ فیصلہ سناتے ہوئے جہاں جج اندر سے رو رہا تھا اور اللہ سے کہہ رہا تھا کہ اے میرے ربّ میں نے تو جو میرے اختیار میں تھا وہ کیا اور جو میرے اختیار میں ہے ہی نہیں وہ میں کیسے کر سکتا ہوں اور دوسری طرف ملاں طبقے کے پاؤں تلے سے یہ سوچ سوچ کر زمین نکلے جا رہی تھی کہ بعد میں ہر کوئی یہی کہے گا کہ عیسیٰ جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ سچا تھا اسی لیے تو مصلوب ہو گیا اور تیسری طرف عوام اور کم عقل جاہل مطلق ملاں اور ان کے حواری جو اپنے بڑے بڑے ملاؤں کے پیچھے اندھوں کی طرح چل رہے تھے وہ جشن منا رہے تھے کہ وہ اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہو گئے۔

بڑے بڑے ملاؤں پر پہلے ہی واضح ہو چکا ہوا تھا کہ عیسیٰ سچا ہے لیکن اپنی انا کا مسئلہ بناتے ہوئے کوئی بھی آگے بڑھ کر اس کی تائید و تصدیق کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور پھر جب یہی فیصلہ سنایا گیا تو ملاؤں کو یقین ہو گیا کہ کذاب عیسیٰ نہیں بلکہ کذاب یہ لوگ خود ہیں اور اسی وجہ سے بڑے بڑے ملاؤں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے آس لگائے ہوئے تھے کہ ان میں سے کوئی عیسیٰ کے حق میں آواز بلند کرے تو ہم اس کی تائید و تصدیق کریں گے لیکن کوئی بھی پہل کرنے کو تیار نہ تھا بلکہ ایک دوسرے سے ہی امید لگائے ہوئے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر اب میں نے عیسیٰ کے حق میں بات کی تو لوگ کیا کہیں گے اور باقی سب ملاں کیا کہیں گے کہیں ایسا نہ ہو کے ذلیل و رسوا ہو جاؤں یوں ہر کوئی ایک دوسرے سے آس لگائے خاموش رہا۔

عدالت کی جانب سے جمعہ کے دن سزا پر عملدرآمد کا اعلان کیا گیا اس وقت کی حکومت کا یہ قانون تھا کہ فساد فی الارض کے مرتکب کو کھلے مقام میں عوام کے سامنے سرِعام مصلوب کیا جاتا تھا اور جب سزا کا معین وقت آ گیا یعنی جمعہ کا دن آ گیا تو عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کرنے کے لیے شہر سے باہر چورستے میں لے جایا گیا جہاں کھلا میدان موجود تھا۔ جب مصلوب کیا جانے لگا تھا تو عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجود تھا پہلے پہل تو خوب نعرے بازی کی گئی لیکن بڑے بڑے

ملاؤں نے رستے میں نعرے بازی سے روک دیا تھا جس وجہ سے میدان میں لاکھوں کی تعداد میں عوام کی موجودگی کے باوجود سناٹا چھا چکا تھا اور ملاؤں کی طرف سے بار بار یہی کہا جا رہا تھا کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے اب بھی وقت ہے کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی۔ ملاں نہیں چاہ رہے تھے کہ عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جائے کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر عیسیٰ ابن مریم اپنے دعوے پر ڈٹا رہا اور مصلوب ہو گیا تو اس کی یہ قربانی بعد میں عظیم انقلاب ثابت ہو جائے گی اور دوسری طرف ملاں خود سے بھی کوئی منصوبہ بندی کر کے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب ہونے سے نہیں بچا سکتے تھے کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر بھی عیسیٰ ابن مریم کی ہی جیت ہوتی ہر طرف شور مچ جاتا کہ اللہ کا رسول قتل نہیں ہو سکتا اب جب کہ عیسیٰ کو قتل نہیں کیا جا سکا تو یہ اللہ ہی کی منصوبہ بندی ہے یہ اللہ کا سچا رسول ثابت ہو جاتا ہے اب ملاں طبقے پر واضح ہو تا جا رہا تھا کہ انہوں نے جو منصوبہ بندی کی تھی وہ انہی پر ایسی پلٹ چکی ہے کہ اب کوئی بچاؤ کا رستہ ہی نہیں رہا اور یہ منصوبہ بندی ان کی نہیں بلکہ کسی اور کی منصوبہ بندی تھی جس کا یہ ملاں طبقہ شکار ہو چکے تھے۔
موسم ایسا تھا کہ ہلکے کالے بادلوں کیساتھ ساتھ خفیف سی ہوا چل رہی تھی، عیسیٰ کیساتھ ساتھ دو اور افراد تھے جو کہ ڈاکو تھے انہیں بھی فساد فی الارض کے جرم میں مصلوب کرنے کے لیے وہاں لایا گیا تھا۔ ان دونوں نے جب عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو انہوں نے عیسیٰ کو یہ کہتے ہوئے پوچھا کہ ہم تو ڈاکو ہیں ہم نے ڈکیتیوں کے دوران کئی لوگوں کا قتل کیا ہے لوگوں کا مال لوٹا ہے جس وجہ سے آج ہم مصلوب کیے جا رہے ہیں لیکن تُو تو نہ صرف انتہائی شریف اور سیدھا سادھا معلوم ہوتا ہے بلکہ شریف گھرانے کا فرد معلوم ہوتا ہے آخر تُو نے ایسا کون سا جرم کر دیا جو تجھے مصلوب کیا جا رہا ہے تو عیسیٰ ابن مریم نے ان دونوں کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ المسیح جس کا اللہ نے موسیٰ سمیت تمام رسولوں کے ذریعے وعدہ کر رکھا تھا وہی المسیح رسول جس کی ہر رسول اور ہر نبی نے بشارت دی تھی جب ڈاکوؤں نے عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے یہ سب سنا اور دیکھا کہ یہ شخص نہ صرف انتہائی مطمئن اور پر سکون ہے جیسے کہ اس نے کوئی جرم کیا ہی نہیں بلکہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور بچنے کا موقع بھی اس کے پاس ہے اس کو بار بار کہا جا رہا ہے کہ چاہے تو بچ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ اپنے موقف سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا اور وہ چونکہ خود نہ صرف مصلوب کیے جا رہے تھے وہ اذیت ناک موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے بلکہ اگر ان کو ایسا ایک موقع دیا جاتا کہ ان کی جان بچ جاتی تو وہ کسی بھی صورت اس موقع کو ضائع نہیں کرتے یہاں تک کہ کسی بھی صورت موت سے بچنا چاہتے لیکن یہ شخص ہے کہ اسے کوئی پرواہ ہی نہیں بلکہ الٹا بالکل مطمئن اور پر سکون بھی ہے اس لیے یہ شخص عیسیٰ جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ سچا ہے اور وہ دونوں ڈاکو اسی وقت عیسیٰ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے تھے انہوں نے دل ہی دل میں اپنے ربّ سے یہی کہا کہ اے ہمارے ربّ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا وقت ختم ہو چکا ہے ہمیں موت دی جانے والی ہے اس لیے اس وقت ہماری توبہ ہمیں کوئی نفع نہیں دے گی لیکن اس میں ہمارا قصور تو نہیں۔ ہمارا عیسیٰ ابن مریم سے تو سامنا ہی ایسی حالت میں ہوا ہے اور جب ہمارا سامنا اسی حالت اور ایسے وقت میں ہوا ہے تو ہم ایمان یا کفر بھی اب ہی کر سکتے ہیں اس لیے ہم دل سے اسے تیرا رسول تسلیم کرتے ہیں ہاں یہی تیرا رسول ہے۔
صلیب کو زمین پر رکھ کر عیسیٰ ابن مریم کو اس پر لٹایا گیا دونوں بازوں کو صلیب پر بچھا کر ہتھیلیوں میں کیل ٹھونک دیئے گئے اور دونوں پاؤں کو اوپر نیچے کر کے ان میں بھی کیل ٹھوک دیا گیا جو نیچے لکڑی کی صلیب میں پیوست ہو گیا۔ صلیب کو کھڑا کر دیا گیا یوں درمیان میں عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جا رہا تھا اور دائیں بائیں دونوں ڈاکوؤں کو مصلوب کیا جا رہا تھا جو کہ ایمان لا چکے تھے۔
مصلوب کیے جانے کا منظر ایسا خوف ناک اور دہلا دینے والا ہوتا تھا کہ اگر بڑے سے بڑے دشمن کو بھی صلیب پر چڑھایا جا رہا ہوتا تھا تو اس پر بھی ترس آ جاتا تھا۔ جب عیسیٰ ابن مریم کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونکے جا رہے تھے تو عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر بار بار ایک ہی بات تھی کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں یہ وہ وقت تھا جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کہا

اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. آل عمران ۵۵

جب حالات سخت ہو گئے تب یقین تھا کہ اگر میں اللہ کا رسول ہوں جو کہ ہوں تو اللہ کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکالے گا کیونکہ اللہ اپنے رسول کو مغلوب نہیں ہونے دے سکتا نہ ہی قتل ہونے دے سکتا ہے اور پھر جب گرفتار کیا گیا تب بھی یقین تھا کہ اللہ کوئی نہ کوئی رستہ نکالے گا اور جب سزا سنا کر جیل بھیج دیا گیا تب بھی یقین

تھا کہ ابھی کون سا صلیب پر چڑھا دیا گیا اس لیے اب بھی اللہ کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکالے گا اسی میں اللہ کی کوئی حکمہ ہوگی اور پھر بالآخر جب صلیب پر چڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے اب کیا ہوسکتا ہے؟ اب تو موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی تب دل ہی دل میں ناامیدی اور شکوہ کی صورت میں عیسیٰ اللہ کو کہہ رہا تھا کہ یہ میرے ساتھ کیا کیا؟ تُو نے تو قدر میں کیا ہوا ہے کہ تیرا رسول ہی غالب رہے گا رسول کو کوئی قتل نہیں کر سکتا رسول کو کوئی بھی وفات نہیں دے سکتا تیرے علاوہ یعنی رسول کی زندگی کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تو پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟

اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ تب کہا اللہ نے اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے آگے چل کر مستقبل میں وفات دونگا یعنی تُو اپنی پوری زندگی گزار کر طبعی طور پر وفات پائے گا تو آگے سے عیسیٰ نے اللہ سے کہا کہ پھر یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے یہ کیا ہے؟ تو اللہ نے اس کا آگے جواب دیا وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اور یہ جو تیرے ساتھ کیا جا رہا ہے یہ تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور تجھے پاک کر رہا ہوں یعنی تجھے نکال کر لے جا رہا ہوں ان لوگوں سے جو تیرا کفر کر رہے ہیں، تیرا کفر کرنے والوں سے تجھے نکال کر ان میں لے جا رہا ہوں جو تجھے میرا بھیجا ہوا یعنی اللہ کا رسول تسلیم کرنے والے ہیں۔ یعنی تب اللہ نے عیسیٰ پر واضح کیا کہ یہ تجھے وفات نہیں دے سکیں گے یہ تجھے قتل نہیں کر سکیں گے اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے یہ میں تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف اللہ رفع کرتا ہے جیسے کہ اس کا قانون ہے اللہ آزمائش میں ڈال کر اس میں ثابت قدم رہنے والوں کو رفع کرتا ہے اور جو ثابت قدم نہیں رہتے انہیں رفع نہیں کرتا اور یہ جو تیرے ساتھ کر رہے ہیں یہ میری منصوبہ بندی ہے میں تجھے ان سے نکال رہا ہوں اس طریقے سے کہ کفر کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا دی جائے اگر تجھے ان کے سامنے بچا لیا جاتا اس مقام پر پہنچنے ہی نہ دیا جاتا تو ان کے لیے ایمان لانا ناگزیر ہو جاتا اور چونکہ یہ تو تیرا کفر کر چکے ہیں یہ مجرم ثابت ہو چکے ہیں تو اللہ کیسے مجرمین کو ان کے جرم کی سزا دیئے بغیر چھوڑ سکتا ہے اس لیے یہ میری حکمت کی انتہاء ہے کہ نہ صرف تجھے اس آزمائش کے ذریعے رفع کر رہا ہوں اور کفر کرنے والوں سے پاک کر رہا ہوں بلکہ مجرمین کے لیے بچاؤ کا رستہ ہی بند کر رہا ہوں، اسی کی مزید وضاحت آگے چل کر آئے گی۔

صلیب کھڑے کیے جانے کے بعد بھی ملاّؤں کی طرف سے یہ آوازیں آ رہی تھیں کہ اے عیسیٰ اب بھی تیرے پاس وقت ہے صرف ایک بار اقرار کر لے کہ تُو کذاب ہے لیکن اب سامنے سے عیسیٰ ابن مریم درد کی شدت سے کراہتے ہوئے ایک ہی بات کہتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں۔ اتنے میں دائیں اور بائیں مصلوب کیے جانے والے دونوں افراد نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے اور چیختے ہوئے کہا کہ اے عقل کے اندھو! کیا تم غور نہیں کرتے ایسا شخص بھلا جھوٹا ہو سکتا ہے جسے اس قدر اذیت بھی اس کے موقف سے نہ ہٹا سکی؟

ہم سے پوچھو کہ جب موت آنکھوں کے سامنے ہو اور جان بچانے کا ایک موقع ملے تو اس کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ ہم ڈاکو تھے ہم نے ڈاکے ڈالے بڑے بڑے جرائم کیے ہم خود بھی جانتے ہیں ہم مجرم ہیں اور ہم اس سزا کے حقدار ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ہمیں ایک موقع دیا جائے تو ہم جان بچانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں مگر دیکھو اس شخص کو، دیکھو جسے بار بار کہا جا رہا ہے کہ ایک بار خود کو کذاب کہہ دے تجھے چھوڑ دیا جائے گا تیری جان بچ جائے گی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا اسے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں، اس نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی بلکہ اس اذیت کو گلے لگا رہا ہے۔

ائے عقل کے اندھو! ذرا غور کرو ایک لمحے کے لیے اس بات کو مان لیتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے اللہ کا رسول نہیں ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس نے جھوٹ کیوں بولا ہوگا؟ اول تو یہ کہ دنیاوی مال و متاع کے لیے، عزت و شہرت کے لیے اور اگر یہ وجہ نہیں تو پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ پاگل شخص ہے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔ اور اگر دوسری وجہ ہوتی یعنی پاگل ہوتا تو پاگل پر سزا کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس لیے پیچھے تو ایک ہی صورت بچتی ہے کہ دنیاوی مال و متاع، عزت و شہرت کی خاطر اور اگر ایسا ہوتا تو کیا موت کو گلے لگاتا یا پھر جان بچانے کی کوشش کرتا؟ جب زندگی ہی نہیں رہے گی تو مال و دولت کا کیا کیا جائے گا؟ کیا ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت ممکن ہے؟ نہیں نا؟ تو پھر عقل کے اندھو جان لو اپنے کان کھول کر سن لو اور آنکھیں کھول کر دیکھ لو، اے بدبختو یہ اللہ کا رسول ہے یہ کذاب ہو ہی نہیں سکتا۔

دائیں بائیں مصلوب کیے جانے والے مومنوں کی ان باتوں نے نہ صرف بڑے بڑے ملاّؤں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی بلکہ عوام کو بھی جیسے سانپ سونگ گیا ہو اب لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جن کو ادراک ہو چکا تھا کہ وہ نہ صرف باطل پر ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور ہر کوئی یہی چاہ

رہا تھا کہ کہیں سے عیسیٰ کے حق میں کوئی آواز بلند ہو تو ہم اس کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے لیکن ہر کوئی یہی سوچ اور چاہ رہا تھا کوئی بھی پہل کرنے کو تیار نہ تھا اور یہ حق تو ان ملّاؤں کا بنتا تھا جن کی وجہ سے حالات یہاں تک آ پہنچے اور وہ ملّاں بھی ایک دوسرے سے ہی امید رکھ رہے تھے کہ کوئی پہل کرے لیکن کسی نے پہل نہ کی۔

یہ منصوبہ بندی تو اصل میں اللہ کی تھی اس لیے دوسری طرف اللہ اپنا کام کر رہا تھا جج نے عیسیٰ ابن مریم کو سزا سنانے کے فوراً بعد عیسیٰ ابن مریم کے سب سے قریبی حواری جو کہ مالدار بھی تھا اس کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بندی کی تھی کہ عیسیٰ ابن مریم کو اس کی موت سے پہلے ہی صلیب سے اتار لیا جائے گا جس کے لیے انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے دو حواریوں کو ذمہ داری سونپی کہ سپاہی کے روپ میں ایک پھالے سے عیسیٰ کی ناک کو ایک دوا لگا دیں جس کے سونگنے سے عیسیٰ بے ہوش ہو جائے گا اور پھر بالآخر عیسیٰ کو مردہ قرار دیتے ہوئے وہاں سے جسم کو لے جایا جائے گا اور اسی وجہ سے ہی جج نے عیسیٰ کی سزا کے لیے جمعہ کے دن کا تعین کیا تھا۔

بنی اسرائیل کے لیے ہفتے کا دن نہ صرف مقدس سمجھا جاتا تھا بلکہ ہفتہ چھٹی کا دن تھا ہفتے کو کچھ بھی نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی ہفتے کے دن کسی مجرم کو سزا دی جاتی تھی اور اگر کوئی مصلوب کیا گیا تو اسے ہفتے کا یوم شروع ہونے سے پہلے پہلے صلیب سے اتارا جانا لازم ہوتا تھا۔ جمعہ کے دن موجودہ وقت کے مطابق دن دو بجے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا اور شام دس بجے سے پہلے پہلے یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے جسم کو صلیب سے اتارا جانا لازم تھا کیونکہ مغرب کیساتھ ہی ہفتے کا دن شروع ہو جاتا تھا۔

جب بھی کسی کو صلیب پر چڑھایا جاتا تو صلیب پر موت ہوتے چھ دن بھی لگ جایا کرتے یہاں تک کہ چھ دنوں میں بھی موت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صلیب پر چڑھانے کے بعد نہ تو کچھ کھانے کو دیا جاتا اور نہ ہی پینے کو یوں بھوک، پیاس اور درد کی شدت کی وجہ سے انتہائی اذیت ناک طریقے سے موت ہوتے ہوتے دو، تین، چار، پانچ یا چھ دن بھی لگ جاتے یہاں تک کہ چھ دنوں میں بھی موت واقع نہیں ہوتی اور ہفتہ شروع ہونے سے پہلے اگر کسی کی موت واقعہ نہ ہوتی تو اسے پھالوں سے مارا جاتا اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جاتیں اور جب اس کی موت واقع ہو جاتی تو لاش کو صلیب سے اتار لیا جاتا۔ دن دو بجے صلیب پر چڑھایا گیا اور نو بجے کے قریب عیسیٰ کے ایک حواری نے سپاہی کے روپ میں پھالے کی نوک پر کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ کر جو کہ بے ہوشی کی دوا لگا ہوا تھا ناک سے مس کیا جس کی وجہ سے عیسیٰ گہری بے ہوشی میں چلا گیا۔

جب صلیب سے اتارنے کا وقت آیا تو نہ صرف جج خود وہاں موجود تھا بلکہ حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا جج نے حکم دیا کہ صلیب سے اتار لیا جائے جس کے لیے موت کا ہونا لازم تھا عیسیٰ کے علاوہ دونوں ڈاکو درد کی شدت سے کراہ رہے تھے سپاہیوں نے پہلے دونوں ڈاکوؤں کو پھالے مار مار کر ان کی ہڈیاں تک توڑ دیں جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی اور انہیں صلیب سے اتار لیا گیا اور جب عیسیٰ ابن مریم کی باری آئی تو جج نے حکم دیا کہ دیکھا جائے زندہ ہے یا موت ہو چکی تو ایک سپاہی نے عیسیٰ کے پیٹ سے تھوڑا اوپر پسلیوں میں پھالا چبویا تا کہ اگر زندہ ہوا تو درد کی شدت سے جسم میں جنبش ہو گی لیکن پھالا چبانے سے جسم سے خون تو بہنا شروع ہو گیا لیکن جسم میں رائی برابر بھی جنبش نہ ہوئی تو سپاہی نے سمجھ لیا کہ موت واقع ہو چکی یوں سپاہی نے سوالیہ نظروں سے جج کی طرف دیکھا کہ آیا مزید پھالے مارنے ہیں یا پھر موت تو ہو چکی اب لاش صلیب سے اتارنی ہے تو جج نے فوراً حکم دے دیا کے جسم کو صلیب سے اتار لیا جائے۔

جب جسم کو اتارا جا رہا تھا تو وہی عوام جو پہلے عیسیٰ ابن مریم کی دشمنی میں ہر حد پار کر چکے تھے اب ان کے چہروں پر پشیمانی اور پچھتاوا جھلک رہا تھا گویا کہ ان کے ہاتھوں سے ظلم عظیم سرزد ہو گیا، سناٹا اور انتہائی افسردگی کا ماحول تھا ہر کوئی دشمن ہونے کے باوجود ایسے بجھا بجھا سا تھا جیسے کسی اپنے کی موت ہو گئی ہو۔

منصوبہ بندی کے تحت عیسیٰ ابن مریم کے چار حواریوں نے جج سے عیسیٰ ابن مریم کے جسم کا مطالبہ کیا تو جج نے ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے جسم کو ان کے حوالے کرنے کا حکم دے دیا اور عیسیٰ ابن مریم کے باقی حواری جو اس ساری منصوبہ بندی سے بالکل لاعلم تھے وہ بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے رسول کی موت ہو چکی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ عیسیٰ ابن مریم کے حواری جب جسم کو لیکر جانے لگے تو عوام دکھ اور پچھتاوے کی کیفیت میں پیچھے پیچھے آنے لگی جس پر عیسیٰ کے ان حواریوں نے چلانا شروع کر دیا جو سمجھ رہے تھے کہ عیسیٰ کی موت ہو چکی کہ اب کیا چاہیے کیا اب بھی سکون نہیں ملا؟ جاؤ اب تو جان چھوڑ دو اور کیا کرنا چاہتے ہو؟ یوں عوام نہ صرف آگے بڑھنے سے رک گئے بلکہ افسردگی کے ماحول میں واپس چلے گئے۔

منصوبہ بندی کے تحت عیسیٰ ابن مریم کہ خاص حواری نے ایک چٹان میں غار خرید رکھا تھا اس وقت ایسے غاروں کو وفات شدگان کو مدفون کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جہاں عیسیٰ ابن مریم کو لے جایا گیا جیسا کہ آپ اس غار کو آج بھی درج ذیل تصاویر میں دیکھ سکتے۔

قبر کے نام پر غار میں پہلے سے ہی سب انتظام کر رکھا ہوا تھا جیسے ہی عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو اس غار میں داخل کیا گیا تو چودہ فٹ لمبے کپڑے کو بچھا کر اس پر لٹا دیا گیا زخموں اور جسم پر مرہم لگا کر اسی کپڑے کو دوسرے سرے سے جسم پر اوڑھ دیا گیا یوں تین دن تک عیسیٰ ابن مریم کو اسی غار میں رکھا گیا تین دن میں نہ صرف ہوش آچکا تھا بلکہ جسم پر زخم کافی بھر چکے تھے اس کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو وہاں سے نکال کر کافی دور ایک دوسرے شہر کے قریب شہر سے باہر ایک گھر میں رکھا گیا جہاں عیسیٰ ابن مریم چالیس دن تک ٹھہرے جب تک کہ زخم بھر کر چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو گئے ان چالیس دنوں کے دوران عیسیٰ ابن مریم نہ صرف اپنے خاص خاص حواریوں سے ملاقاتیں کرتے رہے بلکہ ان پر واضح کیا کہ کسی کو بھی یہ خبر نہ ہو کہ میں زندہ ہوں میری موت نہیں ہوئی اور تم اس دعوت کو پورے زور شور سے لوگوں تک پہنچاؤ، لوگ خود کو مجرم سمجھ رہے ہیں وہ نہ صرف پشیمان ہیں اور پچھتا رہے ہیں بلکہ وہ چاہ رہے ہیں کہ انہیں اگر اس غلطی کے ازالہ کا موقع ملے تو وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے اس لیے لوگ نہ صرف تمہاری بات سنیں گے بلکہ وہ تمہارا ساتھ بھی دیں گے اور یہ بات جان لو اگر لوگوں پر یہ بات کھل گئی کہ میں زندہ ہوں تو وہ نہ صرف پھر واپس پلٹ جائیں گے اور ان کا پچھتاوا ندامت ختم ہو جائے گی اور وہ سمجھیں گے کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا

بلکہ وہ تمہاری دعوت نہیں سنیں گے وہ تمہارے قریب نہیں آئیں گے اس لیے لوگوں کو ان ملاّؤں کے چنگل سے آزاد کرانا ہے تو انتہائی حکمت سے کام لینا، یہ ملاّں تم سے الجھیں گے تمہارے ساتھ دشمنی کریں گے لیکن ان سے مت گھبرانا ان کو وہی جواب دینا جو میں نے دیا انہیں وہی کہنا جو میں نے کہا یہ لوگ تمہارا سامنا نہیں کر پائیں گے انہوں نے جو کرنا تھا کر لیا اب عوام بھی ان کا ساتھ نہیں دے گی اس لیے گھبرانا نہیں اور نہ ہی فکر کرنا۔
جب عیسیٰ ابن مریم کیخلاف ملاّؤں نے محاذ کھولا تھا سب دشمن بن گئے تھے تب بہت سے ایسے لوگ جو خود کو مومن سمجھتے تھے اور خود کو عیسیٰ کے پکے سچے حواری ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ منافقین تھے وہ سب کے سب غائب ہو گئے تھے ساتھ چھوڑ گئے تھے سوائے ان چند حواریوں کے جو واقعتاً حواری تھے نہ کہ منافقین۔ اس لیے عیسیٰ ابن مریم کو اپنے ان حواریوں پر مکمل اعتماد تھا کیوں کہ انہوں نے خود کو ثابت کر دیا تھا کہ وہ اللہ کے خالص غلام ہیں وہ کسی بھی صورت اللہ کے رسول کا ساتھ دینے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے سو انہوں نے کر دکھایا۔
عیسیٰ ابن مریم اپنے ان حواریوں کو نصیحتیں کر کے اپنی ماں کیساتھ وہاں سے ہجرت کر کے اس خطے میں آ گئے جو کہ پاکستان و افغانستان کے قبائلی علاقے ہیں جہاں پشتون قوم آباد ہے اسی کا ذکر اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیت میں بھی کیا۔
وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ .المومنون ۵۰
وَّاٰوَیْنٰهُمَا. ہم نے ان دونوں کو پناہ دی۔
دین کی خاطر ہجرت کرنا یا جہاں پر ایک مومن پر زمین تنگ ہو جائے وہاں سے ہجرت کر کے جہاں پناہ ملے اسے عربی میں اٰوٰی کہا جاتا ہے۔
رَبْوَة. جنت نما سرسبز باغات والی چشموں والی پہاڑی وادی، ایسا علاقہ جہاں بہت زیادہ پہاڑ ہوں۔
ذَاتِ قَرَارٍ. رہنے یا ٹھہرنے کی جگہ۔
وَّمَعِيْنٍ. مددگار، ایک مقررہ لمبی مدت جیسے دنیا میں اللہ نے جس مدت تک کے لیے بشر کو بسایا وہ مدت بھی معین کہلاتی ہے۔
معین کے ایک معنی مقررہ مدت تک۔ کونسی مقررہ مدت تھی جس کے لیے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو پناہ دی ایک جنت نما سرسبز باغات والے پہاڑی علاقے میں۔ جب ہم قرآن سے اس کا جواب حاصل کریں تو قرآن اس کا جواب یوں دیتا ہے۔
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ جب عیسیٰ کو بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا انہوں نے اپنی طرف سے قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھایا تب اللہ نے کہا اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں یہ تجھے وفات نہیں دے سکیں گے میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہ جو تجھے قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھا چکے ہیں یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے بلکہ تُو اپنی زندگی پوری گزار کر طبعی طور پر وفات پائے گا۔
وَّمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور یہ جو تجھے اپنی طرف سے بذریعہ صلیب قتل کر رہے ہیں یہ اللہ کی حکمت ہے اللہ اس طرح تجھے ان لوگوں سے پاک کر رہا ہے ان سے نکال کر ان میں لے جا رہا ہے جو ان کی طرح کفر کرنے والے نہیں بلکہ ایمان لانے والے ہیں۔
جب بنی اسرائیل نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے مصلوب کیا لیکن چونکہ وہ اللہ کی منصوبہ بندی تھی وہ تو یہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا لیکن اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل ہونے نہیں دیا تو وہاں ایک تو عیسیٰ علیہ السلام پر زمین تنگ ہو چکی تھی وہ وہاں نہیں رہ سکتے تھے کیوں کہ اس وجہ سے بنی اسرائیل میں سے وہ جو کفر کرنے والے تھے ان پر حقیقت عیاں ہو جاتی اور وہ ان پر ایمان لا کر حلال شدہ غضب سے بچ جاتے اور ایسا اللہ کے قانون میں نہیں ہے اس لیے وہاں سے خفیہ طریقے سے نکلنا لازم تھا کہ انہیں اس کا علم ہی نہ ہو کہ آپ زندہ ہیں۔
اور دوسری وجہ یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے باقی دس قبائل کی طرف اللہ کی دعوت لیکر جانا تھا اور جس کے لیے کسی ایک ایسی جگہ کا مقرر ہونا لازم تھا جسے وہ اپنا دار الخلافہ بنا سکیں یعنی ہیڈ کوارٹر بنا سکیں تا کہ ان کی والدہ مستقل وہیں رہے اور باقی تمام بنی اسرائیل کو بھی وہاں جمع کیا جا سکے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کو معین مدت تک یعنی اپنی وفات تک رہنا تھا کیونکہ اللہ نے مریم سے ان کے بیٹے کی وفات سے پہلے ہی یہ وعدہ کیا تھا۔
یوں عیسیٰ ابن مریم اپنی ماں کیساتھ وہاں سے ہجرت کر کے یہاں اس مقام پر آ کر آباد ہوئے جہاں پشتون قوم آباد ہے جو کہ بنی اسرائیل ہیں یہ جگہ اس وقت جنت نما سرسبز باغات والی چشموں والی پہاڑی وادی تھی اور عیسیٰ ابن مریم اپنی موت تک یہیں رہے یہیں پر انہوں نے شادی کی ان کے بچے بھی ہوئے جس کا

قرآن کی درج ذیل آیت میں اللہ نے ذکر کیا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّۃً ۔ الرعد ۳۸

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے تحقیق کرلو جو ہم کہہ رہے ہیں یہی حق ہے جو تمہارے سامنے آئے گا تجھ سے پہلے بھیجا ہم نے ایک ایک رسول اور کیا ہم نے ان کو بیوی بچوں والا یعنی کوئی ایک بھی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کو بیوی بچوں والا نہیں کیا۔

اللہ نے قرآن میں بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات واضح کردی کہ کوئی ایک بھی رسول اللہ نے ایسا نہیں بھیجا کہ جو بیوی بچوں والا نہ ہو اور اگر بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ عیسیٰ ابن مریم یا کوئی اور بیوی بچوں والا نہیں تھا تو وہ رسول ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے اسی قرآن میں کہا کہ رسول میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اسوہ حسنہ کے معنی ہیں کہ صرف اور صرف وہی کرنا ہے جو رسول نے کیا اور بالکل ویسا ہی کرنا ہے جیسا رسول نے کیا اب اگر کوئی بیوی بچوں والا ہی نہ ہو تو اس میں شادی اور بچوں کے لیے اور پھر بچوں کی تربیت کیسے کی جائے وغیرہ کا اسوہ کہاں سے اخذ کیا جائے گا؟ اس لیے وہ رسول ہو ہی نہیں سکتا جو بیوی بچوں والا نہ ہو۔ اس کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ کل کو یوم الحساب جب حساب لیا جائے گا جب اللہ پوچھے گا کہ تم اس جیسے کیوں نہ بنے تو جن کی طرف بھیجا گیا ان کے پاس عذر ہوگا کہ اے اللہ ہم اس جیسے کیسے بن سکتے تھے کیونکہ ہم پر بیوی اور بچوں کی ذمہ داری تھی اگر ہم پر بیوی بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو ہم بھی اس جیسے بن جاتے اور اگر اس کو بھی بیوی بچوں والا کیا جاتا اور اس کے باوجود یہ ایسا بنتا جیسا یہ بنا تو پھر اگر ہم اس کی طرح نہ بنتے تب تُو ہم سے سوال کرنے کا حق دار تھا اور تب ہمارے پاس کوئی بہانہ نہ ہوتا ہم واقعتاً مجرم ہوتے۔ یہ وجہ ہے کہ کوئی ایک بھی رسول بغیر بیوی بچوں کے نہیں ہوسکتا اس لیے عیسیٰ ابن مریم کی نہ صرف بیوی تھی بلکہ بچے بھی تھے جو کہ ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔

یہ پشتون قوم بنی اسرائیل ہیں جو ماضی میں جب بنی اسرائیل پر ذلت مسلط ہوئی ان پر دوسری اقوام کو مسلط کیا گیا عذاب کا شکار ہوئے بالکل ایسے ہی جیسے آج خود کو مسلمان کہلوانے والے عذاب کا شکار ہیں تو یہ بنی اسرائیل کے دس قبائل وہاں سے ہجرت کرکے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ عیسیٰ ابن مریم نے یہاں آکر ان لوگوں کو دعوت دی تو ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم کی دعوت کو قبول کرلیا۔

پھر یہی قوم یعنی جنہیں آج پشتون قوم کہا جاتا ہے جو کہ بنی اسرائیل ہیں انہوں نے واپس اسرائیل آکر عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی نصرت کی جس وجہ سے ایک انقلاب برپا ہو گیا یوں عیسیٰ ابن مریم کی زندگی میں ہی تمام کے تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے سوائے کفر کرنے والوں کے اور وسیع ریاست قائم ہوگئی۔

وہی ریاست بڑھتے بڑھتے یورپ و روس تک پھیل گئی۔

اسی کا اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیت میں بھی ذکر کیا ہے

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۔ النساء ۱۵۹

اور نہیں اہل الکتاب سے مگر ایمان لے آیا تھا اس کیساتھ اس کی موت سے پہلے اور یوم القیامہ ہو رہا ہے ان پر شھید یعنی جب تک وہ موجود رہا اور اس نے انہیں دعوت دی تو جو کچھ بھی اس کیساتھ کیا گیا اس سب کی یوم القیامہ ان پر گواہی دے رہا ہے۔

اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل بھی یہ حق کھول کھول کر واضح کردیا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت سے قبل اہل الکتاب میں سے سب کے سب ایمان لے آئے تھے لیکن کوئی نہ مانا کسی نے اس بات کو تسلیم نہ کیا سوائے انتہائی قلیل کے اور آج ایک بار پھر اللہ نے حق کھول کھول کر واضح کردیا اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ یہی بات دیکھ سکتے ہیں۔

وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ ۔ الذاریات ۴۹

اور ہر شئے سے خلق کیا ہم نے اس کا جوڑا

اللہ جب بھی کسی رسول کو بعث کرتا ہے تو جب وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا اہل ہو جاتا ہے یعنی پروان چڑھ کر اس مقام پر آجاتا ہے جہاں پر آکر اسے ذمہ داری کو پورا کرنا ہوتا ہے جس کو پورا کرنے کے لیے اسے دنیا میں لایا گیا تو تب سے لیکر اس کی موت تک کی زندگی جو کہ ایک یوم کہلاتا ہے اللہ نے اس کا اسی سے جوڑا بنا دیا۔ جیسے یوم میں پہلے لیل یعنی ظلمات ہوتی ہیں اس کے بعد نھار یعنی دن نکل آتا ہے سب کچھ روشن ہو جاتا ہے بالکل ایسے ہی رسول کی زندگی کا پہلا

حصہ لیل پر مشتمل ہوتا ہے جب رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو لیل یعنی ظلمات ہوتی ہیں کسی کو بھی نہیں علم ہوتا کہ حق کیا ہے یہاں تک کہ حق کی ایک رائی بھی نہیں ہوتی نور کی ایک کرن تک نہیں ہوتی اس دوران رسول کا کام ہوتا ہے لوگوں کو حق کی دعوت دینا رسول حق کھول کھول کر لوگوں پر واضح کرتا ہے اس پہلے مرحلے میں بہت تھوڑے ایسے ہوتے ہیں جو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس مقصد کے لیے یہ صلاحیتیں دی گئیں اور حق کو پہچان کر رسول کے ساتھیوں میں سے ہو جاتے ہیں مگر اکثریت ایمان لانے کی بجائے کفر کر دیتی ہے انکار ہی کرتی ہے جب رسول ہر ایک تک دعوت پہنچا چکتا ہے یعنی وہ اس ذمہ داری کو پورا کر لیتا ہے تو اس کے بعد یوم کا دوسرا حصہ یعنی رسول کی زندگی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے اللہ کے ید یعنی ہاتھ کا حرکت میں آنا، رسول اللہ کی زبان ہوتا ہے زبان کا کام ہوتا ہے پیغام کو کھول کھول کر پہنچانا جب زبان اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیتی ہے تو وجود میں صرف زبان ہی نہیں بلکہ ہاتھ بھی ہوتے ہیں یوں زبان کے بعد ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اور بالآخر جو زبان سے نہیں مانتے انکار ہی کرتے ہیں وہ ہاتھ سے یعنی ڈنڈے کے حرکت میں آنے سے مان جاتے ہیں انہیں ماننا ہی پڑتا ہے یوں نھار ہو جاتی ہے یعنی رسول کی زندگی میں ہی ہر کوئی مان جاتا ہے اور ہر طرف نور پھیل جاتا ہے ظلمات مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہیں۔

اب ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنے قانون کے ہی خلاف بعث کر دیا ہو؟ یہ ممکن ہی نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور اس کی موجودگی میں ہی ہر کوئی ایمان لے آیا فرق صرف اتنا تھا جو زبان سے نہیں مانے انہیں بعد میں ڈنڈے سے ماننا پڑا جو کہ اسلام لانا کہلاتا ہے۔
عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا اور یہ سب منظر وہاں موجود ہر کسی نے دیکھا ہر کسی نے اپنی آنکھوں سے یہی دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا لیکن حقیقت کیا ہے اس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا اور یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے کہا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو قتل کر دیا کیونکہ ہر کسی نے اپنی آنکھوں سے تو یہی دیکھا تھا لیکن حقیقت کا کسی کو بھی علم نہیں تھا سوائے اللہ کے، اللہ نے علم ان سے چھپا دیا اور پھر یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے بعد میں عیسائیوں نے یہ بات گھڑ لی کہ عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر تو موت ہو چکی تھی لیکن وہ تیسرے دن زندہ ہو گئے اور چالیس دن تک اپنے حواریوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور چالیس دن بعد زندہ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چلے گئے اللہ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گئے حالانکہ نہ تو عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوئی تھی یعنی صلیب پر قتل ہوئے تھے اور نہ ہی وہ زندہ یا مردہ آسمانوں پر کہیں گئے اور اگر جاتے بھی تو کہاں کس کے پاس جاتے؟ ایسا تو کوئی اللہ ہے ہی نہیں جو کہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔

ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ. مریم ۳۴
وہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا جس کے بارے میں حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا جو کہ گزر چکا، یہ ہے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں حق بات جس میں جھگڑ رہے تھے جس کے قریب آنے کی بجائے اسے تسلیم کرنے کی بجائے اس سے دور بھاگ رہے تھے اور آج بھی حق کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اس سے دور ہی بھاگ رہے ہو، شک کر رہے ہو، بحث و مباحثوں میں مشغول ہو، جسے ماننے کو تیار ہی نہیں، جس پر بات کرنا تم پر ناگوار گزرتا ہے، جس پر فضول بحثیں کرتے ہو بغیر علم کے۔

اللہ کے کلام کی روشنی میں یہ تھا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں حق۔ حق ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے بعد اب جس کا جی چاہے حق کو تسلیم کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرے اس عذاب عظیم سے بچ جائے جو بالکل سر پر آ چکا ہے اور جو چاہے حق کا کفر کرتے ہوئے اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات پر ڈٹا رہے لیکن ایک بات کان کھول کر سن لے حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے جب حق سامنے آ جائے تو کوئی چاہ کر بھی حق کا کفر نہیں کر سکتا ہر کسی کو حق تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بہت کم ہوتے ہیں جو زبان سے مانتے ہیں مگر اکثریت زبان سے نہیں بلکہ ڈنڈے سے مانتی ہے اس لیے اگر آج کوئی زبان سے نہیں مانتا تو اسے ماننا ہی ہوگا اور وہ عنقریب مانے گا۔

عیسیٰ ابن مریم کا زندہ آسمانوں پر چڑھ جانا

آپ جانتے ہیں کہ قرآن ہی کی کچھ آیات کے من پسند تراجم وتفاسیر جو کہ شیاطین کا کلام ہے انہیں اللہ کا کلام قرار دیتے ہوئے یہ بات عام کر دی گئی کہ عیسیٰ ابن مریم کو نہ تو صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ ہی یہودی انہیں قتل کر سکے بلکہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اوپر آسمانوں پر اپنے پاس اٹھالیا۔ اور یہ بات نہ صرف ہر ایک کے ہاں متفقہ ہے بلکہ تاریخی طور پر بھی یہ ثابت شدہ ہے کہ ایک شخص جو کہ رسول ہونے کا دعویدار تھا اس کو کذاب قرار دیتے ہوئے صلیب پر چڑھایا گیا یعنی واقعہ صلیب رونما ہوا تھا اب خود کو مسلمان کہلوانے والے واقعہ صلیب کا تو انکار نہیں کر سکتے کیونکہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا لیکن انہوں نے ایک نئی بات گھڑ لی کہ صلیب پر جس کو چڑھایا گیا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا ایک غدار حواری تھا جس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے بدل دی گئی اور اسے صلیب پر چڑھا دیا گیا یوں صلیب پر چڑھائے جانے والے کی موت ہوئی یعنی خود کو مسلمان کہلوانے والے یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اور اس کا بذریعہ صلیب قتل ہو گیا اس کی موت ہو گئی لیکن وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا ایک غدار حواری تھا جس کی شکل ان سے بدل دی گئی اب اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا وہ کوئی اور نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہی تھا تو یوں مسلمان قوم بھی عیسیٰ ابن مریم کے مصلوب کیے جانے کی دعویدار ثابت ہو جاتی ہے یعنی خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی صلیب کے ہی قائل ہیں۔

ویسے تو پیچھے جس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اس کے بعد کسی بھی لحاظ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اس کے باوجود ہم مزید ہر پہلو سے اس موضوع پر بات کریں گے تاکہ کوئی چاہ کر بھی حق کا انکار نہ کر سکے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی حق کا انکار کرتا ہے تو اس کے پاس کوئی عذر یا بہانہ باقی نہ رہے، اللہ پر اس کے لیے حجت نہ رہے بلکہ اس پر اللہ کی طرف سے حجت ہو جائے۔

پیچھے اللہ کو کھول کھول کر واضح کر دیا گیا جس سے اس عقیدے ونظریے کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود نہ صرف قرآن کی جن آیات کو بنیاد بناتے ہوئے ان کے تراجم وتفاسیر کے نام پر دھوکے ودجل کا شکار کیا گیا اسے واضح کریں گے بلکہ ہم یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ صلیبی صرف اور صرف وہ نہیں جو اپنے گلوں میں صلیب لٹکائے ہوئے ہیں بلکہ ان سے بھی بڑے صلیبی وہ ہیں جو زبان واضح الفاظ میں تو صلیب کا انکار کرتے ہیں لیکن وہ اپنے قول وفعل سے نہ صرف صلیب کے دعویدار ہیں بلکہ ان سے بڑا کوئی صلیبی ہے ہی نہیں اور وہ لوگ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔

صلیب کا مطلب ہے کہ ایک بشر کو بنی اسرائیل کے آخرین میں بطور رسول بعث کیا گیا جو کہ عیسیٰ ابن مریم تھا اور اس کا کفر کرتے ہوئے اسے بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا یعنی جس شخص کو بذریعہ صلیب قتل کیا گیا وہ عیسیٰ تھا۔ تو جو بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا وہ مصلوب ہو گیا یعنی اس کی صلیب پر موت ہو گئی وہ صلیبی ہے بے شک وہ ایسا کہتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا جانے والا عیسیٰ تھا یا کوئی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ صلیبی اسے کہتے ہیں جو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کی صلیب پر موت ہو گئی وفات ہو گئی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا کہنا ہے کہ وہ شخص عیسیٰ ابن مریم تھا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ اس کا ہم شکل غدار حواری تھا اور اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا وہ کوئی اور نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہی تھا تو اس کا مطلب کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے سب سے بڑے صلیبی ہیں اور آج ان کی یہ صلیب توڑ دی جائے گی۔

اس واقعے کو سمجھنے کے لیے مختصراً اس واقعے کی تفصیل آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخرین میں جب وہ ضلالٍ مبینٍ میں تھے یعنی جب نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ حق کیا ہے ہر کوئی ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں تھا اس کے باوجود ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ وہ حق پر ہے تو ایسی صورت میں اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل میں رسول بعث کیا۔

عیسیٰ ابن مریم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو چند سالوں میں نہ صرف عیسیٰ ابن مریم کی دعوت دور دور تک پھیلنے لگی بلکہ اس وقت خود کو مومن ومسلم اور اللہ کے

چہیتے کہلوانے والے جو کہ فرقہ در فرقہ گروہوں میں تقسیم تھے ان کے ملّاؤں کی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کی شدید مخالفت کی گئی اور وہی الزام لگایا جو ہر رسول پر لگایا جاتا رہا کہ یہ ایک نیا دین لے کر آ گیا ہے ایسا دین کے جس کے بارے میں نہ ہم نے کبھی سنا اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد نے کبھی سنا۔ حالانکہ حق تو یہ ہے کہ جب رسول بعث ہی تب کیا جاتا ہے جب سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تو پھر ظاہر ہے رسول کی ہر بات نئی ہی نظر آئے گی اس کی پوری کی پوری دعوت ہی ایسے نظر آئے گی گویا کہ پورے کا پورا دین ہی نیا ہے اس کے باوجود کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جو غور و فکر کرتا سوائے حسب سابق انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد کے۔

یوں بنی اسرائیل کے تمام تر فرقوں کے ملّاؤں نے عیسیٰ ابن مریم کے خلاف محاذ کھول دیا، اسے کذاب قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف قتل کے فتوے جاری کیے گئے حکومت پر دباؤ ڈالا گیا اور حکومت نے دباؤ کا شکار ہو کر نہ صرف عیسیٰ ابن مریم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا بلکہ سزا دینے کا بھی وعدہ کیا۔ یوں ایک شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں سوائے مسلمانوں کے ہر کوئی اس بات پر متفق ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم تھا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ چھومنتر کر کے اس کے ایک حواری کو اس کا ہمشکل بنا دیا گیا جو کہ عیسیٰ ابن مریم کے شبے میں گرفتار کر لیا گیا۔ ویسے تو یہ بات بالکل بے بنیاد اور جاہلانہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے ایک غدار حواری کی چھومنتر کر کے شکل بدل دی گئی اور عیسیٰ کو دو فرشتے زندہ اٹھا کر اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس لے گئے لیکن اس کے باوجود اگر یہ بات مان بھی لی جائے گی تو کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

جن میں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جسے بھی گرفتار کیا گیا اسے گرفتار کر کے اس پر با قائدہ مقدمہ چلایا گیا جس میں اس کو فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائی گئی یعنی بذریعہ صلیب قتل کیے جانے کی سزا سنائی گئی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص اگر عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا تو کیا اس نے ایک بار بھی یہ نہ کہا کہ میں عیسیٰ ابن مریم نہیں ہوں بلکہ اسی کا ایک حواری ہوں وہی جس نے غداری کی اور میری شکل اس سے بدل دی گئی؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم کا ہمشکل ہو اور اس نے ایسی بات نہ کی ہو؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے جایا جا رہا تھا تو عوام مار رہی تھی اور وہاں موجود ملّاؤں کا یہی کہنا تھا کہ تُو اگر مان لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہے تو تیری جان چھوٹ جائے گی تیری جان بچ جائے گی تو کیا اس شخص نے اپنی جان بچانے کے لیے جو سچ تھا وہ بیان نہ کیا؟ عدالت میں ملّاؤں کی طرف سے بار بار کہا گیا کہ تُو ایک بار اس بات کا اقرار کر لے کہ تُو کذاب ہے اور جج نے بھی بار بار کہا کہ ایک بار اس دعوے سے انکار کر دے یعنی یہ کہہ دے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تو تیری جان بچ جائے گی اب اگر وہ عیسیٰ نہیں تھا تو اس شخص نے اپنی جان بچانے کے لیے کیوں نہ سچ بتا دیا؟ چلو اگر سچ نہ بھی بتاتا تو کم از کم اپنی جان بچانے کے لیے کہہ دیتا کہ ٹھیک ہے جو بھی کہتے ہو میں کہنے کو تیار ہوں میں تسلیم کرنے کو تیار ہوں بس میری جان چھوڑ دو تو اس شخص نے ایسا کیوں نہ کیا؟

اور جب اس کی گواہی پر عیسیٰ کو گرفتار کیا گیا جو کہ سب سے اہم گواہ تھا کیا عدالت نے اس گواہ کو طلب نہ کیا؟ اگر طلب نہ کیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ سب سے اہم گواہ کو عدالت طلب ہی نہ کرے؟ اور اگر طلب کیا تو ظاہر ہے وہ تو غائب پایا گیا کیونکہ مسلمانوں کے بقول اس کی شکل تو عیسیٰ سے بدل دی گئی تھی اور اسی کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا تھا تو ایسی صورت میں کیا اس شخص کو تلاش نہ کیا گیا؟ اس کے غائب ہونے پر کیا کچھ بھی نہ ہوا؟ اور صلیب دیئے جانے کے بعد جب جسم کو صلیب سے اتار کر غار نما قبر میں لے جایا گیا تو اگر وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا تو غار نما قبر سے تیسرے دن جسم کہاں چلا گیا؟

تاریخ میں جو کہ بائبل کا نیا عہد نامہ ہے جسے خود کو مسلمان کہلوانے والے انجیل کہتے ہیں اس میں یہ بات صراحت کیساتھ موجود ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کے بعد جب قبر میں لے جایا گیا تو تیسرے دن وہ شخص زندہ ہو گیا قبر سے نکل کر نا معلوم مقام پر منتقل ہو گیا اور چالیس دن تک اپنے حواریوں سے ملاقاتیں کرتا رہا چالیس دن کے بعد اس پورے خطے میں کبھی نظر نہیں آیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چالیس دن بعد زندہ آسمانوں پر اللہ کے پاس چلا گیا۔ اب اگر وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بالکل ایک غدار حواری تھا تو اس کا مطلب کہ وہ غدار حواری تیسرے دن زندہ ہو گیا اور زندہ ہونے کے بعد چالیس دن تک عیسیٰ بن کر اس کے حواریوں سے ملاقاتیں کرتا رہا انہیں ہدایات دیتا رہا اور اس کے بعد وہ آسمانوں پر چڑھ کر اللہ کے پاس چلا گیا یعنی اسے اللہ نے اپنے پاس بلا لیا؟

پھر جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اسے بار بار یہی کہا جاتا رہا کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو کذاب ہے اللہ کا رسول نہیں تو اب بھی تیری جان بچ جائے گی لیکن وہ شخص آگے سے ایک ہی جواب دیتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ اگر وہ غدار حواری تھا تو وہ اپنی جان بچانے کی بجائے ایسا کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں؟

آج تک ان ملاّؤں نے واقعہ صلیب کا جو نقشہ بیان کیا اس میں انہوں نے انتہاء کی مکاری، چالاکی، مکر و فریب اور جھوٹ کا سہارا لیا ان لوگوں نے واقعہ صلیب کی حقیقت بیان کرنے کی بجائے اسے یوں بیان کیا جس سے سامنے والوں کو یہ تاثر ملے کہ یہودیوں نے ایک شخص کو پکڑا اور پھانسی پر چڑھا دیا یعنی دیکھتے ہی دیکھتے پکڑا اور صولی یعنی پھانسی پر چڑھا دیا گیا لوگ سمجھتے ہیں جیسے آج گلے میں رسی ڈال کر لٹکا دیا جاتا ہے پھانسی دی جاتی ہے ایسا ہی اس وقت ہوا تھا اور اگر یہ لوگ ایک بار بھی واقعہ صلیب کی حقیقت لوگوں کے سامنے لے آتے تو ان کا دجل و فریب چاک ہو جاتا، ان کی مکاری ظاہر ہو جاتی اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آج تک لوگوں کو اپنے دجل و فریب کا شکار کیے رکھا، کیونکہ انہیں علم ہے کہ اگر واقعہ صلیب کی تفصیل بیان کر دی گئی تو ایسے ایسے سوالات پیدا ہو جائیں گے کہ نہ صرف یہ لوگ کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دے سکیں گے بلکہ ان کے نسل در نسل منتقل ہونے والے ان عقائد و نظریات کا جڑ سے ہی خاتمہ ہو جائے گا۔

یہ چند سوالات ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے کوئی چاہ کر بھی جوابات نہیں دے سکتا کیونکہ جب جرم کر کے اسے چھپانے کے لیے جھوٹ بولا جائے تو پھر تب تک جھوٹ پر جھوٹ ہی بولا جائے گا جب تک کہ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے رجوع نہیں کر لیا جاتا۔ اگر کوئی اپنے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات پر ڈٹا رہتا ہے تو پہلی بات کہ وہ چاہ کر بھی ان میں سے کسی ایک سوال پر بھی مطمئن نہیں کر سکتا اور اگر وہ اس کے لیے مزید دغا بازی، مکاری اور جھوٹ کا استعمال کرے گا تو وہی جھوٹ مزید لاتعداد سوالات کو جنم دے گا یوں ایسا شخص اپنے آپ کو ایسی دلدل میں پائے گا کہ جتنا زور لگائے گا اتنا ہی اس میں دھنستا چلا جائے گا۔

آپ خود غور کریں کہ ایک شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اگر وہ مجرم نہیں تھا یا اسے کسی دوسرے کے شبے میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اس کی گرفتاری سے لیکر عدالتی کاروائی تک، عدالتی کاروائی میں فساد فی الارض کے الزام میں مصلوب کی سزا سنائے جانے سے لیکر صلیب پر جب تک وہ ہوش میں رہا تب تک ایک ہی مطالبہ کیا جاتا رہا کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں بلکہ تُو کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی تو کیا وہ خاموش رہتا؟ کیا وہ اپنی جان بچانے کے لیے جو وہ کہتے وہ اقرار نہ کر لیتا؟ اگر وہ رسول تھا ہی نہیں وہ تو شبے میں پکڑا گیا تھا تو اسے تو کچھ بھی کہہ کر اپنی جان بچانی چاہیے تھی لیکن کیا ایسا ہوا؟ نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوا اس شخص کا یہی دعویٰ رہا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور آخر تک اپنے اسی دعویٰ پر ڈٹا رہا بار بار اپنی زبان سے ایک ہی بات کرتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں جس سے یہ بات بالکل کھل کر ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کا رسول عیسیٰ ابن مریم ہی تھا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے اس کا کفر کیا انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہی دیکھا کہ عیسیٰ مصلوب ہو گیا یعنی عیسیٰ کی صلیب پر موت ہو گئی عیسیٰ کو بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن یہ ان کا ظن تھا یعنی انہوں نے جو دیکھا اسی کو انہوں نے سچ سمجھ لیا اس کا اصل علم ان کو نہیں تھا اللہ نے ان سے علم چھپا دیا اور وہ یہ تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو وہ چاہ کر بھی مصلوب نہ کر سکے یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ یہ تو اللہ کی حکمۃ تھی اللہ نے عیسیٰ کو ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے اس طرح بچایا کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی کا اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات میں ذکر کیا جن آیات کے تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر آج تک دھوکہ دیا جاتا رہا۔

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ‏. النساء ۱۵۷

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ اس آیت میں اللہ کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کا کفر کیا ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قتل کر دیا المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر دیا؟ کیونکہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا رسول تو تسلیم ہی نہیں کیا

تھا اگر وہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیتے تو قتل کیوں کرتے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کا کہنا یہ نہیں کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم جو اللہ کا رسول تھا اسے قتل کر دیا بلکہ یہ تو اللہ کہہ رہا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے المسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے جو اللہ کا رسول تھا اسے قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے اللہ کا رسول ہونے کا کفر کیا تھا ان کا تو یہ کہنا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ کا ان کو یہ کہنا ہے کہ جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح تھا یعنی وہی المسیح جس کی بعثت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا جو کہ اللہ کا رسول تھا اس لیے اے عقل کے اندھو غور کرو کیا رسول قتل ہو سکتا ہے؟

تم اللہ کے رسول کو قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو کیونکہ عیسیٰ ابن مریم تو المسیح اللہ کا رسول تھا اور رسول کیسے قتل ہو سکتا ہے؟ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا، رسول کو قتل کرنا تو بہت دور کی بات ہے رسول کو جن کی طرف بھیجا جاتا ہے جب تک وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا اس کی موت نہیں ہو سکتی اسے کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا؟

اللہ نے ایسا کیوں کہا اس کی ایک وجہ تو آپ پر واضح کر دی گئی کہ رسول کا قتل ہونا تو بہت دور کی بات ہے جو رسول ہوتا ہے اس کی تو اس وقت تک موت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اللہ رسول بعث ہی تب کرتا ہے جب سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں اور لوگوں پر حق نہ صرف کھول کھول کر واضح کرنا ہوتا ہے بلکہ ہر کسی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ حق کو تسلیم کرے اگر کوئی زبان سے یعنی جب رسول دعوت دیتا ہے تو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر رسول کی موجودگی میں ہی اللہ ڈنڈے کیساتھ حق کو منواتا ہے اس لیے رسول کی اس وقت تک موت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نہ صرف وہ جن کی طرف بھیجا گیا ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دے بلکہ وہ لوگ اگر زبان سے نہیں مانتے تو رسول کی موجودگی میں اللہ ہر ایک کو حق منواتا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے وہ ہوں جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا یا پھر ان کے علاوہ کوئی بھی ہو جو یہ کہے کہ عیسیٰ ابن مریم قتل ہو گیا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم المسیح اللہ کا رسول تھا اس کا قتل ہونا تو دور کی بات اس کی اس وقت تک نہ تو موت ہو سکتی ہے نہ ہی وہ دنیا سے کہیں غائب ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا جس مقصد کے لیے اسے دنیا میں بھیجا گیا اس لیے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا جب واقعہ صلیب ہوا یعنی عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اسے صلیب پر چڑھایا گیا کیا اس وقت تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر پہنچا چکا تھا؟ اگر تو حق کھول کھول کر پہنچا چکا تھا تو کیا اس کی موجودگی میں یعنی اس کی موت سے پہلے ہر کوئی عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لے آیا تھا؟ اگر تو ایسا ہو چکا تھا تو پھر یہ ممکن ہے کہ عیسیٰ کی موت ہو گئی یا وہ دنیا سے غائب ہو گیا لیکن قتل وہ پھر بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول کو قتل کیا ہی نہیں جا سکتا اور اگر ایسا نہیں یعنی جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا تب تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق نہیں پہنچا پایا تھا اور تمام کے تمام بنی اسرائیل عیسیٰ ابن مریم کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہیں لائے تھے تو پھر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے یا کوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے نہ تو عیسیٰ کی موت ہونا ممکن ہے اور نہ ہی کہیں غائب ہونا اور پھر جو عیسائیوں اور مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ آسمانوں پر چڑھ گیا یہ بھی بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے۔

یعنی جب واقعہ صلیب ہوا اگر تب تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق کھول کھول کر نہیں پہنچا سکے تھے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے یا پھر اگر پہنچا بھی چکے تھے اور ان کی موجودگی میں تمام کے تمام بنی اسرائیل ایمان نہیں لائے تھے تو نہ ہی عیسیٰ کی موت ممکن ہے اور نہ ہی عیسائیوں اور مسلمانوں کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ زندہ آسمانوں پر اللہ کی طرف چڑھ گیا۔ اس لیے اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ صلیب تک کیا عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک دعوت کھول کھول کر پہنچا چکے تھے اور اگر پہنچا چکے تھے تو کیا سب کے سب ان پر ایمان لا چکے تھے یا پھر نہیں؟

اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیت میں کہا

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ آل عمران ۴۹

اور ایک رسول تھا وہ رسول جو تب بعث کیا گیا جب اس کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل ضلالٍ مبینٍ میں تھے یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی بھیجا ہوا تھا بنی اسرائیل کی طرف۔

اللہ نے اس آیت میں بالکل صراحت کیساتھ کھول کر واضح کر دیا کہ عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا اور یہی بات خود عیسیٰ ابن مریم نے بھی اپنی

زبان سے بنی اسرائیل سے کہی اور نہ صرف یہ بات کہی بلکہ اپنے بعد مزید رسولوں کی بعث کی بھی بشارت دی کہ ان میں سے جب بھی رسول آئے گا تو اس کا اسم احمد ہو گا جیسا کہ درج ذیل آیت میں صراحت کیساتھ یہ بات موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ‌ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ‏ . الصف ۶

جیسے آج خود کو مسلمان کہلوانے والوں پر ذلت و مسکنت مسلط ہو چکی ہے دوسری قومیں ان پر ہر طرف سے چڑھ رہی ہیں اور یہ دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اپنے خطوں سے نکلنے یعنی ہجرت کر کے دنیا میں بھر میں پناہ لینے پر مجبور ہیں بالکل ایسے ہی عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل پر ذلت مسلط ہو چکی تھی اور وہ دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہو رہے تھے اپنے علاقوں سے نکلنے یعنی ہجرت کرنے پر مجبور ہو کر دوسرے علاقوں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔

جیسے محمد علیہ السلام کے بعد اس امت جو کہ اہل الکتاب ہیں انہیں وسیع زمین پر تمکن حاصل ہوا ان کی حکومت قائم ہوئی بالکل ایسے ہی موسیٰ کے بعد سلیمان بن داؤد کے ذریعے بنی اسرائیل جو کہ اس وقت اہل الکتاب تھے کو پوری دنیا میں تمکن حاصل ہوا یعنی پوری دنیا میں ان کی حکومت قائم ہوئی لیکن سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد آل داؤد نے شکر کی بجائے کفر کیا یعنی جو کچھ انہیں دیا گیا جس مقصد کے لیے دیا گیا انہوں نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ ان کے ہاتھوں سے علاقے نکلنے لگے یہاں تک کہ پوری زمین ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ ذلیل و رسوا ہو گئے یعنی انہوں نے داؤد اور سلیمان کی قائم کردہ الصلاۃ کو ضائع کر دیا۔

سلیمان علیہ السلام نے چونکہ پوری دنیا فتح کی تھی اقوام عالم کیساتھ جنگیں کی تھیں ان کے اسباب و وسائل ختم کر دیئے تھے پوری زمین کو دوبارہ فطرت پر قائم کر دیا تھا جس وجہ سے وہ تمام کے تمام طبقات جن سے سلیمان نے اقتدار چھین لیا تھا وہ امت بنی اسرائیل کے دشمن بن گئے تھے اور پھر جب سلیمان کی موت کے بعد آل داؤد نے شکر کی بجائے کفر کیا تو نہ صرف ان کے ہاتھوں سے علاقے نکل گئے بلکہ پھر انہی اقوام نے بنی اسرائیل سے بدلے کی غرض سے ان پر چڑھائی کر دی انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹا ان سے ان کے علاقے چھین لیے اور یوں بنی اسرائیل کو ایسے ہی اپنے علاقوں سے جان بچا کر نکلنا پڑا جیسے آج شام، عراق و یمن سمیت مختلف خطوں سے خود کو مسلمان کہلوانے والے ہجرت کر کے دنیا بھر میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔

بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل میں تقسیم تھے ان میں سے دس قبائل نے اس دوران ہجرت کر کے آج کے پاکستان و افغانستان کے قبائلی علاقوں میں پناہ لی یہاں آ کر آباد ہو گئے جو کہ آج پشتون قوم کہلاتی ہے اور تین قبائل نے موجودہ عراق کے صوبے نینویٰ میں پناہ حاصل کی۔

عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے چند صدیاں پہلے ایران کے ایک سائرس نامی بادشاہ نے نہ صرف عراق بلکہ شام و اسرائیل سمیت وسیع علاقوں کو فتح کر لیا۔ بنی اسرائیل کے تین قبائل جو عراق کے صوبے نینویٰ میں نسل در نسل بطور مہاجر آباد تھے یہ مظلوم و لاچار قوم کے طور پر جانے جاتے تھے سائرس ایرانی نے ان پر ترس کھاتے ہوئے ان کو واپس ان کے علاقے اسرائیل میں لا بسایا۔

یوں بنی اسرائیل کے تین قبائل دوبارہ واپس اپنے علاقے اسرائیل میں آ گئے لیکن دس قبائل کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے جنہیں آج بھی بنی اسرائیل کی دس گم شدہ قبائل کے نام پر یاد کیا جاتا ہے اور وہ دس گم شدہ بنی اسرائیل قبائل وہ قوم ہے جسے دنیا پشتون قوم کے نام سے جانتی ہے جو کہ موجودہ پاکستان و افغانستان کی قبائلی پٹی پر آباد ہیں۔

عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو پہلے بنی اسرائیل کے تین قبائل جو کہ اسرائیل میں آباد تھے ان کی طرف بھیجا اور ان کی طرف پہلے بھیجنے کی وجہ بھی یہی تھی کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ یہ کفر ہی کریں گے یوں اللہ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے عیسیٰ ابن مریم کو پہلے ان تین قبائل کی طرف بھیجا ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو باقی دس قبائل کی طرف بھیجنا تھا۔

پیچھے آپ یہ جان چکے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نے جب اسرائیل میں بنی اسرائیل کے ان تین قبائل کو دعوت دی تو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کیساتھ کیا کیا؟ یعنی

عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اپنی طرف سے انہیں قتل کر دیا۔ اب جبکہ یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی ہے کہ جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا تب تک عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل کے تیرہ میں سے صرف تین قبائل تک دعوت پہنچائی تھی اور دس قبائل ابھی باقی تھے جن کی طرف ابھی عیسیٰ ابن مریم کو اپنی دعوت لیکر جانا تھا تو پھر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کا قتل ہونا تو بہت دور کی بات عیسیٰ کی موت یا پھر عیسیٰ آسمانوں پر کیسے چڑھ گیا؟ دنیا سے غائب کیسے ہو گیا؟ عیسیٰ کو جس مقصد کے لیے بعث کیا گیا وہ اس مقصد کو پورا کیے بغیر دنیا سے کیسے چلا گیا؟ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔ اس لیے یہ بات آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ جب واقعہ صلیب ہوا تب نہ تو عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جا سکا یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت نہیں ہوئی انہیں بذریعہ صلیب قتل نہیں کیا جا سکا نہ ہی ان کی موت ہوئی اور نہ ہی وہ دنیا سے کہیں غائب ہو گئے کہ وہ آسمانوں پر جا چڑھے اس لیے ایسے تمام کے تمام دعوے بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتے ہیں اور اسی کا اللہ نے آگے ذکر کیا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور نہیں عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پا رہے اور جو اسے صلیب پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو جو صلیب پر چڑھایا گیا اور قتل نہیں کر سکے تو پھر ہوا کیا؟ وہ کیا تھا جو لاکھوں لوگوں کے سامنے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے اس کا جسم صلیب سے اتارا گیا کہ عیسیٰ کا قتل ہو گیا؟ تو اسی سوال کا آگے اللہ نے جواب دیا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور لیکن شبہ تھا ان کو۔ شبہ کہتے ہیں جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کانوں سے سنتے ہیں یا کہیں پڑھتے ہیں تو حقیقت وہ نہیں جو آپ نے دیکھا سنا یا پڑھا بلکہ حقیقت کیا ہے اس کا علم مکمل طور پر آپ سے چھپا دیا گیا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے لیکن آج آپ جانتے ہیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے اور جب تک حقیقت سامنے نہیں آئی تب تک جو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے حق تسلیم کر رہا تھا وہ حق نہیں بلکہ شبہ تھا۔

اس آیت میں بھی اللہ نے یہی کہا کہ ان کو شبہ تھا یعنی انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے سارا منظر دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اس کیخلاف محاذ کھولا گیا اس پر فساد فی الارض کا مقدمہ درج کروا کر اسے گرفتار کروایا گیا اس کے بعد عدالت نے فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائی اور بالآخر لاکھوں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سر عام عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور کچھ گھنٹوں بعد اس کی موت کی تصدیق کرتے اس کی لاش کو صلیب سے اتارا گیا لیکن یہ جو کچھ بھی ہر کسی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یہ حقیقت نہیں تھی بلکہ حقیقت کیا ہے اس کا ان میں سے کسی کو نہیں علم تھا حقیقت کا صرف اور صرف اللہ کو علم تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت نہیں ہوئی یہ جو کچھ بھی ہوا تھا یہ تو اصل میں اللہ ہی کی ساری منصوبہ بندی تھی وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو جو بھی اس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی دنیا میں جو جو لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے صلیب والے واقعے میں اختلاف کر رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ مصلوب کر دیئے گئے یعنی صلیب پر ان کو قتل کر دیا گیا، کوئی کہتا ہے صلیب پر موت تو ہو گئی لیکن تیسرے دن زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے اللہ کی طرف اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں جسے صلیب پر چڑھایا گیا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا غدار حواری تھی جس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے بدل دی گئی اور عیسیٰ ابن مریم کو تو فرشتے زندہ ہی اٹھا کر اوپر آسمانوں پر اللہ کی طرف لے گئے تھے تو اللہ ان تمام کے تمام اختلاف کرنے والوں کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ان میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی علم نہیں یہ تمام کے تمام شکوک میں ہیں اس سے اور آگے ان لوگوں کے بارے میں مزید کہا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہیں ہے ان کو اس سے رائی برابر بھی علم اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ مگر اتباع کر رہے ہیں ظن کی۔

الظَّن. ظن کہتے ہیں بغیر علم کے بات کو جو محض سن، دیکھ یا پڑھ کر سچ مان لیا جائے نہ کہ اس کی بنیاد علم ہو۔ اسے ایک مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ سورج سفر کر رہا ہے، سورج اوپر چڑھتا ہے آگے بڑھتا ہے پھر نیچے کو ڈھلتا ہوا ڈوب جاتا ہے یعنی سورج زمین کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اب جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ ظن ہے اور اگر اسے بغیر علم حاصل کیے سچ مان لیا جائے تو یہ ظن کی اتباع کہلائے گی۔

اور علم کیا ہے وہ آج آپ پر کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھوم رہا جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں بلکہ زمین اپنے ہی محور پر سورج کے گرد گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن جا آ رہے ہیں۔ کسی بھی بات کو محض کہیں سے پڑھ کر، سن کر یا دیکھ کر بغیر غور و فکر کر کے علم حاصل کیے حق تسلیم کر لینا ظن کی اتباع کہلاتا ہے۔

اللہ کا کہنا ہے کہ جو جو لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ہر کسی کا دعویٰ ہے کہ وہی اس حوالے سے حق پر ہے اور باقی سب گمراہ ہیں باطل پر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے واقعہ صلیب کے حوالے سے رائی برابر بھی علم نہیں ہے یہ تمام کے تمام لوگ صرف اور صرف اسی کے پیچھے چل رہے ہیں جو انہوں نے سنا دیکھا یا پڑھا۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی علم نہیں ہے یہ بغیر علم حاصل کیے اسی کے پیچھے چل رہے ہیں جو انہوں نے کہیں سے سنا، دیکھا یا پھر کہیں پڑھا۔

اور آج اگر آپ خود اپنے ہی گریبان میں جھانکیں کہ کیا حقیقت یہی نہیں ہے کہ آج تک آپ ظن کی ہی اتباع کرتے چلے آرہے ہیں یعنی جو کچھ آپ نے کہیں سے یا کسی سے بھی سنا جو انسانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ پڑھا اس کے پیچھے چل رہے ہیں بجائے یہ کہ آپ اس بارے میں علم حاصل کرتے؟ حق بالکل واضح ہے بنی اسرائیل میں سے وہ ہوں جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا تھا انہوں نے بھی ظن کی ہی اتباع کی یعنی انہوں نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا اسے ہی اصل حقیقت مان لیا حالانکہ حق تو یہ ہے کہ رسول بھلا کیسے قتل ہو سکتا ہے؟ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا اور ایسے ہی عیسائیوں اور مسلمانوں کا معاملہ ہے جو ان کے آباؤ اجداد نے کتابوں میں لکھ دیا اور جو کچھ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے جو کچھ ان کے مذہبی ٹھیکیدار ان کو سناتے ہیں یہ صرف سن، دیکھ اور پڑھ کر بغیر علم حاصل کیے اس کے پیچھے چل رہے ہیں کسی ایک کے بھی پاس اس حوالے سے رائی برابر بھی علم نہیں ہے۔

اگر ان کے پاس علم ہوتا تو یہ لوگ کبھی بھی ایسا نہ کہتے کیونکہ جب عیسیٰ اللہ کا رسول تھا اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو وہ بغیر اس مقصد کو پورا کیے کیسے کہیں غائب ہو سکتا ہے؟ کیسے اس کی موت ہو سکتی ہے؟ کیسے وہ آسمانوں پر چڑھ سکتا ہے؟

میرا بنی اسرائیل اور عیسائیوں کے ہر شخص سے سوال ہے کہ جب واقعہ صلیب پیش آیا تو کیا اس وقت عیسیٰ ابن مریم تمام بنی اسرائیل تک حق کھول کھول کر پہنچا چکا تھا؟ اگر پہنچا چکا تھا تو کیا سب کے سب عیسیٰ ابن مریم کی موت سے پہلے ایمان لا چکے یا ایمان لانے پر مجبور ہو گئے تھے؟

اگر نہیں جو کہ یقیناً نہیں اور تم خود بھی جانتے ہو تو پھر تم عیسیٰ ابن مریم کے قتل اور آسمانوں پر جانے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو؟

جان لو اور اپنی بائبل کو کھولو خواہ وہ نیا عہد نامہ ہو یا پھر پرانا عہد نامہ اسے کھولو اور پوچھو اپنے پادریوں سے جو تمہارے دین و مذہب کے ٹھیکیدار ہیں کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی رسول جن کی طرف بھیجا گیا ہو ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے سے پہلے قتل ہو جائے یا اس کی وفات ہو جائے یا پھر وہ کہیں بھی غائب ہو جائے؟

اے اہل الکتاب یعنی آسمانوں و زمین کے وارث کہلوانے والو جو کہ خود کو مسلمان کہلواتے ہو امت محمد کہلواتے ہو تم سے بھی سوال ہے اور تمہارے تمام کے تمام ملاؤں دین و مذہب کے ٹھیکیداروں، تمہاری راہنمائی کے دعویداروں سے سوال ہے اور یہ چیلنج ہے کہ سب اپنے اپنے دعوے سچ ثابت کر کے دکھاؤ؟ کیا کوئی اللہ کا رسول جس قوم کی طرف بھیجا جائے اس قوم تک حق کھول کھول کر پہنچانے سے قبل وفات پا سکتا ہے؟ قتل ہو سکتا ہے؟ غائب ہو سکتا ہے؟ کہیں بھی جا سکتا ہے؟ اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ سکتا ہے؟

اے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والو اور ان کے تمام کے تمام عالمو، لیڈرو، امیرو، میرا تم سے یہ سوال ہے کہ کیا کوئی اللہ کا رسول ایسا ہے جو جس قوم کی طرف بھیجا گیا ہو اس قوم تک پیغام پہنچانے سے قبل اللہ کے قانون کے ہی خلاف آسمانوں پر اٹھا لیا جائے؟

کیا رسول ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ جن کی طرف بھیجا جائے نہ تو وہ ان کی طرف پیغام پہنچا پائے اور نہ ہی اس کی موت سے پہلے اس کی موجودگی میں ہر کوئی اس پر ایمان لایا ہو اور وہ دنیا سے چلا جائے؟ اس کی موت ہو جائے؟ غائب ہو جائے یا اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ جائے؟

آؤ اپنا دعویٰ سچ ثابت کرو؟

آؤ جواب دو؟ ورنہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر بہتان تراشی چھوڑ دو؟

چاہے جیسا بھی تمہارا دعویٰ ہے اسے سچ ثابت کرو؟

اے تمام کے تمام فرقو، گروہو، تنظیمو، جماعتو جواب دو؟

اے مسلک، تنظیم، گروہ، جماعت وغیرہ کے نام پر فرقو آؤ اور جواب دو؟

اور اے عیسائیو؟ عیسائیوں کے تمام کے تمام فرقو تم بھی اس کا جواب دو؟ کیونکہ تمہارے دین کی تو بنیاد ہی صلیب پر یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت

ہونے پر کھڑی ہے جواب دو ورنہ تمہاری تو جڑ ہی کٹ چکی، تمہارے دین کی بنیاد ہی جڑ سے نہ صرف اُکھڑ چکی بلکہ سرے سے غائب ہو چکی۔ صدیوں سے تمہارے دجل کا آج اختتام ہو چکا۔

اگر تم یہ ثابت کر دو کہ واقعہ صلیب پیش آنے تک عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل کے تمام تیرہ قبائل تک حق کھول کھول کر پہنچا چکے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کی موت سے پہلے تمام کے تمام اہل الکتاب ایمان لا چکے یا ایمان لانے پر مجبور ہو چکے تھے تو تمہارا دین دینِ حق اور جیسے ہی تم یہ ثابت کر دو گے میں یہ اعلان کرتا ہوں تمہاری من پسند شرائط کیمطابق تمہارا دین اختیار کرلوں گا نہ صرف تمہارا دین اختیار کرلوں گا بلکہ تمہارے دین کے دین حق ہونے کا دعویدار بن کر اعلانات کروں گا۔ اور اگر تم یہ ثابت نہ کر سکو اور یقیناً ہرگز ثابت نہ کر سکو گے تو کیوں اللہ سے کفر کر رہے ہو؟ بتاؤ یہ کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مقصد رسالت کو پورا کرنے سے قبل ہی قتل ہو جائیں، وفات پا جائیں یا بقول تمہارے تیسرے دن زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے ایسا کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ عاجز آ گیا؟ اور کل کو روز محشر بنی اسرائیل میں سے وہ جن تک تمہارے بقول پیغام پہنچانے سے قبل ہی قتل ہو گئے پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے جس کی وجہ سے ان تک بعد میں آنے والے رسولوں کی بشارت نہ پہنچی، وہ بشارت تو بعد کی بات ان تک خود عیسیٰ ابن مریم ہی نہ پہنچے جس کی وجہ سے وہ کفر و شرک کی حالت میں مر گئے تو کیا ان کے لیے اللہ کے ہاں یہ عذر نہیں ہوگا کہ اے اللہ تُو تو اپنے ہی قول میں جھوٹا ہے کہ خود تُو نے کہا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا لیکن وہ ہم تک تو پہنچ ہی نہ پایا آخر ایسا کیوں، کیا تُو عاجز آ گیا تھا؟ جنہوں نے تیرا کفر کیا وہ غالب آ گئے تھے کہ تجھے عیسیٰ کو ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی اٹھانا پڑ گیا؟ اور جب ہم تک پہنچا ہی نہیں تھا تو پھر آج ہم سے حساب کس بات کا؟ کیونکہ تیرا اپنا قول ہے کہ رسول لوگوں پر اللہ کی حجت ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ. النساء ۱۶۵

رسول بشارت دینے والے اور متنبہ کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ پر حجت رسول کے بعد۔

یعنی اللہ انسانوں پر حجت کے لیے رسول بھیجتا ہے رسول کہتے ہیں اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانے والا اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے یا تو انسان ہدایت اختیار کر لے یا پھر رسول کے ذریعے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لیے اللہ پر حجت نہ رہے بلکہ الٹا اس پر اللہ کی حجت ہو جائے کل کو اس کے پاس کسی بھی سوال پر کوئی بہانہ نہ رہے کل کو جب حساب لیا جائے تو وہ چاہ کر بھی کوئی بہانہ یا عذر پیش نہ کر سکے۔ اور اگر اللہ رسول بھیجتا ہے جن کی طرف بھیجتا ہے رسول ان کی طرف پہنچتا ہی نہیں یوں ان پر حق کھول کھول کر واضح نہیں کیا گیا تو یہ لوگوں کے لیے اللہ پر حجت ہو جاتی ہے کل کو جب اللہ ان سے حساب لے گا تو وہ آگے سے کہیں گے کہ اے اللہ حساب کس بات کا؟ ایک تو ہمیں خلق ہی انسان کیا یعنی مکمل طور پر بھولا ہوا خلق کیا اور دوسرا ہماری طرف کسی کو بھی نہ بھیجا جو ہم میں سے ہی ہوتا ہماری ہی زبان میں ہم پر حق کھول کھول کر واضح کر دیتا اگر تُو ایسا کرتا اور اس کے باوجود اگر ہم جرم کرتے تو تُو ہم سے حساب لینے کا حقدار تھا اور جب ایسا کیا ہی نہیں تو حساب کس بات کا؟ اگر ہم نے جرائم کیے تو اس میں ہمارا قصور نہیں کیونکہ تُو نے ہمیں خلق ہی بھولا ہوا کیا تھا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی کہ رسول کے بعد انسانوں پر یعنی جن کی طرف بھیجا گیا ان پر حجت ہو جاتی ہے۔ تو جب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جو کہ مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے ان میں سے تین تک پیغام پہنچا پایا ابھی دس قبائل باقی تھی اور ان تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہو جاتا ہے، موت ہو جاتی ہے یا پھر اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ جاتا ہے تو کیا عیسیٰ تمام بنی اسرائیل پر حجت ثابت ہو جاتا ہے آپ کے عقائد و نظریات کے مطابق؟

اے پوری دنیا کے تمام وہ لوگو جو ایسے عقائد و نظریات رکھتے ہو تھوڑا سا غور تو کرو یہ تو تمہارے اقوال و اعمال سے اللہ پر صرف ایک بہتان عظیم ہے جب مزید غور کرو گے تو تمہیں اس کا ادراک ہوگا کہ تم رات دن اللہ پر کتنے عظیم بہتانات باندھ رہے ہو، تمہارے یہ عقائد و نظریات محض ظن ہے جس کی تم اتباع کر رہے ہو تم میں سے کسی کے بھی پاس علم نہیں ہے۔

اللہ نے ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ جتنے بھی مذاہب، گروہ، فرقے وغیرہ موجود ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں

ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی علم نہیں ہے کیونکہا گرانہیں علم ہوتا تو کبھی بھی بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات پر ڈٹے نہ رہتے بلکہ انہیں علم ہوتا کہ رسول جن کی طرف بھیجا جاتا ہے نہ صرف ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیتا ہے بلکہ اگر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی کوئی نہیں مانتا تو اسے رسول کی موجودگی میں دوسرے طریقے سے منوایا جاتا ہے رسول کی موت سے پہلے ہر کوئی رسول کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اپنی مرضی سے مانے یا پھر لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لیے لاتوں سے مانے اور آگے اللہ نے کہا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے۔ یقیناً اور ایسا صرف اور صرف ایسے ہی مقام پر کہا جاتا ہے جہاں سامنے والے کا دعویٰ بھی بظاہر بہت مضبوط ہو۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے بذریعہ صلیب قتل کر دیا تھا اور ہر کسی نے یہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اس لیے ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قتل کر دیا لیکن حقیقت کا چونکہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی علم نہیں تھا اس لیے اللہ کا کہنا ہے کہ یقیناً اسے قتل نہیں کیا جاسکا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتل نہیں کیا جاسکا تو پھر جو صلیب پر چڑھایا گیا انتہائی سخت آزمائش سے عیسیٰ ابن مریم کو گزارا گیا تو پھر وہ سب کیا تھا؟ تو آگے اسی سوال کا اللہ نے جواب دے دیا کہ وہ سب کیا تھا اور کیوں ہوا۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. النساء ۱۵۸

بَلْ بلکہ یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کیا جاسکا بلکہ رَّفَعَهُ رفع ہوا یعنی بلند ہوا اللّٰهُ اللہ ہے یعنی اللہ ایسے ہی رفع کرتا ہے اِلَيْهِ اس کی طرف وَكَانَ اور ایسا ہونا تو پہلے ہی اللہ کے قانون میں طے شدہ تھا یعنی اللہ کے قانون میں ایسا ہو چکا تھا اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اللہ ہے جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو انتہائی حکمت کیساتھ کام کرتا ہے۔

مطلب یہ کہ جو عیسیٰ ابن مریم پر مقدمہ درج کر کے اسے گرفتار کیا گیا اور پھر اسے فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائے جانے کے بعد جو اسے انہوں نے اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا وہ قتل نہیں کر سکے بلکہ یہ تو اللہ کی انتہاء درجے کی حکمت تھی انہوں نے اپنی طرف سے تو قتل کیا لیکن اللہ نے اسے قتل نہیں ہونے دیا اور جس آزمائش کا عیسیٰ ابن مریم کو سامنا کرنا پڑا اللہ نے اس کے بدلے نہ صرف عیسیٰ کو رفع کیا یعنی عیسیٰ کے اپنی طرف جو کہ اس کی اپنی حقیقت اس کی اپنی ذات اللہ تھی اس کی طرف درجات بلند کیے بلکہ اس کے ذریعے سے عیسیٰ ابن مریم کو ان سے نکال لیا جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا اور ان میں لے گیا جو اس پر ایمان لانے والے تھے یعنی کفر کرنے والوں سے پاک کر دیا اور مومنوں کے درمیان عیسیٰ کو لے گیا اسی کی مزید وضاحت اللہ نے درج ذیل آیات میں کر دی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ . آل عمران ۵۴، ۵۵

وَمَكَرُوْا اور منصوبہ بندی کر رہے ہیں یعنی جب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جو کہ بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے اور ان میں سے تین قبائل اسرائیل میں آباد تھے جن کی طرف پہلے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ عیسیٰ ابن مریم نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف تو بنی اسرائیل کے ان تین قبائل نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا اور نہ صرف کفر کیا بلکہ تمام کے تمام فرقوں کے ملاں آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ جب عوام نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں اپنے ملاؤں سے سوالات کرنا شروع کر دیئے کہ اس شخص کی دعوت یہ ہے اور یہ خود کو اللہ کا رسول کہتا ہے وہی رسول المسیح جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا تو ان ملاؤں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کر دیا کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ یہ کذاب ہے اور طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کر دیئے۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو عیسیٰ ابن مریم کا مقابلہ کر سکتا اس لیے انہوں نے مل کر یہی منصوبہ بندی کرنا شروع کر دی کہ اسے یعنی عیسیٰ کو نقصان پہنچایا جائے جس کے لیے انہوں نے عیسیٰ کے خلاف محاذ کھول دیا یہاں تک کہ فساد فی الارض کا مقدمہ درج کروا دیا۔ ملاؤں کا خیال تھا کہ یہ شخص عیسیٰ ابن مریم اپنے خلاف اٹھنے والے طوفان سے گھبرا کر پیچھے ہٹ جائے گا یہ مقدمات سے اور مصلوب کیے جانے سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے خود اپنی زبان سے

اقرار کرے گا کہ میں اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہوں اس لیے میری جان چھوڑ دو لیکن انہیں نہیں علم تھا کہ حقیقت کیا ہے اور یہی اللہ نے کہا کہ وَمَكَرُوْا اور بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ اللہ کے رسول کا کفر کیا وہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں وَمَكَرَ اور یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ منصوبہ بندی پہلے ہی کی جا چکی یعنی جو یہ منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ ان کی منصوبہ بندی نہیں ہے بلکہ یہ تو پہلے سے کی جا چکی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی جس کی منصوبہ بندی کا وہ شکار ہو چکے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا اللّٰهُ اللہ ہے یعنی اللہ ہے جس نے پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر رکھی ہے جس کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اب جب کہ یہ لوگ اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں تو پھر جسے یہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں کیا نتیجہ وہی نکلے گا جو ان کی چاہت ہے یا پھر نتیجہ وہ نکلے گا جو اللہ نے پہلے ہی طے کر رکھا ہے؟ تو جواب بالکل واضح ہے کہ نتیجہ تو وہی نکلے گا جس کی منصوبہ بندی ہے یہی آگے اللہ نے بیان کیا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور اللہ ہے خیر ہے جتنے بھی شر یعنی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں یعنی جو بھی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں وہ کبھی بھی اپنی منصوبہ بندیوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ جسے وہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ ان کی منصوبہ بندی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو اس بات کا شعور ہی نہیں ہوتا۔ آسمانوں وزمین میں ہونا وہی ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔

اِذْقَالَ اللّٰهُ تب کہا اللہ نے یعنی جب عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کی گئی اور عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تب اللہ نے کہا يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دونگا یعنی یہ جو تجھے بذریعہ صلیب وفات دینے کی کوشش کر رہے ہیں تجھے قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ تجھے وفات نہیں دے سکتے یہ لوگ تجھے موت نہیں دے سکتے بلکہ میں تجھے وفات دوں گا یہ لوگ تیری زندگی پوری نہیں کر سکتے میں تیری زندگی پوری کروں گا یعنی تو اپنی مکمل زندگی گزار کر طبعی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا۔

جب اللہ نے عیسیٰ کو یہ کہا تو عیسیٰ نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ تو پھر یہ کیا ہو رہا ہے یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے، یہ جو مجھے اتنی شدید تکلیف دی جا رہی ہے یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو اس کا آگے اللہ نے جواب دیا وَرَافِعُكَ اِلَىَّ اور یہ جو تجھے اتنی شدید یعنی سخت تکلیف دی جا رہی ہے سخت آزمائش میں ڈالا ہوا ہے یہ تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف یعنی تیرے درجات بلند کر رہا ہوں اپنی طرف یعنی تیری اپنی ہی حقیقت اصل ذات کی طرف کیونکہ تجھے علم ہے اللہ کا قانون ہے کہ اللہ رفع یعنی بلند کرتا ہے جیسے اس کا قانون ہے اور اللہ رفع کرتا ہے درجات میں۔ اس لیے تجھے اس کے بدلے درجات میں بلند کیا جا رہا ہے اپنی طرف وَمُطَهِّرُكَ اور اس کے ذریعے سے تجھے پاک کر رہا ہوں یعنی تجھے نکال کر لے جا رہا ہوں مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں سے جو کفر کر رہے ہیں وَجَاعِلُ اور کر رہا ہوں کیا کر رہا ہوں آگے اس کا جواب دے دیا الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ان لوگوں کو جو تیری اتباع کر رہے ہیں انہیں فوقیت دے رہا ہوں ان لوگوں پر جو کفر کر رہے ہیں یوم القیامت تک۔ یعنی اے عیسیٰ یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش میں ڈالا ہوا ہے اس کے ذریعے سے تجھے ان لوگوں سے پاک کر رہا ہوں ان سے نکال کر لے جا رہا ہوں جو تیرا کفر کر رہے ہیں اور ان میں لے جا رہا ہوں جو تیرا کفر کرنے کی بجائے ایمان لانے والے ہیں اور یوم القیامت تک ان لوگوں کو جو تیری اتباع کر رہے ہیں انہیں ان پر فوقیت یعنی ترجیح دونگا جو تیرا کفر کر رہے ہیں مطلب یہ کہ جو تیرا کفر کر رہے ہیں اب یوم القیامت تک جب بھی رسول کو بعث کیا جانے کا وقت آئے گا تو ان کفر کرنے والوں میں رسول کو بعث نہیں کیا جائے گا بلکہ انہی میں بعث کیا جائے گا جو تیری اتباع کر رہے ہیں۔

یہی اللہ کا قانون ہے کہ جب رسول بعث کیا جاتا ہے تو آگے آنے والا رسول ان میں بعث کیا جاتا ہے جو جنہوں نے گزشتہ رسول کی اتباع کی ہوتی ہے لیکن ضلالِ مبین میں جا چکے ہوتے ہیں اور جو گزشتہ رسول کا کفر کر دیتے ہیں تو ان کے لیے ان میں یوم القیامت تک رسول بعث نہیں کیا جاتا اور یہی اللہ نے عیسیٰ ابن مریم سے کہا تھا یہ جو تیرا کفر کر رہے ہیں ان میں اب قیامت تک رسول بعث نہیں کیا جائے گا بلکہ جب رسول بعث کرنے کا وقت آئے گا تو انہی میں رسول بعث کیا جائے گا جو تیری اتباع کرنے والے ہیں اور جو کفر کرنے والے ہوں گے وہ قیامت تک انتظار ہی کرتے رہیں گے کہ ان میں رسول بعث نہیں کیا جائے گا ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر میری طرف پلٹ رہے ہو پس فیصلہ کر رہا ہوں تمہارے درمیان اس میں کر رہے ہو

جس میں بھی تم اختلاف۔

یہ تھا اللہ کا العزیز الحکیم ہونا۔ جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیے جانے کا وقت آ گیا تب بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے ان میں سے تین قبائل اسرائیل میں آباد تھے اور باقی دس قبائل کا کسی کو نہیں علم تھا کہ کہاں آباد ہیں سوائے اللہ کے۔

اللہ کو علم تھا کہ جو تین قبائل اسرائیل میں آباد ہیں وہ خبائث کھا رہے ہیں تو جو ہیں ہی خبیث وہ کیونکر ایمان لائیں گے وہ کیسے حق کو تسلیم کریں گے بلکہ وہ تو کفر ہی کریں گے کیونکہ آپ وہ ہیں جو آپ کھاتے ہیں اگر آپ طیب رزق اختیار کریں گے تو لامحالہ آپ طیب اعمال کریں گے اور اگر آپ خبیث رزق اختیار کرتے ہیں تو آپ چاہ کر بھی صالح اعمال نہیں کر سکتے بلکہ آپ کا جسم وہی اعمال کرے گا جس سے وہ بنا ہے۔

اور دوسری طرف باقی دس قبائل موجودہ پاکستان وافغانستان کی قبائلی پٹی پر آباد تھے جو کہ بالکل فطرت پر تھے ان کا رزق طیب تھا اس لیے اگر ان کی طرف رسول بھیجا جاتا تو یہ لوگ کفر کی بجائے ایمان لاتے۔ اللہ نے پہلے ان تین قبائل کی طرف عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تا کہ یہ لوگ عیسیٰ کا کفر کریں تو انتہائی حکمت کیساتھ ان میں سے عیسیٰ کو نکال کر باقی دس قبائل جو کہ فطرت پر ہیں ان میں لے جایا جائے۔ یہ اللہ کی پہلے سے کی ہوئی منصوبہ بندی تھی اللہ نے اپنی منصوبہ بندی کے تحت عیسیٰ ابن مریم کو پہلے اسرائیل میں بھیجا تو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کی لیکن وہ منصوبہ بندی الٹا ان کے گلے پڑ گئی کیونکہ وہ اصل میں تو اللہ کی منصوبہ بندی تھی جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔

انہوں نے اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن حقیقت کا ان میں سے کسی کو بھی علم نہیں تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ اللہ نے عیسیٰ کی صلیب پر موت ہونے ہی نہیں دی جب ہر کوئی یہ سمجھ رہا تھا کہ عیسیٰ کی موت ہو چکی تب عیسیٰ محض گہری بے ہوشی میں تھا یوں اللہ نے عیسیٰ کو نہ صرف اس سخت آزمائش کے بدلے اپنی طرف درجات میں بلند کیا بلکہ اس طریقے سے کفر کرنے والوں میں سے عیسیٰ ابن مریم کو نکال کر ان میں لے گیا جو باقی دس قبائل ایمان لانے والے تھے اور پھر وہیں عیسیٰ ابن مریم نے نہ صرف شادی کی دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی بلکہ باقی پوری زندگی وہیں گزاری اور طبعی طور پر موت کا ذائقہ چکھا اور موت سے پہلے اس وقت کے اہل الکتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان نہ لے آیا دل سے یا پھر ڈنڈے کے ڈر سے۔

یہ تھا واقعہ صلیب کے بارے میں وہ علم جو اللہ نے چھپا دیا تھا اور آج جب اس کے ظاہر کیے جانے کا وقت آ گیا تو اللہ نے اپنے رسول احمد عیسیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا۔ اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیا کہ کوئی چاہ کر بھی اس کا کفر نہیں کر سکتا اگر کوئی کفر کرتا ہے تو وہ جان لے اسے حق کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا خواہ وہ اپنے آباؤاجداد آل فرعون وان کی مثل باقی ہلاک شدہ اقوام کی مثل حق کو تسلیم کرے جب تسلیم کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

وماقتلوہ وما صلبوہ

خود کو مسلمان کہلوانے والوں نے اپنے مشرک آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کی اس آیت وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کے تراجم وتفاسیر یہ کیے کہ نہ ہی اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا نہ ہی صلیب دیا اور پھر کہتے ہیں جب قتل بھی نہیں کیا اور صلیب بھی نہیں دیا تو پھر کیا ہوا؟ اور پھر کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تو ان کے ہاتھ ہی نہیں لگا کیونکہ اللہ نے اسے فرشتوں کو بھیج کر اپنی طرف اٹھا لیا حالانکہ حق کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ ان کے یہ عقائد ونظریات بالکل بے بنیاد، من گھڑت اور جھوٹے ہیں لیکن اس کے باوجود مزید ایک اور پہلو سے بھی ان کے اس دجل کو آپ کے سامنے چاک کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا مقصد تھا عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانا یعنی قتل کرنا اور قتل کرنے کا جو ذریعہ انہوں نے اختیار کیا وہ صلیب تھی۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ وہ عیسیٰ کو قتل نہیں کر سکے یعنی کہ جس طریقے سے انہوں نے عیسیٰ کو قتل کرنے کی کوشش کی اس میں وہ ناکام ہو گئے اس کے

باوجود کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور قتل کرنے کا جو ذریعہ انہوں نے اختیار کیا وہ تھا صلیب۔
اسے مزید وضاحت سے سمجھ لیجئے۔
مثال کے طور پر اگر آپ یہ کہیں کہ آپ نے کسی کو قتل کر دیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ایسا کب کہیں گے؟
تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ ظاہر ہے۔یقیناً تب ہی کہیں گے جب کہ آپ نے اپنی طرف سے کسی کو قتل کیا ہوگا مثلاً آپ نے کسی کو سامنے کھڑا کر کے بندوق سے گولیاں ماریں اور آپ کو یقین ہو گیا کہ وہ شخص مر گیا ہے یعنی اس کی موت واقع ہوگئی۔ آپ نے اپنی طرف سے تو قتل کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت محسوس تو ایسا ہی ہوا کہ قتل ہو گیا ہے لیکن بعد میں وہ ہوش میں آجائے اور بالکل ٹھیک ہو جائے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آپ نے اسے قتل کیا ہی نہیں؟ نہیں بلکہ آپ نے تو اپنی طرف سے قتل کر دیا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور بعد میں جب کسی کو حقیقت بتائی جائے گی تو یہ کہا جائے گا کہ آپ اسے قتل نہیں کر پائے اور اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اسے قتل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ آپ نے تو اپنی طرف سے قتل کر دیا لیکن وہ قتل نہ ہو سکا آپ کے ہاتھوں۔ اس لیے یوں کہا جائے گا کہ آپ اسے قتل نہ کر سکے جو آپ نے اسے گولی مار کر قتل کیا۔
بالکل اسی طرح اگر کسی کو مصلوب کیا جائے اور بعد میں وہ شخص بچ جائے تو یہی کہا جائے گا کہ آپ اسے مصلوب نہیں کر پائے۔ مصلوب کے معنی ہیں کسی کا صلیب پر قتل کیا جانا۔ آپ اپنی طرف سے تو کسی کو مصلوب کرتے ہیں یعنی صلیب پر قتل کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلتی ہے کہ وہ شخص صلیب پر کچھ وقت بعد ایسی حالت میں چلا جاتا ہے گویا کہ وہ قتل ہو چکا ہے اس کے بعد اس کا جسم لاش سمجھ کر ورثا کے حوالے کر دیا جائے لیکن حقیقت یہ نکلے کہ اس کی موت واقع ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ ایسی بے ہوشی میں چلا گیا تھا کہ آپ نے سمجھ لیا اس کی موت ہوگئی اور بعد میں اسے نہ صرف ہوش آجائے بلکہ وہ بالکل تندرست ہو جائے تو اسے یہ کہا جائے گا کہ آپ اسے مصلوب نہیں کر سکے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اسے مصلوب کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی طرف سے تو پورے یقین کیساتھ اسے مصلوب کیا۔ اسے صلیب پر چڑھایا اور صلیب پر اس کی موت واقع ہوگئی لیکن حقیقت میں صلیب پر اس کی موت واقع نہ ہوئی۔
قرآن میں اللہ جب اس طرح بیان کرتا ہے ''وما قتلوہ وما صلبوہ'' تو اکثریت اس سے مراد یہ لیتی ہے کہ نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب دیا جو کہ واضح طور پر دو الگ الگ واقعات بن جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دو الگ الگ واقعات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی واقعہ ہوا جس کے بارے میں بات کی گئی اور جب آپ تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کو کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا بھی دعویٰ کیا اور مصلوب کرنے کا بھی دعویٰ کیا بلکہ آپ کو ان کی طرف سے ایک ہی دعویٰ ملے گا اور وہ یہ کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔
ایک ہی واقعہ ہوا جو کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے اپنی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کر دیا اور قرآن میں اللہ نے بھی ایک ہی واقعے کا ذکر کیا ہے۔
بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کر دیا لیکن ان کے برعکس اللہ کا کہنا ہے کہ تم نے عیسیٰ ابن مریم کو جو اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تم اسے قتل نہیں کر پائے جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت کو تم سے چھپا دیا گیا یہی وجہ ہے کہ جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ تم نے عیسیٰ ابن مریم کو بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔
اللہ الحکیم ہے تو ظاہر ہے قرآن جو کہ اللہ کا کلام ہے یہ بھی الحکیم ہے۔ قرآن کو اللہ نے مثانی کہا ہے جس کے معنی ہیں جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین، تین کے بعد چار یعنی ایک کے بعد اس دوسرے کا آنا کہ دونوں کے درمیان ربط قائم ہو جائے۔ جیسے مشین کے تمام پرزوں کا آپس میں ربط ہوتا ہے، جیسے جسم میں تمام کے تمام اعضاء کا آپس میں ایک دوسرے کیساتھ ربط قائم ہوتا ہے اسے مثانی کہتے ہیں۔
قرآن مثانی ہے، جس کا مطلب ہے کہ قرآن میں ہر آیت کا دوسری آیت کیساتھ ایسے ہی ربط قائم ہے جیسے ایک کے بعد دو آتا ہے ہر آیت میں الفاظ اور جملوں کا آپس میں ایسا ربط قائم ہے جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین آتا ہے یعنی جیسے جسم میں ہر عضو کا دوسرے کیساتھ گہرا ربط قائم ہوتا ہے۔

قرآن کی ہر آیت کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت اس کی وضاحت کرتی ہے، قرآن کا ہر لفظ اور ہر جملہ ایسا ہے کہ اس سے اگلا لفظ یا جملہ پچھلے لفظ یا جملے کی وضاحت کرتا ہے اگر آپ اس بات کو سامنے رکھیں گے اسے نظر انداز نہیں کریں گے تو آپ قرآن کے اس مقام کو بالکل آسانی کیساتھ سمجھ پائیں گے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی کیا ہیں اس کا مطلب کیا ہے حق کیا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا ایک ہی دعویٰ تھا کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا اس لیے قرآن میں اللہ کو ان کے اسی ایک دعویٰ کی تائید یا تردید کرنا چاہیے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی ہیں نہ ہی اسے قتل کر سکے یا قتل کیا اور نہ ہی صلیب دیا تو یہ دو دعوؤں کی تردید بن جاتی ہے یعنی ایک دعویٰ کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کہہ رہا ہے ''وماقتلوہ'' اور نہیں اسے قتل کیا اور پھر دوسرا دعویٰ کہ ہم نے اسے مصلوب کر دیا اور اللہ ان کے اس دعوے کی بھی تردید کرتے ہوئے کہہ رہا ہے ''وما صلبوہ'' اور نہیں اسے مصلوب کیا۔ تو کیا ایسا ممکن ہے؟ یعنی اگر تو یہ مان لیا جائے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی ہیں نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے مصلوب کیا تو یہ دو دعوؤں کی نفی کی جا رہی ہے اور کیا ایسا کسی بھی صورت ممکن ہو سکتا ہے؟

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ قرآن یہ دو الگ الگ دعوے کر رہا ہے دو باتوں کی نفی کر رہا ہے یعنی کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں کہ یہودیوں کہ یہ دو دعوے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ وہ اسے قتل نہیں کر پائے یعنی ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ جب اسے تسلیم کر لیا جائے کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ پہلے ہی قتل کر چکے تو مصلوب کرنے کی کب اور کیوں ضرورت پیش آئی؟

اور اگر قتل کا دعویٰ دوسرا تسلیم کر لیا جائے اور مصلوب کا دعویٰ پہلا تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی طرف سے مصلوب کر چکے یعنی صلیب پر قتل کر چکے تو پھر ایک مقتول شخص کو دوبارہ قتل کرنے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ان کے علاوہ بھی مزید بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں لیکن یہ دو سوال ہی ایسے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مزید کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور ایسے سوالات پیدا ہونے کی وجہ ہی یہی بنی کہ نہ تو اللہ کے الحکیم ہونے کو تسلیم کیا گیا اور نہ ہی قرآن کے الحکیم ہونے کو مدنظر رکھا گیا بلکہ اللہ اور قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کیا گیا جس کی وجہ سے ایسے سوالات پیدا ہوئے۔ جب ان لوگوں نے قرآن سے حق سمجھنے کی بجائے اپنے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کی طرف رخ کیا تو پھر ظاہر ہے قرآن کے خود ساختہ بے بنیاد و باطل تراجم و تفاسیر کے نام پر نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ اکثریت کو بھی اپنے پیچھے گمراہ کریں گے جو آج تک ان لوگوں نے کیا۔

قرآن کی اس آیت کو جس طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے جو معنی لیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

اور نہیں قتل کیا انہوں نے اس کو اور نہیں مصلوب کیا انہوں نے اس کو یعنی عیسیٰ ابن مریم کو۔

یعنی دونوں ''مَا'' کو نہیں کے معنی میں لیا جاتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کو علم ہے کہ عربوں کی زبان میں مانہ صرف نہیہ بلکہ موصولہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ عربی میں ''مَا'' کے دو معنی ہیں ایک معنی "جو" اور دوسرے معنی ''نہیں'' کے ہیں۔ اس لیے ''مَا'' کو عربی میں موصولہ اور نہیہ کہا جاتا ہے۔ مَا موصولہ اور مَا نہیہ۔

اس آیت میں دونوں مَا کو نہیہ کے معنوں میں لے لیا جاتا ہے جو نہ صرف بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ ایسا کرنے سے کچھ سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے جوابات نہیں دیئے جا سکتے۔ مثلاً سب سے پہلا سوال جو لا جواب کر دیتا ہے وہی جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ جب دونوں مَا کو نہیہ کے معنی میں لیا جائے گا تو قرآن سے بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا ان کے دو دعوؤں کی نفی ثابت ہو جاتی ہے۔

پہلا۔ وَمَا قَتَلُوْهُ. اور اسے نہیں قتل کیا۔ یعنی کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔

دوسرا۔ وَمَا صَلَبُوْهُ. اور نہیں مصلوب کیا اسے۔ یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا۔

قرآن کی اس آیت میں دونوں ''مَــــا'' کو نہیں کے معنوں میں لینے سے پہلا دعویٰ کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے ما میں مصلوب کرنے کا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کے مطابق انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو پھر وہ دوسرا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا انہوں نے قتل کرنے کے بعد مصلوب یعنی صلیب پر بھی قتل کیا؟ جو کہ ناممکن ہے۔

مثلاً آپ یہ دعویٰ کریں کہ آپ نے فلاں شخص کو قتل کر دیا تو کیا آپ اس کے بعد دوسرا دعویٰ کریں گے کہ آپ نے اسے دوسری بار قتل کر دیا؟

یقیناً نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جب آپ نے کسی کو اپنی طرف سے یقینی طور پر قتل کر دیا تو پھر دوسری بار قتل کرنے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ہاں البتہ ایک صورت ہوسکتی ہے آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ اپنے پہلے دعوے میں غلط ہیں کہ وہ شخص زندہ ہے تو آپ اسے دوسری بار قتل کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن تب بھی آپ کا ایک ہی دعویٰ ہوگا جو دوسری بار آپ نے اسے قتل کیا نہ کہ آپ کے دو دعوے ہوں گے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا پس منظر کیا ہے؟ اگر اس پس منظر کو سامنے رکھا جاتا ہے تو حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آیا دونوں ما نہیں کے معنی میں آئے ہیں یا پھر ان میں سے ایک نہیں اور دوسرا جو کے معنی میں آیا ہے یعنی ایک نہیہ اور دوسرا موصولہ آیا ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور پھر قتل کرنے کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں جیسے کہ زہر دیکر قتل کرنا، چاقو یا چھری سے قتل کرنا، اونچی جگہ سے گرا کر قتل کرنا، پانی میں ڈبو کر قتل کرنا، پھانسی سے قتل کرنا، صلیب کے ذریعے قتل کرنا یا ایسے ہی کسی بھی طریقے سے قتل کرنا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کس طریقے سے قتل کیا؟ تو بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مصلوب کیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کیا۔

اب دیکھیں اللہ نے ان کے اس دعوے کے برعکس قرآن میں کیا کہا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تو ان کے اس دعوے کے ردعمل میں اللہ کا کہنا ہے ''وماقتلوہ'' اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے۔

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تو اسی کا جواب آگے اللہ نے دیا ''وماصلبوہ'' اور جو تم نے صلیب کے ذریعے قتل کرنے کی کوشش کی یعنی اللہ نے کہا ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' جس کے معنی ہیں اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے جو اسے بذریعہ صلیب تم نے قتل کیا۔

جب صلیب دینے کا ذکر آتا ہے تو اس کا ترجمہ سولی دیا جانا کر دیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے نہ صرف غلط بلکہ بہت بڑا دھوکہ اور دجل عظیم ہے کیونکہ سولی تو پھانسی کو کہا جاتا ہے اور صلیب اس کے بالکل برعکس ہے جس کا سولی یعنی پھانسی کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی دھوکے کی وجہ سے لوگ آسانی کیساتھ مان جاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا انہیں صلیب نہیں دیا گیا کیونکہ جب ان کے ذہن میں صلیب کا معنی سولی یعنی پھانسی ہوتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ظاہر ہے اگر پھانسی پر چڑھایا جاتا پھانسی پر چڑھنے والا عیسیٰ ابن مریم ہوتا تو اس کی موت ہو جاتی اس لیے ممکن ہی نہیں کہ پھانسی پر چڑھایا جانے والا عیسیٰ ہو یوں وہ ملاؤں کے دجل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں صلیب کو کھول کر واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ صلیب کیا ہوتی ہے اور مصلوب کرنا کیا ہوتا ہے۔

اکثریت اسے پھانسی سمجھتی ہے یعنی گلے میں رسی ڈال کر کسی شئے سے لٹکا دیا جاتا ہے اور چند ہی لمحوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مصلوب کرنا نہیں کہلاتا بلکہ مصلوب کہتے ہیں ایک بڑی صلیب یعنی لکڑی کا بڑا سا کراس ہوتا ہے جس پر کسی کو لٹا کر اس کے بازو صلیب پر بچھا کر ہاتھوں پر میخیں رکھ کر گاڑھی جاتی ہیں جو نیچے لکڑی کی صلیب میں پیوست ہو جاتی ہیں اسی طرح اس کے دونوں پاؤں کو اوپر نیچے رکھ کر دونوں پاؤں پر ایک میخ رکھ کر گاڑھ دی جاتی ہے جو نیچے صلیب میں پیوست ہو جاتی ہے پھر اس صلیب کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

جسم ہاتھوں میں پیوست میخوں کی وجہ سے ہاتھوں پر لٹک جاتا ہے اور جسم کا سارا بوجھ ہاتھوں اور نیچے پاؤں پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے انتہائی دردناک تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور صلیب پر موت واقع ہونے کے لیے ایک، دو، تین یا اس سے بھی زائد دن کا وقت لگ جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی کی موت چند گھنٹوں میں ہی واقع ہو جاتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے اور زیادہ تر کئی کئی دن بھی صلیب پر رہنے کے باوجود بھی موت نہیں آتی یوں کئی دن تک بھوک، پیاس اور درد کی شدت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مصلوب کرنے کو درج ذیل تصاویر میں دیکھیں تاکہ سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔

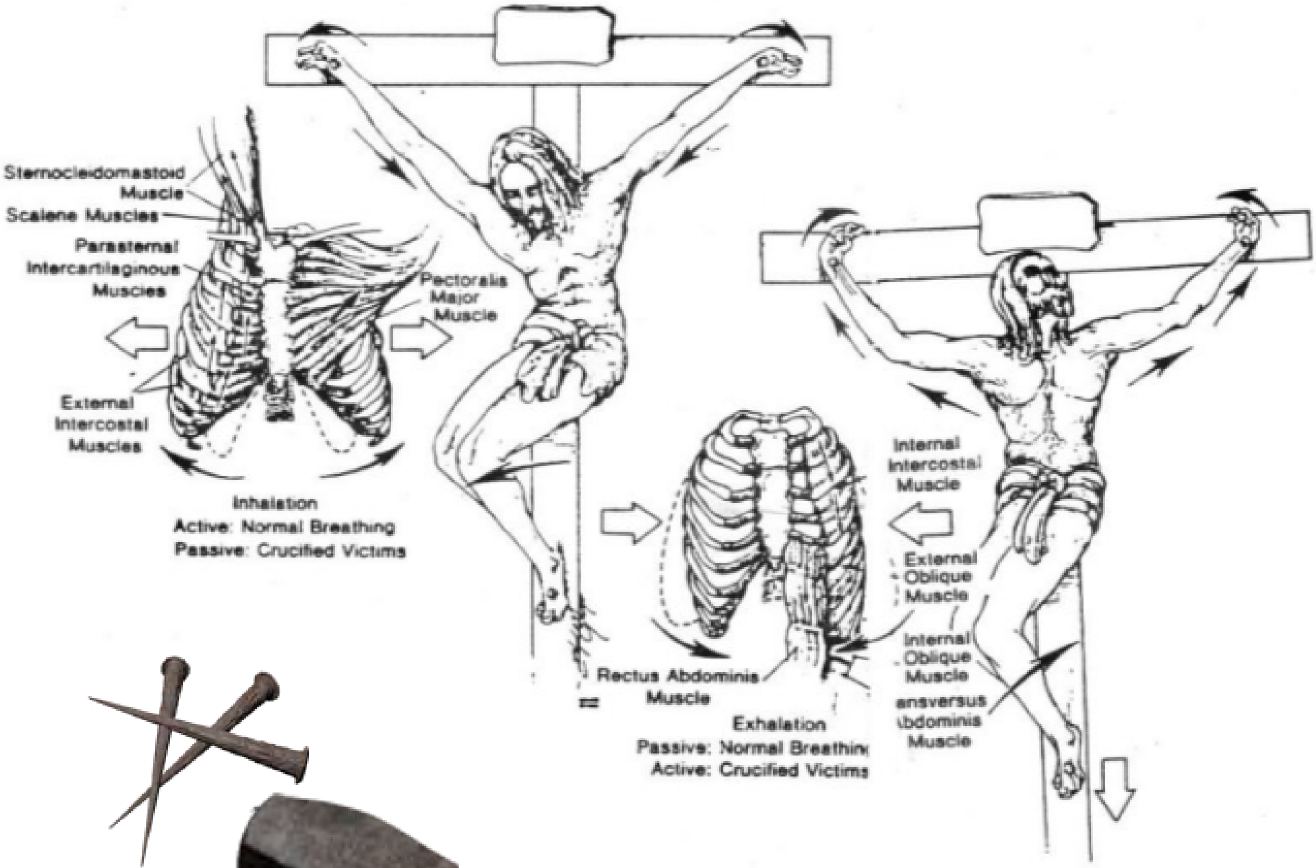
Sternocleidomastoid
Muscle
Scalene Muscles
Parasternal
Intercartilaginous
Muscles
Pectoralis
Major
Muscle
External
Intercostal
Muscles
Inhalation
Active: Normal Breathing
Passive: Crucified Victims
Internal
Intercostal
Muscle
External
Oblique
Muscle
Internal
Oblique
Muscle
Rectus Abdominis
Muscle
Exhalation
Passive: Normal Breathing
Active: Crucified Victims

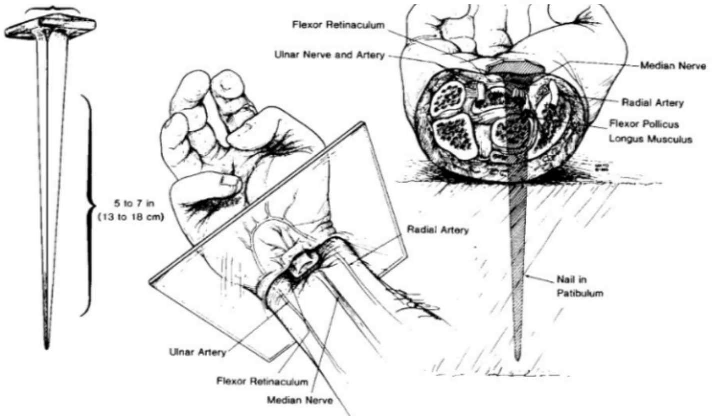
5 to 7 in
(13 to 18 cm)
Flexor Retinaculum
Ulnar Nerve and Artery
Median Nerve
Radial Artery
Flexor Pollicus
Longus Musculus
Radial Artery
Nail in
Patibulum
Ulnar Artery
Flexor Retinaculum
Median Nerve

دین کے ٹھیکیداروں کی طرف سے جب اس واقعے کو بیان کیا جاتا ہے تو پھانسی اور مصلوب میں فرق واضح نہیں کیا جاتا بلکہ اُلٹا ایسا تاثر دیا جاتا ہے جس سے انسان کے ذہن میں پھانسی کا نقشہ وضع ہوتا ہے اور انسان فوراً یہ بات مان لیتا ہے کہ ہاں انہوں نے پھانسی پر نہیں چڑھایا کیونکہ اگر پھانسی پر کسی کو چڑھایا جائے تو چند ہی لمحوں میں نہ صرف موت واقع ہو جاتی ہے بلکہ گردن کی ہڈی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کا ایک ہی دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور قرآن میں اللہ نے یہود کے اسی دعوے کی تردید کی ہے۔

وَمَا قَتَلُوْہُ اور نہیں قتل کر سکے اس کو۔ اللہ نے ان کے اس دعوے کی یہ کہہ کر تردید کی کہ کفر کرنے والے عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے اور آگے قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ ان کا جو دعویٰ ہے کہ انہوں نے کس طرح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور اسی کا اللہ نے آگے بالکل واضح رد کر دیا وَمَا صَلَبُوْہُ اور جو انہوں نے اسے مصلوب کیا یعنی صلیب پر قتل کیا۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کے دعوے اور اس کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ''مَا'' نہیہ ہے اور دوسرا ''مَا'' موصولہ ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور کوئی بھی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ کیسے فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سے ''مَا'' کو نہیہ اور کون سے کو موصولہ لیا جائے؟ تو اس کا جواب بھی بہت آسان ہے اللہ نے قرآن کو الحکیم کہا ہے۔ دونوں میں سے جس کو بھی موصولہ لیں یا نہیہ لیں آیت کے معنی میں رائی برابر بھی فرق نہیں پڑے گا بالکل ایسے ہی جیسے لفظ ''تبت'' کو جدھر سے بھی پڑھیں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ شروع سے پڑھیں تب بھی تبت اور آخر سے شروع کی طرف پڑھیں تب بھی تبت۔ بالکل اسی طرح قرآن کی اس آیت کو دونوں طرح سے پڑھ کر دیکھ لیتے ہیں۔ ''مَا'' میں موصولہ کے معنی نہیہ پر غالب ہیں اس لیے ہم پہلے نہیہ کے بجائے موصولہ لیں گے۔

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ

اور جو قتل کیا اس کو اور نہیں مصلوب کر سکے یعنی نہیں صلیب پر قتل کر سکے اس کو۔

کفر کرنے والوں کا ایک ہی دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تو قرآن ان کے اس دعوے کا جواب یوں دیتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْہُ اور جو ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اسے قتل کیا وَمَا صَلَبُوْہُ اور نہیں وہ اسے بذریعہ صلیب قتل کر سکے۔

اب ہم پہلے ما کو نہیہ اور دوسرے کو موصولہ لیکر دیکھتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ

اور نہیں قتل کر سکے اسے اور جو انہوں نے بذریعہ صلیب قتل کیا۔

یعنی اللہ نے پہلے حصے میں ان کے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کے دعوے کی تردید کر دی اور دوسرے حصے میں یہ واضح کر دیا کہ ان کا جو دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا وہ بذریعہ صلیب عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے اپنی اس منصوبہ بندی میں ناکام رہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں۔

یوں آپ نے جان لیا کہ جس طرح بھی پڑھیں گے ایک ہی معنی آئے گا کسی بھی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اس کے علاوہ اگر آپ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے خود ساختہ معنی اخذ کریں گے تو لاتعداد لاجواب سوالات کا دروازہ کھل جائے گا۔

اور پھر قرآن کی یہی آیت بذاتِ خود اس کی تصدیق کرتی ہے کہ دونوں میں ایک ''مَا'' نہیہ اور دوسرا موصولہ ہے اللہ نے اسی آیت کے آخر میں کہا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا.

اس آیت میں اللہ نے یقیناً کا لفظ صرف وَمَا قَتَلُوْہُ کے ساتھ استعمال کیا ہے جس سے یہ نہ صرف واضح ہو گیا بلکہ ثابت ہو گیا کہ دونوں میں صرف ایک ہی

''مَا'' نہیہ ہے اور قرآن نے صرف ایک ہی دعوے کی تردید کی ہے جو کہ کفر کرنے والوں کا دعویٰ ہے۔ اور اس سے پہلے اللہ نے وَمَا صَلَبُوْهُ کا یَقِیْنًا کیساتھ ذکر نہ کرنے کی وضاحت اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کہہ کر کردی۔

ظن کہتے ہیں جو سنا، دیکھا یا پڑھا جائے لیکن اس کے بارے میں راسخ علم نہ ہو۔ جیسے آپ سورج کو اپنی آنکھوں کے سامنے زمین کے گرد سفر کرتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن یہ علم نہیں ہے بلکہ یہ ظن کہلائے گا کہ سورج زمین کے گرد سفر کر رہا ہے زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ علم یہ ہے کہ سورج نہیں بلکہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے سورج سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ جب قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے وہ پاگل تو نہیں ضرور انہوں نے اپنی طرف سے قتل کیا اور قتل ہوتا دیکھا اور آج جو بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوگئی تھی یعنی انہیں بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا تھا یا جو بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ان سب کی بنیاد اسی پر ہے جو انہوں نے اپنے کانوں سے سنا آنکھوں سے دکھا یا کہیں پڑھا اور اس میں غور وفکر کر کے راسخ علم حاصل نہیں کیا جسے عربی میں ظن کہا جاتا ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تب جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اپنے دیکھنے کی بنیاد پر ایسا دعویٰ کرتے تھے اس لیے اللہ نے وَمَا صَلَبُوْهُ یَقِیْنًا کی بجائے اس سے پہلے اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کا ذکر کیا جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کی غرض سے صلیب پر چڑھایا گیا تو جن جن لوگوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے سمجھا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب ہو گئے یعنی صلیب پر ان کا قتل ہو گیا لیکن قرآن میں اللہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے حق واضح کر دیا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی، بذریعہ صلیب ان کا قتل نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کیا ہوا اس کا علم سب سے چھپا دیا گیا اور قرآن نے قطعاً یہ نہیں کہا اور نہ ہی کسی ایسی بات کی تائید کی کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر نہیں چڑھایا گیا بلکہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی۔ جس سے قرآن تو بذات خود بار بار اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا لیکن نتیجہ وہ نہیں نکلا جو کفر کرنے والے چاہتے تھے ان کی منصوبہ بندی تو یہ تھی کہ قتل کر دیا جائے لیکن وہ قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے حالانکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہی دیکھا کہ عیسیٰ کو انہوں نے بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔

اس کے باوجود ہم اس آیت کو ایک اور پہلو سے کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہ جو آج تک دونوں ''مَا'' کے معنی ''نہیں'' میں لیے جاتے رہے یہ کتنا عظیم دجل وفریب کیا جاتا رہا اور حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو کر اتمام حجت ہو جائے کل کو کسی کے بھی پاس کوئی عذر یا بہانہ نہ رہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ قرآن کہتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کا کہنا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ کہہ رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا ذرا غور کرو کیا اللہ کا رسول قتل ہو سکتا ہے؟ ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ اللہ جب رسول بعث کرتا ہے تو رسول میں اسوہ حسنہ قرار دیا یعنی رسول تو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے عملی نمونہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بالکل اس بشر کی طرح بننا ہے اب اگر وہ قتل ہو جائے یا اپنی طبعی موت سے قبل دنیا سے چلا جائے تو پھر اس کے قتل ہو جانے یا دنیا سے چلے جانے کے بعد کی جو زندگی ہے اس کے لیے اس میں اسوہ حسنہ نہیں اخذ کیا جا سکتا یوں جس میں مکمل اسوہ حسنہ ہی نہیں وہ رسول کیسے ہو سکتا ہے اور کوئی بھی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے یعنی اللہ عملی نمونہ سامنے لائے اور کوئی اسے قتل کر دے یا اللہ خود ہی اسے زندگی پوری کیے بغیر ہی واپس لے جائے اور اگر ایسا ہوتا ہے یعنی کہ کوئی رسول ہونے کا دعویدار ہو اور وہ قتل ہو جائے یا غائب ہو جائے تو وہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ تو کذاب ثابت ہو جاتا ہے اس لیے اللہ ان کو کہہ رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح اللہ کا رسول تھا تو رسول کیسے قتل ہو سکتا ہے؟ اور یہی بات اللہ نے آگے واضح کر دی ''وَمَا قَتَلُوْهُ'' اور اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفر کرنے والوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا جو دعویٰ کیا تو طریقہ قتل کیا تھا؟ کیا چھریاں مار کر قتل کیا؟ سر قلم کر کے قتل کیا؟ پھانسی دے کر قتل کیا، آگ میں جلا کر قتل کیا، پانی میں ڈبو کر قتل کیا، سانس بند کر کے قتل کیا، زہر دے کر قتل کیا یا پھر اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا؟ تو کفر کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا یوں اللہ ان کے اس دعوے کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے ''وماصلبوہ'' اور یہ جو ان کا

دعویٰ ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا یہ عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب نہیں کر سکے یعنی بذریعہ صلیب قتل نہیں کر سکے، عیسیٰ ابن مریم صلیب پر قتل نہیں ہوئے۔

"صلبو" صلیب پر موت ہونا۔ "ماصلبو" صلیب پر موت نہ ہونا۔

یعنی اللہ نے قرآن میں بالکل واضح طور پر یہ کہا کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اسے قتل کرنے کی غرض سے صلیب پر تو چڑھایا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم قتل ہو گیا لیکن حقیقت کیا ہے اس کا انہیں علم ہی نہیں کیونکہ اللہ نے علم ان سے چھپا دیا یوں انہوں نے جو دیکھا اسی کو حق و سچ مان رہے ہیں جو کہ حق نہیں ہے عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ یہ تو اللہ کی حکمت تھی اللہ کی منصوبہ بندی تھی جس کا یہ لوگ اپنے کفر کے سبب شکار ہوئے۔

وفات کیا ہے؟

اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ

جب بنی اسرائیل میں سے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرنے والوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھایا یعنی عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے وفات دے رہے تھے تب کہا اللہ نے اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہ جو تجھے اپنی طرف سے بذریعہ صلیب وفات دینے کی کوشش کر رہے ہیں یہ لوگ تجھے وفات نہیں دے سکیں گے بلکہ میں تجھے وفات دوں گا کہ تُو اپنی زندگی گزار کر طبعی طور پر یعنی فطرتی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا۔

اس آیت میں مُتَوَفِّیۡکَ کے دوطرح کے تراجم ومعنی کیے جاتے ہیں ایک تو یہ کہا جاتا ہے کہ متوفی یہ مستقبل کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور مستقبل میں تجھے وفات دونگا یعنی ابھی میں تجھے اپنی طرف آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں اور قیامت سے پہلے تجھے آسمانوں سے زمین پر اتاروں گا تو تب تجھے بڑھاپے میں وفات دوں گا۔

اور دوسرا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ متوفی کے معنی ہیں پورا لے لینا اس لیے اللہ نے اس آیت میں کہا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا لے لوں گا یعنی تجھے جسم سمیت اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر کہا جاتا ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف اٹھا لیا پھر قیامت سے پہلے دوبارہ زمین پر اتارے گا اور عیسیٰ بڑھاپے میں وفات پائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں معنی ٹھیک ہیں؟ ان میں سے ایک ٹھیک ہے اور ایک غلط یا پھر دونوں کے دونوں غلط ہیں اور حق ان کے بالکل برعکس کچھ اور ہے؟ تو اس کا جواب انتہائی آسان ہے آیت میں توفی کا استعمال ہوا ہے یعنی بشر کا وفا ہونا۔ بشر کا وفا ہونا کیا ہے اس کو اس وقت تک نہیں جانا جا سکتا جب تک کہ بشر کے بارے میں علم نہ ہو یعنی آپ کا جو جسم ہے جب تک اس جسم کے بارے میں علم حاصل نہیں ہو جاتا تب تک توفی کو نہیں جانا جا سکتا۔

اب جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک بشری جسم کے بارے میں اس حد تک علم حاصل نہ کر لیا جائے جب تک کہ وفا سمجھ میں نہ آ جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بھی توفی کے تراجم و معنی کیے کیا ان لوگوں کے پاس بشری جسم کے بارے میں مکمل علم تھا؟ کیا وہ بشر کے خالق تھے؟ یا خالق ہیں جو ان کے پاس اس کے بارے میں علم تھا اور ہے جس وجہ سے انہیں علم تھا اور ہے کہ توفی کے یہ معنی ہیں جو ان لوگوں نے کیے؟ اگر تو وہ خالق ہیں یا پھر خالق نے انہیں بشر کے بارے میں علم دیا پھر تو ممکن ہے کہ وہ جو معنی بیان کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہیں لیکن اگر وہ خالق نہیں اور نہ ہی خالق نے انہیں بشر کے بارے میں علم دیا تو پھر ان لوگوں نے کس طرح توفی یعنی وفات کے ایسے معنی کر دیئے؟ ان لوگوں کو کس نے حق دیا قرآن کو بیّن کرنے کا جبکہ اللہ نے خود قرآن میں کہا کہ قرآن کو اللہ

کے علاوہ کوئی بیّن کر ہی نہیں سکتا یعنی قرآن کو اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھول کر واضح کرسکتا اس لیے یہ حق صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے اور اللہ ہی قرآن کو کھول کر واضح کرتا ہے۔

آیت میں لفظ تُوَفِّیْ کا استعمال ہوا ہے جس کو وفات کی بجائے جان بوجھ کر اپنے باطل عقائد کو زبردستی قرآن سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے من پسند تاویلات پہنائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ جس کی قرآن شدت سے نفی کرتا ہے اور ایسے تمام عقائد ونظریات کو باطل قرار دیتا ہے جس کی آگے مزید کھل کر صراحت کیساتھ وضاحت آجائے گی۔

یہاں آپ سے ایک سوال ہے کہ مثلاً اگر آپ کی گاڑی، کوئی مشین یا کوئی قیمتی شئے خراب ہوجاتی ہے تو آپ کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ آپ کی کوئی مشین خراب ہوجاتی ہے مثلاً سلائی مشین تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ واشنگ مشین خراب ہوگئی تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ ٹی وی خراب ہوتا ہے تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ فریج خراب ہوتی ہے تو کس کے پاس لیکر جائیں گے؟

تو آپ کا جواب یہ ہوگا کہ ظاہر ہے اسی کے پاس لیکر جائیں گے جو اس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے اور نہ صرف علم رکھتا ہے بلکہ اس کے پاس حکمہ بھی ہے یعنی اس کو تجربہ حاصل ہے کہ اس علم کا کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کرنا ہے وہ علم کا صحیح استعمال بھی جانتا ہے یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو شئے بھی خراب ہوگی اسی کے پاس لیکر جائیں گے جو اس شئے کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہو اور نہ صرف مکمل علم بلکہ اس کے پاس تجربہ بھی ہو۔ تو یہاں پھر آپ سے سوال ہے کہ کیوں؟ کیوں آپ اپنی خراب شئے کو صرف اور صرف اسی کے پاس لے کر جائیں گے صحیح کروانے کے لیے جس کے پاس اس کے بارے میں مکمل علم اور تجربہ بھی ہو؟

تو آپ یہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی قیمتی شئے کو ٹھیک کروانا چاہتے ہیں نہ کہ اسے تباہ کروانا چاہتے ہیں اس لیے ہم اپنی شئے کو صرف اور صرف اسی کے پاس لے کر جائیں گے جس کے پاس نہ صرف مکمل علم ہو بلکہ تجربہ بھی ہو کیونکہ صرف اور صرف وہی شئے کو ٹھیک کرسکتا ہے جس کے پاس اس شئے کے بارے میں نہ صرف مکمل علم ہو بلکہ تجربہ بھی ہو۔ مکمل علم اس لیے کیونکہ اگر اس کے پاس مکمل علم نہیں ہوگا اس شئے کے بارے میں تو نامکمل علم کی وجہ سے وہ اس شئے کو مزید بگاڑ کر رکھ دے گا اسے تباہ کر دے گا اس لیے صرف اور صرف اسی کے پاس لے جائیں گے جس کے پاس اس شئے کے بارے میں مکمل علم ہو۔ اور پھر جب آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ مکمل علم کی تو بات سمجھ میں آگئی لیکن تجربہ ہونا کیوں ضروری ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ تجربہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ اگر اس کے پاس تجربہ نہیں تو وہ ہماری شئے پر اپنے ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے اسے تباہ وبرباد بھی کرسکتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی نیا نیا عمل کرنا شروع کرتا ہے تو وہ بہت سی غلطیاں کرتا ہے جب تک اسے مکمل تجربہ حاصل نہیں ہوجاتا تب تک وہ اشیاء کو صحیح کرنے کی بجائے مزید بگاڑتا ہے۔

اب اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ ایسا کیوں کریں گے؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو آپ کا جواب یہ ہوگا تاکہ نقصان نہ ہو ہم نقصان سے بچ سکیں۔

اب ذرا آپ خود غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ جب آپ کوئی شئے کسی ایسے کے پاس نہیں لیکر جائیں گے جو اس کے بارے میں مکمل علم اور تجربہ نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ کو بشر کے بارے میں کوئی معلومات درکار ہوں تو کون آپ کی بشر یعنی انسانی جسم کے بارے میں راہنمائی کرسکتا ہے؟ کیا کوئی ایسا آپ کی راہنمائی کرسکتا ہے جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں علم ہی نہ ہو؟ اور اگر علم ہو بھی تو نامکمل علم ہو کیا کوئی ایسا راہنمائی کرسکتا ہے جس کے پاس نامکمل علم ہو؟ نہیں بالکل نہیں۔

قرآن میں عیسیٰ ابن مریم پر بات کرتے ہوئے ایک جملے کا استعمال کیا گیا ''متوفیک'' جس میں اصل لفظ ''وَفَ'' ہے قرآن میں اور مقامات پر بھی اس لفظ کا انسانی جسم کے لیے استعمال کیا گیا تو اب آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا کوئی بھی ایسا جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں علم نہیں یا پھر نامکمل علم ہے کیا وہ اس موضوع پر راہنمائی کرسکتا ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا یا وفا کیا جانا کیا ہے؟ جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں بالکل نہیں بلکہ صرف اور صرف وہی بتا سکتا ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا کیا ہے جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں مکمل علم ہو یا وہ بتا سکتا ہے جس کو اس کی طرف سے علم حاصل ہوا ہو جس کے پاس مکمل علم ہے۔

انسانی جسم کل کائنات کی پیچیدہ ترین خلق ہے اس کے بارے میں مکمل علم صرف اور صرف اس کے خالق کے ہی پاس ہے یعنی اللہ کے پاس، جس سے یہ بات

بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا یا وفا کیا جانا کیا ہے اس بارے میں صرف اور صرف اللہ ہی بتا سکتا ہے یا وہ جس کو اللہ نے علم دیا ہو جس کا اللہ کیساتھ مضبوط تعلق ہو۔

اب آپ سے سوال ہے کہ جب انسانی جسم کے وفا ہونے یا کیے جانے کے بارے میں اللہ یا اللہ کے نمائندے کے علاوہ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا یا جس کو اللہ نے اس بارے میں علم دے دیا ہو اس کے علاوہ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا تو یہ ملّاں کس بنیاد پر انسانی جسم کے وفا ہونے یا کیے جانے پر راہنمائی کے دعویدار بنے پھرتے ہیں؟ ان کو کس نے یہ اختیار دیا؟ اور یہ راہنمائی کر بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ نہ تو یہ اللہ ہیں اور نہ ہی یہ اللہ کے نمائندے ہیں بلکہ ان کو تو اللہ ہی کا علم نہیں تو جن کو اللہ ہی کا علم نہیں وہ خاک راہنمائی کریں گے بلکہ اگر ایسوں کو اپنا راہنما بنالیا جائے گا تو سوائے جہالت و ذلت کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اور دوسری بات کہ اسی قرآن کی سورۃ القیامہ میں تو اللہ نے خود یہ کہا ہے کہ اس قرآن کا جمع کرنا اور اس کا بیان کرنا یعنی اس کی آیات کو مکمل طور پر کھول کھول کر واضح کرنا یہ صرف اور صرف اللہ پر ہے اللہ کے علاوہ کوئی اسے بیّن نہیں کر سکتا۔ جب اس قرآن کو اللہ کے علاوہ کوئی بیّن نہیں کر سکتا اس کی آیات کو اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھول سکتا تو پھر جو ملّاں خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی اللہ کے رسول تو پھر وہ کس بنیاد پر کس کے کہنے پر قرآن کو بیّن کرنے کے عملاً دعویدار بنے ہوئے ہیں؟

جب اللہ کے علاوہ کوئی بیّن کر ہی نہیں سکتا تو پھر یہ ملّاں کس طرح قرآن کو بیّن کر رہے ہیں؟ جب یہ خود اپنی زبان سے اس بات کا اعلاناً اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے رسول اور اس کے باوجود یہ قرآن کو بیّن کرنے کے عملی دعویدار بنے ہوئے ہیں تو اس کا مطلب کہ اللہ جھوٹا ہے اور یہ لوگ سچے ہیں؟ اللہ نے کہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی قرآن بیّن کر ہی نہیں سکتا اور یہ لوگ غیر اللہ ہونے کے دعوے کیساتھ قرآن کو بیّن کرنے کے بھی دعویدار ہیں تو اس کا مطلب بالکل صاف واضح ہے کہ ان کا عملاً دعویٰ ہے کہ اللہ جھوٹا ہے قرآن جھوٹا ہے اور یہ لوگ سچے ہیں انہوں نے اللہ اور قرآن کے دعوے کے برعکس قرآن کو بیّن کر کے دکھا دیا۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ لوگ سچے ہوں اور اللہ جھوٹا؟ قرآن جھوٹا؟ ایسا ممکن ہی نہیں اس لیے یہ لوگ جھوٹے مکار اور فراڈیے ہیں یہ لوگ اللہ کے شریک بنے ہوئے ہیں ان کو اللہ نے جب قرآن کو بیّن کرنے کا اختیار دیا ہی نہیں حق دیا ہی نہیں تو پھر یہ قرآن کو بیّن کر ہی نہیں سکتے اس لیے اگر یہ قرآن کو بیّن کرنے کے عملاً دعویدار بنتے ہیں تو جو بھی یہ قرآن کے بیّن کرنے کے نام پر کہیں گے وہ سب کا سب بے بنیاد اور باطل ہوگا وہ سب کا سب ان کی اپنی خواہشات ان کا ظن اور شیاطین کا کلام ہوگا جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب کوئی بھی ملّاں یا قرآن کو بیّن کرنے کا دعویدار یعنی قرآن کی تفسیر کرنے کا دعویدار جو غیر اللہ ہے وہ خود اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ ہے اور نہ ہی اللہ کا رسول تو ایسا شخص کذاب اور اللہ کا شریک ہوگا۔

اور اگر کوئی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے اللہ کا رسول ہے تو پھر ایسے ہی آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان لی جائے گی بلکہ اس سے اللہ کی ذات کے بارے سوال کیا جائے گا اور وہ جو بھی بات کرے گا اس کی باتوں میں اس کی دعوت میں تدبر کیا جائے گا اگر تو اس کی دعوت میں اس کی باتوں میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا تو وہ واقعتاً اللہ ہوگا جو اس بشر کی صورت میں کلام کر رہا ہوگا وہ بشر اللہ کا رسول ہوگا اس سے کوئی بھی سوال کیا جائے تو وہ اس پر تمام تر شکوک و شبہات دور کر کے مطمئن کر دے گا اس میں اللہ کا رنگ نظر آئے گا۔

اب کوئی بھی ایسا ملّاں جو خود اقرار کرتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ ہے اور نہ ہی اللہ کا رسول تو پھر وہ جان لے کہ وہ جو بھی بات کرتا ہے اس کی کسی بھی بات کی کوئی بنیاد ہی نہیں جب اس کی کسی بھی بات کی کوئی بنیاد ہی نہیں تو اس کی بات کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں یوں اس کی بات کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے گا۔

متوفیک جو کہ ''وف یعنی وفا'' سے ہے اس کو آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔ ''وف یعنی وفا'' کے معنی ہیں پورا کرنا یا پورا ہونا۔ اسے بالکل آسان سی مثال سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں آپ ایک موبائل فون کی مثال لے لیجیے مثلاً آپ ایک نیا فون خریدتے ہیں تو کمپنی آپ کو پانچ سال کی گارنٹی دیتی ہے کہ یہ فون پانچ سال تک بالکل صحیح چلے گا بشرطیکہ دی جانے والی ہدایات پر عمل کیا جائے ورنہ اگر ہدایات کے خلاف اسے استعمال کیا گیا تو پھر ہو سکتا ہے ایک سال، ایک مہینہ یا ایک ہفتہ بھی نہ چلے یعنی پھر کسی بھی وقت خراب ہو جائے گا۔

اور دوسری بات کہ موبائل بجلی سے چلتا ہے جس کے لیے اس میں ایک بیٹری ہے اور بیٹری میں بجلی محفوظ کرنے کی محدود صلاحیت ہے اس لیے ایک ہی بار بیٹری پوری کرنے پر موبائل پانچ سال تک نہیں چلے گا بلکہ جب ایک بار بیٹری کو پورا کیا جائے گا تو کچھ گھنٹے تک موبائل چلے گا اس کے بعد جب بیٹری کم ہو جائے گی تو پھر سے بیٹری کو پورا کرنا پڑے گا یوں جب تک کہ موبائل کی اجل مسمیٰ یعنی اس کے خاتمے کا وقت نہیں آجاتا تب تک اسے وفا کیا جاتا رہے گا یعنی اس کی بیٹری پوری کی جاتی رہے گی۔

بالکل یہی مثال آپ کے جسم کی ہے آپ کے جسم کے ہر ذرے میں نہ صرف ایسی بجلی پیدا ہوتی ہے جس بجلی کا آج ہر کوئی استعمال کر رہا ہے بلکہ جسم کے ہر ذرے میں ایسی بیٹریاں نصب ہیں جن میں یہ بجلی محفوظ ہوتی ہے اور اسی سے جسم کام کرتا ہے یعنی زندہ رہتا ہے۔ جسم میں بجلی کی پیداواری مقدار استعمال کی نسبت کم ہے آپ کے جسم میں کوئی بھی عضو کوئی بھی حرکت کرتا ہے تو اسی بجلی یعنی قوت کو ہی استعمال کرتا ہے جس سے بیٹری میں بجلی کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے یوں جیسے جیسے بیٹری میں بجلی کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے تو جسم میں کام کرنے یعنی اعضاء میں حرکت کرنے کی صلاحیت اتنی ہی کم ہوتی چلی جاتی ہے جسے آپ تھکاوٹ کا نام دیتے ہیں اور جب جسم کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں میں بجلی کی مقدار اتنی کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو بالکل ایسے ہی پورا جسم آف ہو جاتا ہے جیسے آپ بٹن بند کرنے سے پنکھا یا کوئی مشین بند کرتے ہیں۔ جسم کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں میں جب بجلی کی مقدار اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو اسے آپ نیند کا نام دیتے ہیں۔

جیسے آپ کو مثال میں بتایا تھا کہ آپ جب موبائل خریدیں تو آپ کو اگر پانچ سال کی گارنٹی دی جاتی ہے بالکل اسی طرح بشر کو جب خلق کیا گیا تو اس بشر کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں کی زیادہ سے زیادہ زندگی ایک ہزار سال طے کی گئی یعنی کوئی بھی بشر ایک ہزار سال سے ایک لمحہ بھی زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب انسان نے آسمانوں و زمین میں فساد کیا تو اسی فساد کے نتیجے میں ان بیٹریوں کی زندگی کم ہوتے ہوتے آج اتنی کم ہوگئی کہ اب وہ بیٹریاں اوسطاً ستر سے اسی سال تک کارآمد رہتی ہیں اور جب تک بیٹریاں کارآمد رہتی ہیں جسم زندہ رہتا ہے اور جیسے ہی بیٹریوں کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو جسم زندہ نہیں رہتا۔ پھر جیسا کہ مثال میں بتایا تھا کہ موبائل کی گارنٹی تو پانچ سال کی دی گئی بشرطیکہ وہ دی جانے والی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے اگر ہدایات کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو اس کی زندگی کم سے کم ہوتی چلی جائے گی اور پھر اس میں نصب بیٹری میں بجلی محفوظ کرنے کی صلاحیت محدود ہے جس وجہ سے ایک ہی بار اسے پورا کرنے سے موبائل پانچ سال نہیں نکالے گا بلکہ بیٹری کم ہونے پر اسے بار بار پورا کرنا پڑے گا بالکل ایسے ہی جسم میں نصب بیٹریوں میں بجلی محفوظ کرنے کی صلاحیت محدود ہے جیسے ہی بیٹریوں میں بجلی کم ہوتی ہے تو اسے پورا کیا جاتا ہے اور تب تک پورا کیا جاتا ہے جب تک کہ جسم کی اجل مسمیٰ نہیں آجاتی یعنی اس کی زندگی پوری نہیں ہو جاتی۔

رات کو آپ کے جسم میں نصب بیٹریوں کو پورا کیا جاتا ہے جسے عربوں کی زبان میں وفا کہتے ہیں اور تب تک پورا کیا جاتا ہے یعنی وفا کیا جاتا ہے جب تک کہ اجل مسمیٰ نہیں آجاتی یعنی زندگی پوری نہیں ہو جاتی۔

وفات کیا ہے اسے آج کے دور میں سمجھنا بالکل آسان ہو چکا ہے جیسا کہ آپ پر واضح کیا جا چکا ہے کہ وفا کیا ہے۔ آپ کے جسم کو زندہ رہنے کے لیے انرجی یعنی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جسے آپ بجلی کا نام دیتے ہیں جسم کے ہر ذرے میں جنریٹرز نصب ہیں یعنی مسلسل بجلی پیدا ہو رہی ہے اس بجلی کو محفوظ کرنے کے لیے پورے جسم میں بیٹریاں نصب ہیں جن میں بجلی کو محفوظ کرنے کی محدود صلاحیت ہے جسم ان بیٹریوں سے اپنی بجلی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے جیسے جیسے جسم کام کرتا ہے تو بجلی استعمال ہوتی ہے جس سے بیٹریوں میں بجلی کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے جسے آپ تھکاوٹ کا نام دیتے ہیں اور جب بجلی اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو پورا جسم سوائے دماغ کے ایک اضافی حصے کے بند ہو جاتا ہے اور اس وقت تک دوبارہ آن نہیں ہوتا جب تک کہ اسے زبردستی آن نہ کیا جائے یا پھر بیٹریاں فل یعنی پوری نہ ہو جائیں یوں رات بھر آپ کے جسم میں نصب بیٹریوں کو پورا کیا جاتا ہے جو آپ کی زندگی ہے اور اس وقت تک پورا یعنی وفا کیا جاتا رہتا ہے جب تک کہ زندگی پوری نہیں ہو جاتی یعنی اجل مسمیٰ نہیں آجاتی۔

یوں آپ پر حق بالکل کھول کر واضح کیا جا چکا کہ وفا کے معنی کیا ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی کوئی اپنے ہی جسم میں غور کر لے تو اس پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ اس کے جسم کو زندہ رہنے کے لیے ایک انرجی کی ضرورت ہے جو کہ وہی انرجی ہے جسے بجلی کا نام دیا جاتا ہے فرق صرف اور

صرف یہ ہے آپ کے جسم میں یہ انرجی اللہ یعنی فطرت وجود میں لا رہی ہے اور انسان اللہ کا شریک بنتے ہوئے مصنوعی طریقے سے اس بجلی کو پیدا کر رہا ہے۔

اور آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ آپ کے جسم کے ہر ذرے میں نہ صرف بجلی پیدا ہو رہی ہے یعنی جنریٹ ہو رہی ہے جنریٹرز کام کر رہے ہیں بلکہ جسم کے ہر ذرے میں بجلی محفوظ بھی ہو رہی ہے جسے بیٹری کا نام دیا جا سکتا ہے اور انہی بیٹریوں سے جسم بجلی کو استعمال کر کے زندہ رہتا ہے۔ جسم کے ہر ذرے میں ایک محدود مدت تک بجلی پیدا کرنے اور محفوظ کرنے کی صلاحیت ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو جسم میں تمام ذرات بجلی کی پیداوار کو روک دیتے ہیں جس سے جسم کام کرنا بند کر دیتا ہے یعنی جنریٹرز اپنی مدت پوری کر چکنے پر مزید بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جس سے جسم کام کرنا بند کر دیتا ہے جسے وفات یعنی اس کی زندگی کا پورا ہونا کہتے ہیں جسم کی موت ہو جاتی ہے۔

وفا کو آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا اس کے باوجود ایسا کرتے ہیں کہ نہ صرف قرآن سے بھی اس کے معنی کو کھول کر واضح کرتے ہیں بلکہ پورا کرنے کے معنی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں جو کہ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے اور پھر دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے یعنی قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا کیا ان تمام مقامات پر قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے اگر تو قبول کرتا ہے تو قرآن نے تصدیق کر دی کہ یہی حق ہے اور اگر قبول نہیں کرتا تو اس کا مطلب کہ یہ حق نہیں ہے۔

جو بھی وفا کا کوئی بھی معنی کرے اس کا حق و باطل ہونے کا معیار نہ تو اکثریت ہے اور نہ ہی انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں بلکہ معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے کہ اسے قرآن پر پیش کیا جائے اگر تو قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے تو حق ورنہ وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اب قرآن سے ہی تُوَفِّي جس میں اصل لفظ ''وفا'' ہیکے معنی آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن پیچھے واضح کردہ معنی کی تصدیق کرتا ہے یا پھر ملّاؤں کے تراجم و معنوں کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے اس لفظ کا استعمال اس آیت کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر کیا ہے اس لیے کوئی بھی اس مقام پر جو معنی اس لفظ کا لے گا تو لامحالہ وہی معنی باقی تمام مقامات پر بھی لینا پڑے گا اور ہم نے اس لفظ کا معنی پورا کرنا کیا تو دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن بھی اس لفظ کا یہی معنی کرتا ہے اور قرآن کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہیں؟ قرآن میں درج ذیل مقامات پر اس لفظ کا استعمال کیا گیا

البقرة. أوفوا، أوف ٤٠، الموفون ١٧٧، يتوفون ٢٣٤، يتوفون ٢٤٠، يوف ٢٧٢، توفى ٢٨١.

آل عمران. وفيت ٢٥، متوفيك ٥٥، فيوفيهم ٥٧، أوفى ٧٦، توفى ١٦١، توفون ١٨٥، توفنا ١٩٣.

النساء. يتوفاهن ١٥، توفاهم ٩٧، فيوفيهم ١٧٣.

المائده. أوفوا ١، توفيتنى ١١٧.

الانعام. يتوفكم ٦٠، توفته ٦١، اوفوا ١٥٢.

الاعراف. يتوفونهم ٣٧، فاوفوا ٨٥، توفنا ١٢٦.

الانفال. يتوفى ٥٠، يوف ٦٠.

التوبه. اوفى ١١١.

يونس. نتوفينك ٤٦، يتوفكم ١٠٤.

هود. نوف ١٥، اوفوا ٨٥، موفوهم ١٠٩، يوفينهم ١١١.

يوسف . اوفى ٥٩، فاوف ٨٨، توفنى ١٠١.

الرعد . يوفون ٢٠، نتوفينك ٤٠.

النحل. تتوفهم ٢٨، تتوفهم ٣٢، يتوفكم ٧٠، اوفوا ٩١، توفى ١١١.

الاسراء. اوفوا ٣٤، اوفوا ٣٥، موفورا ٦٣.

الحج. يتوفى ۵، یوفوا ۲۹.

النور. یوفیهم ۲۵، فوفه ۳۹.

الشعرا. اوفوا ۱۸۱.

السجده. یتوفکم ۱۱.

فاطر. یوفیهم ۳۰.

الزمر. یوفی ۱۰، یتوفی ۴۲، وفیت ۷۰.

غافر. یتوفی ۶۷، نتوفینک ۷۷.

الاحقاف. یوفیهم ۱۹.

محمد. توفتهم ۲۷.

الفتح. اوفی ۱۰.

النجم. وفی ۳۷، اوفی ۴۱.

الدهر. یوفون ۷.

النبا. وفاقا ۲۶.

المطففین. یستوفون ۲.

قرآن میں یہ جتنے بھی جملے آئے ہیں ان میں اصل لفظ ''وف یعنی وفا'' ہے اور قرآن کے بعض مقامات ایسے ہیں جو بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں کہ وفا کے معنی ہیں پورا کرنا اور تمام کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے اس کے حق ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اس کے علاوہ کوئی ایک بھی معنی ایسا نہیں جس کی قرآن تصدیق کرے جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ وفا کے معنی ہیں پورا کرنا۔

حق اس قدر کھول کھول کر واضح ہوجانے کے باوجود بھی اگر کوئی شک وشبہ رہے یا کوئی ابہام رہے تو ایسا کرتے ہیں کہ وفا کے معنی کو ایک اور پہلو سے بھی کھول کر واضح کردیتے ہیں۔ ایک عام اصول ہے کہ اگر کسی بات، شئے یا لفظ کی سمجھ نہ آئے تو اسے سمجھنے کے لیے سب سے آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی ضد کو سمجھ لیا جائے اگر اس کی ضد کو سمجھ لیا جائے تو اس کی خود بخود وضاحت ہوجائے گی۔

اسی طرح بالفرض اگر آپ کو اس لفظ کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو آپ اس کی ضد کو سمجھ لیں قرآن میں اس لفظ کی ضد کے لیے لفظ ''ظلم'' آیا ہے اور ظلم کہتے ہیں کمی کو یا کمی کرنے کو۔ کب، کہاں، کیسے اور کس میں کمی کرنے کا ذکر ہے تو اس کی وضاحت آیات کا پس منظر کردیتا ہے۔ جب ظلم کے معنی کمی کرنے کے ہیں تو پھر ظاہر ہے یہ پورا کرنے کی ضد ہے۔ قرآن میں موضوع بحث لفظ ایک ہی معنی کے طور پر استعمال ہوا ہے اور وہ معنی ہے پورا کرنا۔ کس کو، کب، کہاں یا کیسے پورا کرنے یا نہ کرنے کی بات ہورہی ہے تو اس کی وضاحت آیت یا بات کا پس منظر کردیتا ہے۔ قرآن میں آپ کے اس بشری وجود کی ذات کے لیے یہ لفظ نیند پوری کرنے کے لیے یعنی سونے کے لیے اور موت کے ضمن میں آیا ہے۔ لیکن معنی وہاں بھی یہی رہے گا یعنی پورا کرنا، البتہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا پورا کرنے کا ذکر کیا جارہا ہے جس سے مراد سونا یعنی نیند پوری کرنا یا موت لیا جاتا ہے۔

اللہ نے بشری جسم کا نظام ایسا بنایا ہے کہ اسے دن بھر کام کرنے کے لیے یا تندرست رہنے کے لیے ایک مخصوص قسم کی قوت درکار ہوتی ہے جو دن بھر جاگنے سے کم ہوجاتی ہے اگر اس قوت کو پورا نہ کیا جائے تو نہ صرف جسم پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ دماغ بھی متاثر ہوتا ہے اور اگر وہ قوت جسم سے مکمل طور پر ختم ہو جائے تو جسم موت کا شکار ہوجاتا ہے۔ جب بشر دن بھر جاگتا ہے تو اس کے جسم سے اس قوت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے بشر اور جانداروں کے لیے نیند خلق کی ہے۔ انسان جب رات کو سوتا ہے تو دراصل اس کا سونے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ جسم میں اس کمی کو پورا کیا جائے جس کمی کی وجہ سے جسم کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ تو اللہ رات کو جسم میں اس قوت کو پورا کرتا ہے جس کی کمی کو نیند کہا جاتا ہے لیکن آپ آسان ترین

الفاظ اور فقرے کا استعمال کرنے کی غرض سے اس کو سونا یا نیند پوری کرنا کہہ دیتے ہیں۔

اسی طرح بشر کے لیے قرآن میں اس لفظ کا دوسرا استعمال جو ہوا ہے اسے موت کے معنی میں لیا جاتا ہے لیکن دراصل وہاں بھی اس لفظ کا یہی معنی ہے کہ پورا کرنا۔ اللہ نے ہر بشر کو دنیا میں رہنے کے لیے ایک مدت دی جب بشر کو دی گئی وہ مدت جو کہ اس کی زندگی ہے پوری کر دی جاتی ہے تو اس کے لیے اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ یا معنی موت کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ یا معنی موت نہیں موت تو بذات خود عربوں کی زبان کا لفظ ہے وفا کا معنی پورا کرنا ہی ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ روزانہ رات کو زندگی کو پورا کیا جاتا ہے تب تک جب تک کہ اجل مسمیٰ نہیں آجاتی جس وجہ سے رات کو وفات کے بعد بشر پھر تروتازہ ہو جاتا ہے اور جب زندگی پوری کر دی جاتی ہے جتنی متعین تھی تو اس کے بعد دوبارہ نہیں اٹھتا بلکہ موت ہو جاتی ہے جس کا معنی ہے جن ذرات اور مراحل سے گزار کر وجود میں لایا گیا دوبارہ انہی مراحل سے گزرتے ہوئے ذرات میں تحلیل ہونے کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان مراحل سے گزرتا ہوا موت یعنی ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس معنی کو اب ہم اس آیت میں استعمال کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا یہ آیت اس معنی کو قبول کرتی ہے؟ اگر تو آیت اس معنی کو قبول کرتی ہے تو حق ہے اور اگر آیت معنی کو قبول نہیں کرتی تو حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

''اِذْقَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ'' بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے جب عیسیٰ ابن مریم کو وفات دینے کی غرض سے یعنی عیسیٰ کی زندگی کو پورا کرنے کی غرض سے صلیب پر چڑھایا کہ ہم اسے قتل کر رہے ہیں یعنی اس کی زندگی کو پورا کر رہے ہیں اب مزید اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تب اللہ نے کہا اِذْقَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ متوفیک مستقبل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے آگے چل کر مستقبل میں تجھے پورا کروں گا یعنی تیری زندگی کو پورا کروں گا۔ تب اللہ نے کہا اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفا کروں گا یعنی یہ لوگ جو تجھے وفا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ تجھے وفا نہیں کر سکیں گے یعنی یہ تیری زندگی کو پورا نہیں کر سکیں گے تجھے قتل نہیں کر سکیں گے بلکہ میں تجھے وفا کروں گا مطلب یہ کہ تُو فطرتی طور پر اپنی زندگی گزار کر بڑھاپے میں وفات پائے گا۔

یہ تھا متوفیک کے بارے میں حق جسے دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت نہیں کر سکتی اور جس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کوئی چاہ کر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا ہر ایک کو اپنی موت سے پہلے اسے تسلیم کرنا ہی ہو گا خواہ وہ خوشی سے تسلیم کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرے یا پھر وہ آل فرعون اور جوان سے پہلے قومیں ہلاک کی گئیں ان کی مثل عذاب عظیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور یوں نہ صرف اسے حق کو تسلیم کرنا پڑے بلکہ تسلیم کرنا اسے کوئی نفع نہ دے اور وہ دنیا و آخرت میں ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

اور یہ بات کان کھول کر سن لیں حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے جب حق سامنے لے آیا جائے تو ہر کسی کو ماننا ہی پڑتا ہے اس لیے آج آپ کو اختیار حاصل ہے کہ حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے پر حق کو تھام لیں ورنہ ماننا تو آپ کو پڑے گا یہ اللہ کا آپ سے وعدہ ہے جو کہ بالکل سر پر آچکا ہے۔

رفعک الیہ

اب بات کرتے ہیں رفع پر جس سے نہ صرف مراد لیا جاتا ہے بلکہ یہ عقیدہ و نظریہ عام ہے کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اپنی طرف اٹھا لیا۔ آیت میں الفاظ ہیں وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور رفع کر رہا ہوں تجھے اپنی طرف لیکن اس کا ترجمہ و معنی کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا کیونکہ یہ عقیدہ و نظریہ پایا جاتا ہے کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اس لیے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھا لیا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ پر پیچھے ہر لحاظ اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو ان کے عقائد و نظریات کے مطابق کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ جب اللہ کیا ہے حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ ایسا کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر عیسیٰ ابن مریم کو

چاہے زندہ یا پھر مردہ آسمانوں پر اٹھانا بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس میں رفع کی ع پر پیش ہے جس سے یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں رفع ہو رہا ہے یا یوں کہیں کہ رفع کر رہا ہوں۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے اپنی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھایا تو عیسیٰ ابن مریم کو موت اپنی آنکھوں سے نظر آنا شروع ہوگئی ظاہر ہے جب صلیب پر چڑھا دیا گیا تو اب پیچھے کیا رہ جاتا ہے۔ قانون کے مطابق تو اب صلیب سے وفات ہونے پر ہی لاش کو اتارا جائے گا لیکن یہ سب تو اللہ کی منصوبہ بندی تھی تب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو کہا کہ اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دوں گا یعنی تُو اپنی زندگی گزار کر بڑھاپے میں فطرتی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا نہ کہ یہ لوگ تجھے وفات دے سکیں گے تب آگے سے عیسیٰ نے کہا کہ اے اللہ پھر یہ کیا ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے؟ یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ جو مجھے اذیت دی جا رہی ہے یہ کیا ہے پھر؟ تو اسی کا اللہ نے آگے سے جواب دیا وَرَافِعُکَ اِلَی اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ تُو رفع ہو رہا ہے تیری اپنی ہی ذات کی طرف یا یوں کہیں اپنے نفس جو کہ اپنی حقیقی ذات ہے اس کی طرف جو کہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

اب اگر اسے کوئی یہ کہے کہ اللہ نے یہ کہا کہ میں تجھے اپنی طرف آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں تو ایسا کہنے والا کوئی شیطان ہی ہو سکتا ہے نہ کے اللہ کا غلام کیونکہ دنیا عمل کی جگہ ہے دنیا امتحان گاہ ہے جو یہاں آپ کمائیں گے وہی آپ کو آخرت میں ملے گا دنیا میں رفع ہونا یعنی بلند ہونا عملی طور پر نہیں بلکہ دنیا میں درجات میں بلند ہوتے ہیں اور جو درجہ کوئی دنیا میں کما لیتا ہے آخرت میں وہ درجہ اسے دیا جائے گا۔ اپنی ہی ذات جو کہ اللہ ہے اس کی طرف رفع ہونے کا مطلب ہے کہ مجموعی طور پر سات درجے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے اس بشری وجود میں سات درجے ہیں اس بشری وجود میں اصل ذات جو کہ نفس ہے وہ دماغ ہے دماغ مکمل وجود ہے جو کہ ساتویں درجے میں سب سے اوپر ہے اور باقی جتنے بھی درجات ہیں ان میں جو کچھ بھی آتا ہے وہ سب کا سب دماغ کا ہی ہے اسی کا وجود ہے اور اسی کے لیے ہے بالکل یہی مثال اللہ کی ہے اللہ نے بشر کو اپنی صورہ پر خلق کیا اس لیے ایسے ہی اللہ کی ذات میں سات درجات ہیں جب آپ کو اس دنیا میں وجود میں لایا گیا تو آپ سب سے نیچے ہوتے ہیں گویا کہ آپ پاؤں کی ہتھیلی ہیں اب آپ کو اس دنیا میں جو مدت دی گئی اور جو کچھ دیا گیا اگر آپ ان سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس مقصد کے لیے سب کا سب دیا گیا تو آپ درجات میں بلند ہوتے جائیں گے یوں جو درجہ آپ دنیا میں کمائیں گے وہی درجہ آپ کو آخرت میں ملے گا اگر آپ دنیا میں اپنی ہی ذات جو کہ آپکی حقیقت ہے اللہ اسے پہچان کر خود کو اللہ ثابت کر دیتے ہیں تو آخرت میں آپ کی حقیقت اللہ ہے اور اس کے لیے اسوہ حسنہ رسول میں رکھ دیا یعنی رسول دنیا میں تو آپ کو آپ ہی کی طرح بشر نظر آتے ہیں لیکن وہ آپ کی طرح انسان نہیں بلکہ وہ اللہ ہی کی ذات ہے ظاہر و باطن میں آخرت میں ان کا درجہ اللہ ہے جیسے آپ کے وجود میں دماغ۔ یہی اللہ نے عیسیٰ کو کہا کہ یہ جو تجھے اتنی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ تُو اپنی ہی ذات کی طرف بلند ہو رہا ہے آخرت میں تُو سب سے اوپر والے درجے پر ہو گا کُل کا کُل تیرا ہی تو وجود ہو گا۔ اسے مزید تفصیل کیساتھ آگے چل کر واضح کریں گے لیکن یہاں مختصراً بیان کر دیا گیا کہ دنیا میں کوئی بھی بشر درجات میں بلند ہوتا ہے نہ کہ جسمانی طور پر اور جو درجہ دنیا میں کما لیا جائے گا وہی درجہ آخرت میں ملے گا یہ ہے وَرَافِعُکَ اِلَی کی حقیقت۔

اسی کو ایک اور پہلو سے مزید تفصیل کیساتھ کھول کر واضح کرتے ہیں

وَرَافِعُکَ اِلَی

اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ تُو رفع ہو رہا ہے تیرے اپنے ہی نفس کی طرف یعنی جو تیری اپنی اصل ذات ہے اس کی طرف رفع ہو رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی رفع کیسے ہوتا ہے؟ یعنی کیا اس دنیا میں جسمانی طور پر رفع ہوتا ہے یا پھر دنیا تو امتحان گاہ ہے اس دنیا میں ہر بشر درجات میں رفع ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی اللہ نے قرآن میں دے دیا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ. الانعام ۸۳

ہم رفع کر رہے ہیں درجات جو ہمارا قانون ہے۔

اس آیت میں اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات واضح کر دی کہ اللہ کسی کو بھی جو رفع کر رہا ہے ایک تو درجات میں رفع کیا جاتا ہے اور دوسرا رفع کیا جا رہا ہے جو اللہ نے قانون بنا دیا اس کے مطابق۔

یعنی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ اس دنیا میں اگر کوئی بھی رفع ہوتا ہے تو درجات میں رفع ہوگا نہ کہ جسمانی طور پر اور دوسری بات کہ رفع ہونے کے لیے اللہ نے جو قانون بنا دیا اس قانون پر عمل کرنے سے ہی رفع ہوا جا سکتا ہے دنیا میں درجات بلند ہو سکتے ہیں ورنہ کسی بھی صورت نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ کا قانون کیا ہے جس قانون کے مطابق ہی اللہ رفع کرتا ہے اور پھر یہ بھی ذہن میں ہونا چاہیے کہ اللہ نے ہر شیئے سے اسی کا جوڑا خلق کیا ہے اس لیے اگر اللہ رفع کر رہا ہے تو جو قانون پر عمل نہیں کرتے اس کے خلاف چلتے ہیں تو اللہ ان کو درجات میں بلند کرنے کی بجائے ذلت کا شکار کرتا ہے نیچے سے نیچے لے جاتا ہے درجات میں۔

رفع ہونے کا اللہ کا قانون کیا ہے اس کا جواب بھی اللہ نے قرآن میں دے دیا

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۔ الانعام ۱۶۵

وَهُوَ اور جو بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا یعنی حد نہیں آجاتی جب حد آجائے یعنی جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِىْ یہی ذات ہی ہے یعنی یہ اللہ ہی کی ذات ہے جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اسی ذات نے یعنی اسی وجود نے جسے تم کائنات کہو یا فطرت کہو اس نے تمہیں کیا زمین کے بعد والے یعنی تم سے پہلے بھی اس زمین پر بہت سے بشر آباد تھے جو سلف ہو گئے اس طرح آج تم آباد ہو جوان کے بعد والے ہو وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور رفع کیا تمہیں بعض کو بعض پر فوقیت تھی دَرَجٰتٍ درجات میں یعنی درجات میں بعض کو بعض پر رکھا لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا اسی لیے دیا گیا کہ تمہیں آزمائش میں ڈالا جائے اور اس کے بدلے میں تمہیں بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی جائے درجات میں بلند کیا جائے۔

اس آیت میں اللہ نے رفع کرنے کا قانون بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ نے تمہیں جو کچھ بھی دیا خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، صحت ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوں، کوئی عہدہ یا رتبہ ہو یا کچھ بھی دیا تو بغیر کسی مقصد کے نہیں دیا بلکہ سب کے سب کو جس نے دیا نہ صرف اسی کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے اور تم میں سے جو بھی ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کرے گا تو دنیا میں اس پر سخت سے سخت آزمائشیں آئیں گی اسے سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور جو ان آزمائشوں میں ڈٹ جائے گا تو اسے درجات میں بلند کیا جائے گا یعنی رفع کیا جائے گا یہ ہے اللہ کا قانون رفع کرنے کا۔

جو کچھ بھی دیا گیا اگر کوئی ان میں سے کسی کا بھی اس کے علاوہ اور مقاصد یعنی اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرتا ہے دنیا میں آسائشوں وسہولتوں کے مزے لوٹنے کے لیے استعمال کرتا ہے دنیا کی عارضی و چھوٹی موٹی آزمائشوں و سختیوں سے بچنے کے لیے استعمال کرتا ہے تو ایسے کو رفع نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مزید نیچے سے نیچے چلا جاتا ہے اسی کو اللہ نے قرآن کے ایک اور مقام پر ایک اور پہلو سے واضح کر دیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ.

الاعراف ۱۷۶

وَلَوْ شِئْنَا یعنی اور اگر ہم نے تمہیں سننے دیکھنے جو سنتے دیکھتے ہو اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں دیں یا جو کچھ بھی دیا تو یہ سب کا سب کیوں دیا؟ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا جس کو بھی ہم نے سننے دیکھنے، سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتیں دیں یا ان کے علاوہ بھی جو کچھ بھی دیا تو سب کا سب اس لیے دیا کہ اس کو اس کیساتھ رفع کیا جائے۔ مطلب یہ کہ وہی بات آپ کو جو سننے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اور پھر اس کے عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی گئی یعنی آسمانوں و زمین پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اگر آپ میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ظاہر ہے سننے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو بھی آوازیں اپنا وجود

رکھتی ہیں انہیں سنا جائے اور دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو کچھ بھی موجود ہے جو نظر آ رہا ہے اسے دیکھا جائے اور پھر سمجھنے کی صلاحیت بھی دی گئی تو اسی لیے کہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھا جائے کہ وہ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور پھر عمل کرنے یعنی آسمانوں وزمین پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے جس سے آسمانوں وزمین میں قائم توازن برقرار رہے گا کہیں بھی کوئی خرابی نہیں ہوگی اور پھر ظاہر ہے آسمانوں وزمین یہی وجود ہی تو ہے جس نے آپ کو وجود دیا اور جو کچھ بھی ہے اسی وجود نے ہی تو آپ کو دیا تو ظاہر ہے یہ سب نہ صرف اسی کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے اس لیے اسی کے لیے ان سب کا استعمال کرنا ہے تو جو ایسا کرے گا تو اسے دنیا میں سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا لوگوں کی دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑے گا یعنی اس پر آزمائشیں آئیں گی اور اگر وہ ان میں ڈٹ جاتا ہے تو پھر اس کو رفع کیا جا رہا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا مومن ہے اور اللہ کا اسم المومن ہے یعنی ایسا تو اللہ ہی کرسکتا ہے یوں ایسا بشر دنیا میں درجات میں رفع ہو رہا ہے اپنے نفس یعنی اپنی اصل ذات جو کہ اس وجود کا دماغ ہے اس کی طرف۔ لیکن انسان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے انسان عجلت پسند ہے یعنی جو سامنے ہے اسی کے پیچھے بھاگتا ہے جو جلد ہے اسی کے پیچھے بھاگتا ہے اس لیے انسان کے بارے میں اللہ نے کہا وَلٰـكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ اور لیکن یہ جو انسان ہے اس نے کیا کیا؟ اس کو یہ جو سب دیا گیا تو یہ جھک گیا زمین کی طرف یعنی درجات میں رفع ہونے کی بجائے نیچے کو اپنا رخ کر لیا اور اس کا نیچے کو رخ کرنا کیا ہے اس کو بھی اللہ نے آگے واضح کر دیا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ اور اتباع کی یعنی پیچھے پڑا اپنی خواہشات کے جو اس کی خواہشات ہیں مطلب یہ کہ اس کو جو سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتیں دی گئیں اس کو جو کچھ بھی دیا گیا تو اس کو یہ جو اوپر سارا وجود نظر آ رہا ہے اس وجود میں دماغ کا درجہ پانے کے لیے ان سب کا اسی وجود جو کہ اس کا اپنا اصل وجود ہے کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کے پیچھے ان سب کا استعمال کیا، دنیا حاصل کرنے کے لیے ان سب کا استعمال کیا یوں یہ رفع نہ ہوا اس نے دنیا کی پرواہ کرتے ہوئے دنیاوی آزمائشوں سے بچنے کے لیے ان سب کا استعمال کیا فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ پس یہ کتے کی مثل ہے یعنی یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ کتا ہو کہ اس پر چڑھ دوڑا جائے تب بھی وہ ہانپ رہا ہے اور کیا ہے چھوڑ بھی دیا جائے تو ہانپتا ہے یعنی جو جو بھی سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی جو صلاحیتیں دی گئی یا جو کچھ بھی دیا گیا ان کا دنیا کے حصول کے لیے استعمال کر رہا ہے اپنی خواہشات کے پیچھے استعمال کر رہا ہے اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا دنیا کا لالچ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کا لالچ بڑھتا ہی جائے گا وہ بالکل کتے کی مثل ہے

آپ نے جان لیا کہ اس آیت میں اللہ نے بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ کیسے رفع کرتا ہے یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ رفع کرتا ہے درجات میں اور جیسے اس کا قانون ہے اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو اللہ نے دیا تو جس مقصد کے لیے دیا اگر اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو دنیا میں آپ پر آزمائشیں آئیں گی انسان آپ کے دشمن بن جائیں گے اگر آپ ان آزمائشوں پر ڈٹ جاتے ہیں تو بدلے میں آپ رفع ہوتے ہیں اس دنیا میں درجات میں اور جو درجہ آپ اس دنیا میں کما لیں گے آخرت میں آپ کو وہ درجہ مل جائے گا۔

یہ ہے اللہ کا قانون اور اسی قانون کے مطابق ہی اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو رفع کیا نہ صرف عیسیٰ ابن مریم بلکہ ہر رسول اسی قانون کے مطابق ہی رفع ہوا۔ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے الکتاب دی یعنی آسمانوں وزمین کا علم دیا اور الحکمہ بھی دی اب ظاہر ہے اللہ نے الکتاب والحکمہ دی ہے تو بغیر کسی مقصد کے تو نہیں دی اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچایا جائے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا بھیجا ہوا بننا تھا اب اگر عیسیٰ اللہ کا بھیجا ہوا یعنی رسول بنتا ہے تو ظاہر ہے اس وقت وہ لوگ ہوتے ہی سو فیصد گمراہیوں میں ہیں جن میں رسول بھیجا جاتا ہے اور وہ رسول کا دروازہ تو بند کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اب اگر عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول بنتا تو اسے انتہائی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا یعنی انسان اس کے دشمن بن جاتے اور اس کو قتل تک کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اگر عیسیٰ ابن مریم ڈٹ جاتا تو ایسے میں وہ اپنی اصل ذات اللہ کی طرف اس دنیا میں درجات میں بلند ہوتا اور آخرت میں وہ وہی ہوگا جو اس نے دنیا میں درجہ کمایا۔ یوں اس طرح عیسیٰ ابن مریم رفع ہوا۔

اور دوسری بات کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور رسول میں اسوہ حسنہ ہوتا ہے یعنی رسول کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے کہ نہ صرف جن میں رسول بعث کیا جا رہا ہے ان کی اپنی زبان میں حق کھول کھول کر ہر لحاظ سے واضح کر دیا جائے بلکہ ان کو عملی طور پر عمل کر کے بھی دکھا دیا جائے کہ یہ تھا دنیا میں آنے کا مقصد اس طرح اس مقصد کو پہچانا جاتا ہے پھر اس طرح اس پر پورا اترا جاتا ہے اور جب اس مقصد پر پورا اترو گے تو تمہیں ایسے ہی سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم ڈٹ گئے تو

تمہیں اسی طرح رفع کیا جائے گا یعنی تم اللہ کی طرف رفع ہو گے اس لیے تم نے جو بھی کرنا ہے وہی کرنا ہے جو رسول نے کیا اسی طرح کرنا ہے جیسے رسول نے کیا اسی طرح رفع ہو گے جیسے رسول رفع ہوا۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جو رفع ہوا اس کا مطلب ہے کہ اسے زندہ یا مردہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو ایسا بشر اللہ کا رسول ثابت ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسول میں اسوہ حسنہ ہوتا ہے اور جس میں اسوہ حسنہ ہی نہ ہو وہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ رسول ہو ہی نہیں سکتا اس لیے اگر کوئی کہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو زندہ یا مردہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو عیسیٰ ابن مریم میں اسوہ حسنہ ثابت ہی نہیں ہوتا اور یوں وہ اللہ کا رسول ہی ثابت نہیں ہوتا۔

اپنے کان کھول کر سن لیں وہ لوگ جو ایسا کہتے ہیں یا عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ یا پھر مردہ آسمانوں پر چلا گیا وہ اپنے عمل سے دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا ہی نہیں اب اگر وہ زبان سے لاکھ دعوے کریں لیکن جان لیں زبان سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن عمل سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ عمل اپنے آپ میں اٹل حقیقت ہے۔

پھر اس کے علاوہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھیں اللہ کا کیا کہنا ہے عیسیٰ ابن مریم کے رفع ہونے کے بارے میں۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ . البقرة ۲۵۳

اللہ نے رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہیں وہ رسول فضیلت دی یعنی ترجیح دی ہم نے بعض کو بعض پر، ان میں سے جو بھی ہیں کلمہ تھے یعنی ان کے والدین طیب تھے اور وہ خلق ہی طیب ہوئے تھے اس لیے اللہ ہے اور رفع کیا ان بعض کے درجات اور عیسیٰ ابن مریم کو دیں ہم نے البیّنات یعنی آیات کو کھول کھول کر واضح کرنے کا علم دیا اور کیا دیا ہم نے عیسیٰ کو؟ ہمارا ید یعنی جو کام کرنے کے لیے بھیجا اسے کرنے کی قوت روح القدس کیساتھ۔

اس آیت میں اللہ نے رائی برابر بھی شک کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو جو دیا تھا اس کا ذکر بھی کر دیا اور ظاہر ہے عیسیٰ ابن مریم کو جو دیا تھا اسی لیے دیا تھا کہ اسے رفع کیا جائے وہ رفع ہو اس کیساتھ اور عیسیٰ ابن مریم اس کیساتھ رفع ہوا یعنی اس کو جو کچھ بھی دیا گیا تو جس مقصد کے لیے دیا گیا اس نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس کی وجہ سے اس کو انتہائی سخت ترین آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جس پر ڈٹنے سے عیسیٰ ابن مریم رفع ہوا درجات میں جو درجہ اس نے دنیا میں کمایا آخرت میں وہی درجہ اسے حاصل ہو گا۔ اس آیت میں دوٹوک واضح کر دیا گیا کہ عیسیٰ ابن مریم سمیت ان تمام رسولوں کے درجات رفع یعنی بلند کیے تھے نہ کہ کسی ایک کو بھی جسم سمیت زندہ یا مردہ آسمان پر اٹھا لیا گیا جیسا کہ آج مشہور کر دیا گیا۔

اسی طرح اللہ نے ہر رسول کو رفع کیا ہر رسول کو جو دیا گیا اس نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس مقصد کے لیے دیا گیا جس کی وجہ سے ہر رسول کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا جس پر وہ ڈٹ گئے اور یوں ہر رسول رفع ہوا اس دنیا میں درجات میں اور ایسے ہی ابراہیم کو بھی رفع کیا گیا جس کا ذکر اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات میں کر دیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. البقرة ۱۲۴

اور جب آزمائش میں ڈالا ابراہیم کو اس کے ربّ نے ساتھ کلمات کے پس پورا کیا انہیں، کہا اس میں کچھ شک نہیں میں کر رہا ہوں تجھے لوگوں کے لیے امام۔

اس آیت میں اللہ ایک واقعے کا ذکر کر رہا ہے کہ جب ابراہیم کو لوگوں کے لیے امام بنایا گیا تو اس کا پس منظر کیا تھا۔ ابراہیم کو اللہ نے جو کلمات یعنی الکتاب کا علم دیا تھا جب ابراہیم نے لوگوں پر حق واضح کیا تو لوگ ابراہیم کے دشمن بن گئے یہاں تک کہ ابراہیم کے خلاف آگ جلائی گئی مطلب کہ پورا معاشرہ ہی آگ بگولہ ہو کر ابراہیم کے خلاف نہ صرف اکٹھا ہو گیا بلکہ ابراہیم کو پکڑ لیا جو کہ انتہائی سخت آزمائش تھی۔ آپ خود تصور کریں کہ اگر آپ آج انڈیا کے کسی بڑے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیں اور شور مچ جائے تو کیا ہو گا؟ نہ صرف عوام مشتعل ہو کر اکٹھی ہو جائے گی بلکہ آپ کو تلاش کیا جائے گا اور اگر آپ ان کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں تو آپ کی حالت کیا ہو گی؟ وہ جو پورا مجمع آگ بگولہ ہو رہا ہے وہ آپ کیساتھ کیا کرے گا اور اس وقت آپ کس قدر سخت آزمائش کا شکار ہوں گے؟ ابراہیم کے خلاف ایسے ہی آگ جلائی گئی یعنی مشتعل ہجوم اکٹھا ہو گیا اور ابراہیم ان کے ہتھے چڑھ گئے تو ابراہیم نے وہاں لچک کا مظاہرہ نہیں کیا نہ ہی ابراہیم

اپنے موقف سے پیچھے ہٹے ان سے ڈر کر بلکہ ابراہیم ڈٹ گیا اور پھر نہ صرف اللہ نے حالات ایسے بنا دیے کہ اس آگ یعنی مشتعل ہجوم کو ٹھنڈا کر دیا بلکہ ابراہیم کو وہاں اس آگ سے نکال لیا اس آزمائش کے بدلے ابراہیم رفع ہوئے جس کا درج ذیل آیت میں ذکر کیا گیا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۔ الانعام ۸۳

آج اس وقت جو اللہ کا رسول موجود ہے اسے اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ جو تجھے الکتاب دی گئی جو تجھے البیّنات دی گئیں یہ وہ حجت تھی جو دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر یعنی اِس وقت اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ رہا ہے جسے محمد کی قوم کے آخرین میں بھیجا گیا کہ یہ جو تجھے الکتاب یعنی آسمانوں و زمین کا علم دیا گیا جو تُو آج حق ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ رہا ہے جو کہ ان لوگوں پر حجت ہے یعنی تیری طرف سے حق اس قدر کھول کھول کر واضح کیے جانے کے باوجود بھی یہ نہ ماننے اور کفر ہی کیا تو کل کو ان کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا بالکل ایسے ہی ابراہیم اپنی قوم پر حجت تھے اور جو آج یہ لوگ تیرے ساتھ کر رہے ہیں تیرے خلاف کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی ابراہیم کی قوم نے بھی ابراہیم کے خلاف کیا، تو جیسے آج تُو آگے سے اس آزمائش پر ڈٹ گیا ہے ایسے ہی ابراہیم ڈٹ گیا تھا اور بدلے میں ہم رفع یعنی بلند کر رہے ہیں درجات جو ہمارا قانون ہے یعنی اس طرح ہم درجات بلند کرتے ہیں ایسے ہی ابراہیم کے درجات بلند کیے۔

یہ ہے رفع کی حقیقت اس طرح اللہ رفع کرتا ہے اس طرح کوئی بھی بشر رفع ہوتا ہے اللہ کی طرف جو کہ انسان کی اپنی ہی ذات ہے جسے وہ بھولا ہوا ہے اور اس پانچ چھ فٹ کے جسم کو اپنی اصل ذات سمجھ رہا ہے۔

اس کے علاوہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا ایک اسم ہے ''الرافع'' جس کے معنی ہیں مخصوص رفع ہو رہا ہے اللہ ہے یعنی جو جو بھی رفع ہو رہا ہے تو ان میں دیکھیں کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے جو مخصوص ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔ الرافع کا ترجمہ کیا جاتا ہے رفع یعنی بلند کرنے والا اگر یہ ترجمہ بھی لے لیں تو آپ خود غور کریں اگر رفع کا معنی ہے جسمانی طور پر آسمانوں پر اٹھا لینا ہے تو کیا صرف اور صرف واحد عیسیٰ ابن مریم ہی ایسا بشر تھا جو رفع ہوا؟ نہیں بلکہ ہر رسول رفع ہوا اور جو رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح رفع ہوتے ہیں جیسے رسول رفع ہوا اس لیے یوں بھی ان شیاطین کے گھڑے ہوئے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن میں اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں رفع کی وضاحت موجود ہے لیکن اس موضوع پر مزید بات کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ یہ جو بات کی یہ بھی اضافی بات کر دی گئی تا کہ جو نہ ماننے والے ہیں ان کے پاس کل کو کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ایک بار صرف رفع کیے جانے کی حقیقت کو الگ سے واضح کر دیا جاتا تو ہم مان جاتے یوں آیت میں رافعک الی کی حقیقت بھی آپ پر ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دی گئی۔

واقعہ صلیب کی حقیقت

عیسائیوں کے پاس ایک ایسا کپڑا پچھلے دو ہزار سال سے محفوظ ہے جس کی لمبائی تقریباً چودہ فٹ ہے اور اسے عیسیٰ ابن مریم کا کفن قرار دیا جاتا ہے۔ نہ صرف اس کپڑے کو عیسیٰ ابن مریم کا کفن قرار دیا جاتا ہے بلکہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں لوگوں کی نظروں میں عیسیٰ ابن مریم کو مردہ سمجھ کر صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹ کر ایک غار نما قبر میں رکھا گیا جس کے تیسرے دن وہاں سے عیسیٰ ابن مریم اپنے حواریوں کیساتھ نکل گئے اور بعد میں جا کر جب اس راز پر سے پردہ اٹھا تو اس

کپڑے کو محفوظ کر لیا گیا جسے آپ درج ذیل تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔

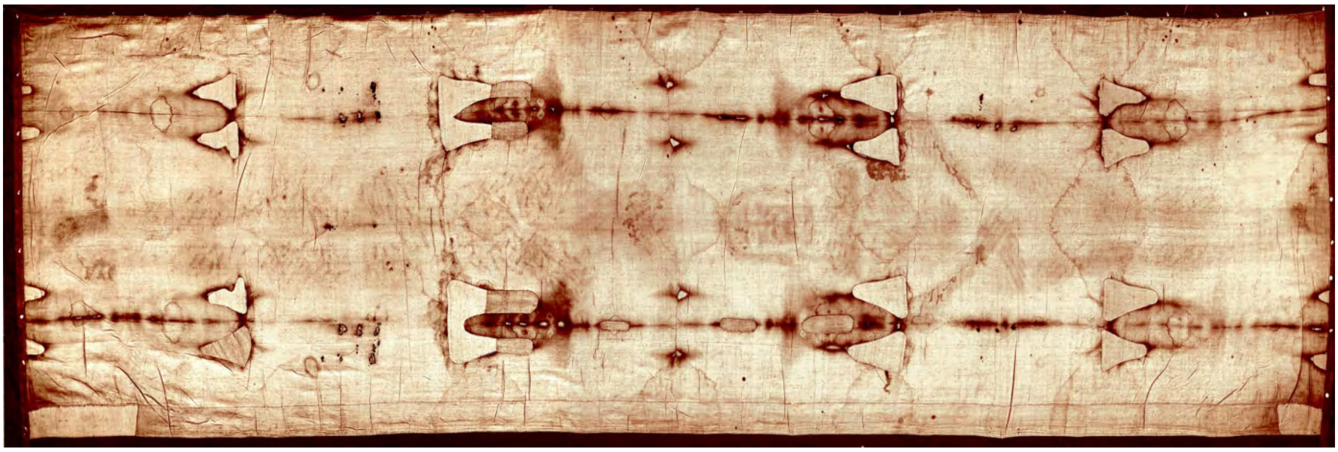

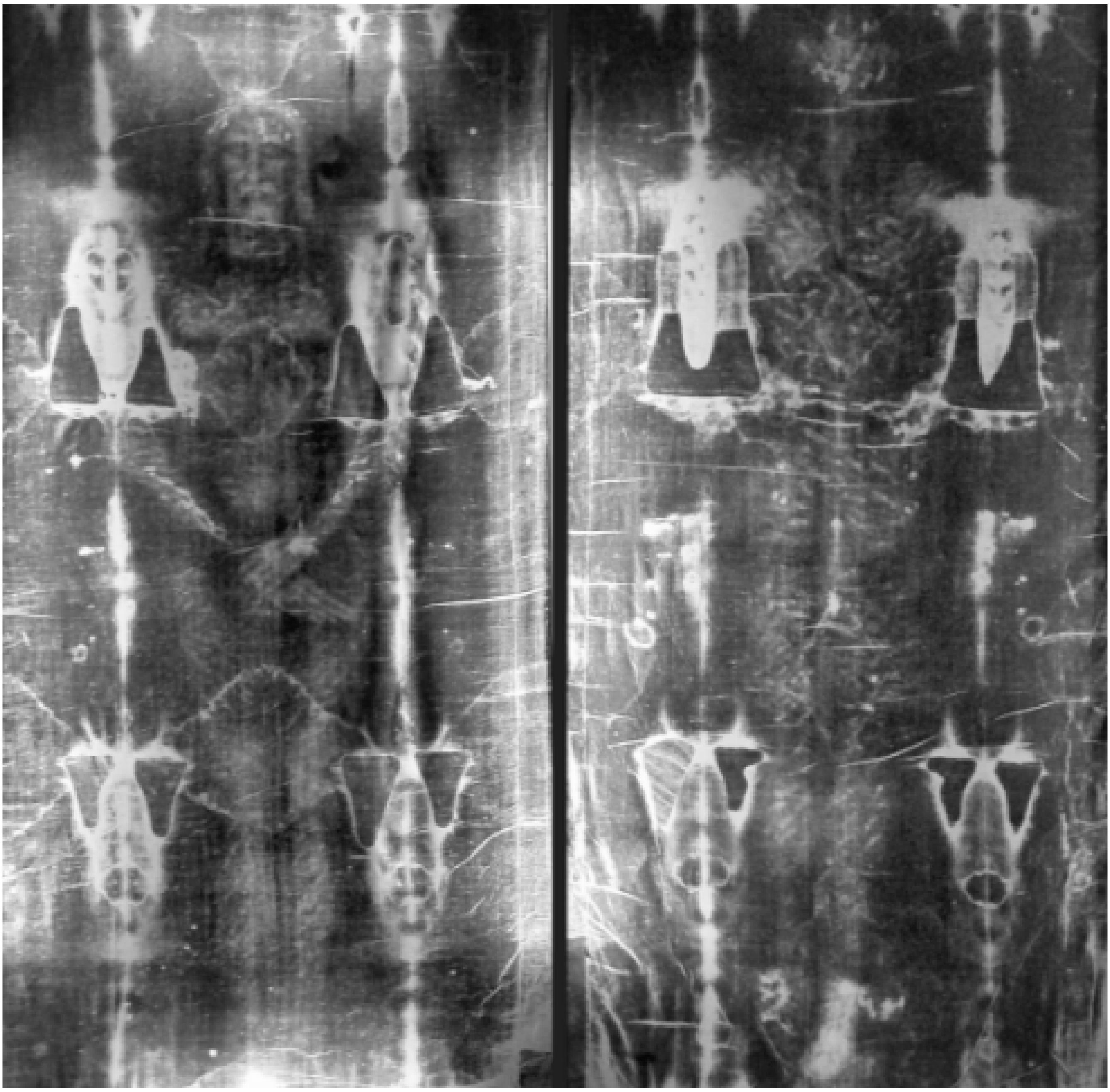

عیسیٰ ابن مریم نے جب حق کھول کھول کر واضح کیا تو بنی اسرائیل کے ملاّؤں کی حقیقت کھل کر سامنے آنے لگی کہ انہوں نے دین الاسلام کیساتھ کیا کھلواڑ کیا ہے یوں بنی اسرائیل کے ملاّؤں کو اپنی دکانداری جب خطرے میں نظر آئی تو وہ عیسیٰ ابن مریم کی جان کے دشمن بن گئے اور انکے قتل کے منصوبے بنانا شروع کر دیئے لیکن انہیں خوف تھا کہ اگر وہ عیسیٰ کو قتل کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ان پر آسکتی ہے اور اس سے بچنے کے لیے ملاّؤں نے عیسیٰ ابن مریم پر طرح طرح کے

الزامات لگانا شروع کر دیئے اور ان کی طرف طرح طرح کے جھوٹ منسوب کر کے عوام کو گمراہ اور مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جو عیسیٰ کیساتھ علمی میدان میں بات کر کے خود کو حق اور عیسیٰ کو باطل ثابت کر سکتا اس وجہ سے ملاؤں نے پہلے پہل تو خاموشی اختیار کیے رکھی کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر کوئی بھی عیسیٰ کے مقابلے پر آئے گا تو اس کی حقیقت ہر کسی پر چاک ہو جائے گی لیکن جب عیسیٰ ابن مریم نے خود اپنی زبان سے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو یہ بات ملاؤں کے لیے عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بطور ہتھیار ثابت ہوئی، اس وقت چونکہ بالکل آج والے ہی حالات تھے کہ کوئی رسول و نبی نہیں آئے گا جو کوئی بھی دعویٰ کرے تو اس کی صرف اور صرف ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے قتل اس لیے ملاؤں نے اس بات کو لیکر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا جب عوام کی اچھی خاصی تعداد کو گمراہ کر چکے تو اس وقت کی رومن حکومت پر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف فساد فی الارض کا مقدمہ درج کر کے گرفتار کرنے اور مصلوب کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جس پر حکومت کی طرف سے مقدمہ درج کر کے عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کر لیا گیا اور عدالت نے انہیں مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل کرنے کی سزا سنادی۔

ریاست کا دستور یہ تھا کہ جس شخص کو فساد فی الارض کے جرم میں مصلوب کیا جاتا اس کو پہلے کوڑے بھی مارے جاتے یوں عیسیٰ ابن مریم کو کوڑے بھی مارے گئے۔
اس وقت کی رومن ریاست میں استعمال ہونے والے کوڑے کو تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر سے ان کے کپڑے اتار لیے گئے اور بھرے مجمع میں ان پر کوڑے برسائے گئے اور بنی اسرائیل کے ملاؤں کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ اگر تم اپنے دعوے سے منحرف ہو جاؤ یعنی یہ کہہ دو کہ تم اللہ کے رسول ہو نہ ہی وہ المسیح جس کا بنی اسرائیل سے وعدہ کیا گیا ہے بلکہ تم نے جھوٹا دعویٰ کیا تو تمہاری جان بچ سکتی ہے لیکن کوڑے کھانے والا بشر اتنی اذیت کے باوجود اپنے دعوے سے منحرف ہونے کی بجائے اللہ کو پکارتا رہا اور اپنے اس دعوے پر قائم رہا کہ وہ اللہ کا رسول اور وہی المسیح ہے جس کا بنی اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ بالآخر عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور یہ جمعہ کا دن تھا اور وقت ظہر سے ڈھل چکا تھا مغرب میں چند ہی گھنٹے باقی تھے۔ یہودیوں کے ہاں یہ بھی دستور تھا کہ سبت یعنی ہفتے کے دن نہ ہی کسی کو مصلوب کیا جاتا اور نہ ہی کسی کا جسم صلیب پر رہنے دیا جاتا بلکہ اس کی لاش کو صلیب سے اتار لیا جاتا اس لیے سبت یعنی ہفتے کا دن شروع ہونے سے قبل موت دے کر لاش کو صلیب سے اتارنا لازم ہوتا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم کیساتھ ان کے دائیں اور بائیں دو ڈاکوؤں کو بھی مصلوب کیا گیا جب وقت مغرب میں داخل ہونے والا تھا تو سبت کا دن شروع ہونے سے پہلے تینوں افراد کے اجسام کو صلیب سے اتارنا بھی تھا جس کے لیے صلیب پر موت ہونا لازم تھی۔ عام طور پر پانچ پانچ دن تک بشر صلیب پر زندہ رہتا ہے اور اگر سبت کا دن شروع ہونے تک کوئی زندہ رہے یعنی اس کی موت نہ ہو تو اس کو بھالوں یعنی نیزوں سے مار مار کر اس کی پسلیاں توڑ کر مار دیا جاتا اس کے بعد لاش اتار لی جاتی یہاں بھی ایسا ہی ممکن تھا لیکن ہوا یوں کہ عیسیٰ ابن مریم کو ایک شخص نے سپاہی کے روپ میں نیزے پر لگا کپڑے کا ٹکڑا سونگھایا جس سے وہ ایسی حالت میں

چلے گئے کہ سب کو یہی لگا کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت ہوگئی۔

جب سبت کا دن شروع ہونے کو تھا تو سپاہیوں نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو تو زندہ ہیں لیکن عیسیٰ ابن مریم کی موت ہو چکی تو انہوں نے ڈاکوؤں کو پھالے مار مار کر ان کی پسلیاں توڑ دیں جس سے ان کی موت ہوئی اور جب وہ عیسیٰ ابن مریم کی طرف آئے تو یہ یقین کرنے کے لیے کہ کیا ان کی موت ہو چکی ہے ایک سپاہی نے عیسیٰ ابن مریم کی پسلیوں کی جگہ پھالا مارا جس سے عیسیٰ ابن مریم کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی اور اس پھالا مارنے سے ان کے جسم سے خون بہنا شروع ہو گیا۔

جج نے موت کی تصدیق کرتے ہوئے جسم کو صلیب سے اتار کر عیسیٰ کے حواریوں کے حوالے کرنے کا حکم دے دیا اور عیسیٰ ابن مریم کے حواری ان کا جسم لیکر صلیب کے مقام کے قریب ہی پہلے سے ہی ایک چٹان میں غار خرید رکھا تھا جسے وفات شدہ کو رکھنے کے لیے قبر کے نام پر استعمال کیا جاتا تھا وہاں لے گئے جہاں انہوں نے پہلے سے ہی سب انتظام کر رکھا تھا یعنی وہاں انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر مرہم لگانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جس قبر کے نام پر غار میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو صلیب سے اتارنے کے بعد رکھا گیا اس کو درج ذیل تصویر میں دیکھیں جو کہ آج بھی موجود ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو اس غار میں لا کر چودہ فٹ لمبے کپڑے کی ایک طرف کو بچھا کر اس پر لٹا دیا گیا اور سارے جسم پر لوبان اور مر سے تیار کردہ مرہم مل کر جسم کو باقی کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا جیسا کہ ذیل میں دی گئی تصویر میں واضح کیا گیا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کا جسم بغیر کسی حرکت کے کئی گھنٹے تک ساکت پڑا رہا اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے جسم بخار میں مبتلا ہو گیا۔ بخار کی وجہ سے جسم کا درجہ حرارت بڑھنے سے جو پسینہ آیا اور بھاپ بن کر اٹھا اس میں اس مرہم کے اجزاء بھی شامل ہوتے گئے اور اس بھاپ سے قدرتی طور پر اس کپڑے پر جسم کے دونوں طرف عیسیٰ ابن مریم کے پورے جسم کا خاکہ چھپ گیا۔

تیسرے دن عیسیٰ ابن مریم کو رات کے وقت وہاں سے نکال کر شہر سے دور غیر گنجان آباد علاقے میں دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا لیکن اس کپڑے کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں عیسیٰ ابن مریم وہاں سے اس مقام کی طرف ہجرت کر گئے جہاں بنی اسرائیل کے باقی دس گمشدہ قبائل آباد تھے تا کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور یہی اللہ کی حکمت تھی۔

وہاں اس کپڑے کا چھوڑ نا یہ خالصتاً اللہ کی حکمت ہی تھی اور پھر اس کپڑے کو آج تک محفوظ کر دینا یہ بھی خالصتاً اللہ ہی کی حکمت تھی تا کہ عیسیٰ ابن مریم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے ذریعے سے وہ پورا کیا جا سکے یعنی جو الزامات بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں نے لگائے اور جو کچھ بعد میں عیسائیوں نے کیا اس سب سے عیسیٰ ابن مریم کو بری کیا جائے۔

درج ذیل تصویر میں آپ اس کپڑے کو دیکھ سکتے ہیں جس میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو صلیب سے اتار کر لپیٹا گیا۔

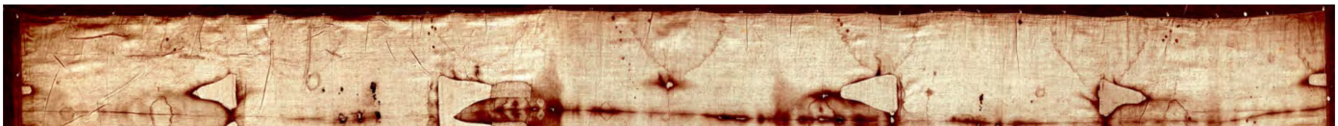

اس کپڑے کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ایک حصہ ۱۳۹۰عیسوی سے پہلے کی تاریخ اور دوسرا ۱۳۹۰ عیسوی سے آج تک کی تاریخ۔ ۱۳۹۰ عیسوی سے پہلے کی تاریخ موجود ہونے کے باوجود جان بوجھ کر مشکوک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ایسا موجودہ دور میں کیا جارہا ہے نہ کہ اس سے پہلے ایسا تھا لیکن ۱۳۹۰ عیسوی کے بعد کی تاریخ مکمل سامنے لائی جاتی ہے اس کی کیا وجوہات ہیں اس کی حقیقت آگے جا کر خود ہی کھل جائے گی۔

یہ کپڑا ۱۵۷۸ عیسوی میں فرانس سے اٹلی کے شہر ٹیورن کے ایک چرچ میں لایا گیا جو اب تک یہیں موجود ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام ''شراوڈ آف ٹیورن'' یعنی ٹیورن کا کفن پڑ گیا۔ پہلی بار ۱۸۹۸ عیسوی میں سائنسی تحقیقات کے لیے اس کپڑے کی تصاویر لینے کی اجازت دی گئی اور تین ٹیموں نے ان تصاویر کے ذریعے اس کپڑے پر تحقیقات کیں۔ اس کے بعد ۱۹۰۲ عیسوی میں بھی تصاویر کے ذریعے دوبارہ تحقیقات کی گئیں جس میں یہ ثابت ہوا کہ کپڑے پر موجود ہلکی سی نظر آنے والی تصویر قدرتی طریقے سے وجود میں آئی ہے نہ کہ کسی نے بنائی لیکن یہ تحقیقات اس مقصد کے لیے ناکافی تھیں جس مقصد کے لیے تحقیقات کی اجازت دی گئی تھی۔

اس کے بعد تیسری بار ۱۹۳۶عیسوی میں بھی اس پر تحقیقات کی گئیں اور اس کے بعد بالآخر ۱۹۶۹ تا ۱۹۷۳ عیسوی تک یہ کپڑا گیارہ رکنی اعلیٰ سطح کے سائنسدانوں کی ٹیم کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ اس پر تحقیقات کریں اور اپنی رپورٹ پیش کریں۔

اللہ کی حکمت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اس گیارہ رکنی ٹیم میں ایک انتہائی قابل سائنسدان کو بھی شامل کیا گیا جو کہ یہودی تھا۔ جب اسے ٹیم میں شمولیت اور پروجیکٹ کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں تو ایک یہودی ہوں اور میری اس میں کوئی دلچسپی نہیں اس کے باوجود اس ٹیم میں یہ سوچ کر شمولیت کی حامی بھر لی کہ جائیں گے اور جب اس کپڑے کو دیکھیں گے تو لازمی اس پر ایسے اثرات نظر آئیں گے کہ جس سے یہ واضح ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا خود سے کیا ہوا کام ہے یوں ہم اسے یہیں رد کر دیں گے یعنی فرضی اور جعلی قرار دیں گے لیکن ہوا یوں کہ اس نے کہا جب ہم نے پہلی بار اس کپڑے کو دیکھا تو ہمیں ایسا کوئی اثر نہ ملا کہ جس سے یہ شک بھی ہوتا کہ یہ کسی کی بنائی ہوئی تصویر ہے جس وجہ سے میری دلچسپی اس میں بڑھ گئی ،نہ صرف میری بلکہ پوری ٹیم کی۔ یوں Shroud of Turin Research Project ''STURP'' نامی پروجیکٹ سے اس پر تحقیقات کا آغاز ہوا۔ اس ٹیم میں زیادہ تر امریکی سائنسدان تھے اور اس ٹیم نے مسلسل پانچ ماہ تک اس کپڑے پر بنی تصویر پر تحقیقات کیں جس کے لیے مختلف جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا اور تمام تر تجربات، تجزیات و تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نہ صرف کپڑے پر بنی تصویر جسم پر لوبان اور مر کے لگے ہونے اور جسم کے درجہ حرارت کی وجہ سے قدرتی طور پر بنی ہے بلکہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے اور جس وقت ان کے جسم کو صلیب سے اتارا گیا اس وقت وہ زندہ تھے اور جب ان کا جسم اس کپڑے میں ڈھانپا گیا تب بھی وہ زندہ تھے کیونکہ مردہ جسم سے حرارت خارج نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسا کوئی عکس وجود میں آ سکتا ہے اور پھر اس کپڑے پر خون کے دھبوں پر کیے گئے تمام تجربات و تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب سے اتار کر اس کپڑے میں ڈھانپا گیا تب خون کا بہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اس وقت زندہ تھے کیونکہ کسی بھی وفات شدہ کے بدن سے خون نہیں بہہ سکتا کیونکہ خون دل کے دھڑکنے کی وجہ سے بہتا ہے جب دل کی دھڑکن بند ہو جائے تو خون کا بہاؤ مکمل طور پر رک جاتا ہے یوں کسی بھی مردہ بدن سے خون نہیں بہہ سکتا۔ اس کے علاوہ بذات خود بائبل عیسیٰ ابن مریم کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے کی گواہی دیتی ہے کہ جب ان کا جسم صلیب سے اتارنے سے قبل ان کی موت کی تصدیق کے لیے ان کی پسلیوں میں پھالا گھونپا گیا تو خون بہنا شروع ہو گیا حالانکہ مردہ جسم سے خون نہیں بہتا یہ آج میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی سال تک ہر لحاظ سے اس پر تحقیقات جاری رہیں اور کئی سالوں بعد ۱۹۸۱ عیسوی میں ان تحقیقات کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے اور وہ صلیب پر سے زندہ اتار لیے گئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی تھی۔

ان نتائج کے سامنے آنے سے چرچ کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں اور چرچ نے اپنا سارا زور اس پر لگانا شروع کر دیا کہ ان نتائج کو چھپایا جائے تا کہ دنیا پر حقیقت نہ کھل سکے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ صلیب سے زندہ اتار لیے گئے تو دین عیسائیت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ دین عیسائیت کی بنیاد ہی یہی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب کیے گئے یعنی ان کی موت صلیب پر ہوئی اور ان کی موت ان پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

جب یہ نتائج کسی حد تک دنیا کے سامنے آئے تو ایک اور فیصلہ کیا گیا اور وہ یہ تھا کہ اس کپڑے کا کاربن فورٹین ٹیسٹ کروایا جائے جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ آیا یہ کپڑا کتنا پرانا ہے اگر کاربن فورٹین ٹیسٹ سے پہلی صدی عیسوی کی تاریخ نکلتی ہے تو بلاشبہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن تھا اور اگر ایسا نہیں ہوتا تب بھی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور یہ نتائج بے معنی ہو جائیں گے جو پہلے کی گئی تحقیقات سے سامنے آئے۔

۱۹۸۸ عیسوی میں اس کپڑے کے ایک کونے سے چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا اور آزادانہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ کے لیے ایک ٹکڑا آکسفورڈ یونیورسٹی، دوسرا یونیورسٹی آف اریزونا امریکہ اور تیسرا سوئس فیڈرل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں بھیج دیا گیا۔

Shroud of Turin Research Project ''STURP'' کی پوری ٹیم کو یقین تھا کہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹ پہلی صدی عیسوی کی ہی آئے گی لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس آیا۔ ٹیسٹ میں جو تاریخ سامنے آئی وہ ۱۲۶۰ سے ۱۳۹۰ عیسوی کے درمیان وہ کپڑا بنا تھا۔ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ سے پچھلی تمام تر کی گئی تحقیقات کو رد کر دیا گیا لیکن جس ٹیم نے تحقیقات کی تھیں وہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ کو ماننے کو تیار نہیں تھی لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس ٹیسٹ کے سامنے اپنی تحقیقات کو سچ ثابت نہیں کر سکتے تھے یوں چرچ کو اطمینان ہو گیا اور دین عیسائیت کی جڑ کٹتے کٹتے بچ گئی۔ جو کپڑا کئی سالوں سے موضوع بحث اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا اچانک وہ بے معنی ہو گیا لیکن اس کے باوجود چرچ اپنے پیروکاروں کو یہی کہتا رہا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے۔

Shroud of Turin Research Project ''STURP'' ٹیم میں یہودی سائنسدان نے ہار تسلیم نہ کی اس کا کہنا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہے کہ یہ کفن عیسیٰ ابن مریم کا نہیں ہے۔ وہ اس ٹیم کا حصہ تھا اور جو علم انہیں حاصل ہوا، جو ثبوت تجربات و تحقیقات سے سامنے آئے ان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ کپڑا ۱۲۶۰ سے ۱۳۹۰ کے درمیان بنایا گیا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تب کس کو مصلوب کیا گیا؟ کیونکہ تاریخ میں اس دوران ایسا کوئی واقعہ ملتا ہی نہیں۔ تاریخ میں ایسا ایک ہی واقعہ ملتا ہے اور وہ ۲۰۰۰ سال پہلے عیسیٰ ابن مریم کا واقعہ صلیب ہے۔ اس کے علاوہ ایک ایسی پینٹنگ تھی جس نے ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ پر بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ وہ عیسیٰ ابن مریم اور اسی کپڑے کی پینٹنگ تھی یعنی ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک تصویر جس میں اس کپڑے کو دکھایا گیا ہے درج ذیل تصویر اسی پینٹنگ کی ہے۔

تصویر میں نظر آنے والا کپڑا عیسیٰ ابن مریم کا قرار دیا جانے والا یہی کفن ہے کیونکہ جس طرز پر اس کفن پر انگلش کے حرف ایل کی مثل سوراخ ہیں اس پینٹنگ میں بالکل انہی جگہوں پر ایسے ہی سوراخ موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پینٹنگ بنانے والا شخص نہ صرف اس کپڑے سے واقف تھا بلکہ اس وقت بھی اس کپڑے کو عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن مانا جاتا تھا۔

پینٹنگ میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر لوبان اور مر کا مرہم ملتے اور انہیں اسی کفن میں ڈھانپتے ہوئے دیکھا جاسکتا اور یہ پینٹنگ ۱۲۶۰ جو کہ ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ سے سامنے آنے والی تاریخ سے بھی ۷۰ سال پہلے ۱۱۹۰ عیسوی میں بنائی گئی تھی۔ یہ پینٹنگ نہ صرف اس ٹیم کے لیے تسلی کا باعث بنی بلکہ اس نے ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ یہودی سائنسدان نے دنیا میں مختلف جگہوں پر اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی جدوجہد کردی کہ شراؤڈ آف ٹیورن عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے۔

اچانک ۱۹۹۲ عیسوی میں دو جرمن مصنفوں کی ایک کتاب منظر عام پر آئی جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ بالکل ٹھیک تھا لیکن اس کا شراؤڈ آف ٹیورن یعنی عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کتاب میں بتایا کہ جب عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے ٹکڑا کاٹ کر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ٹیسٹ کے لیے بھجوایا جا رہا تھا تب ان ٹکڑوں کو بدل دیا گیا تھا یوں اصل کے بجائے نقلی ٹکڑے ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ کے لیے چلے گئے اور انہوں نے کتاب میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ عیسیٰ ابن مریم کا کفن بالکل اصل ہے۔ ان کے اس دعوے کی بنیاد پر جب اس پر تحقیقات کی گئیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا دعویٰ سچ تھا۔ جو ٹکڑے ٹیسٹ کے لیے بھیجے گئے ان کا وزن بھی مختلف تھا اور ان کی تصاویر بھی بالکل مختلف تھیں جن کا عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعد میں یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ سب چرچ کی جانب سے کیا گیا کیونکہ چرچ کو خطرہ تھا کہ اگر ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ ہو جاتا ہے تو پچھلی تمام تر تحقیقات سچ ثابت ہو جائیں گی کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ بچا لیا گیا یوں دین عیسائیت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ دین عیسائیت بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جائے گا اور چرچ نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو جس وجہ سے یہ قدم اٹھایا گیا۔

آج یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی۔ مصلوب کہتے ہیں صلیب پر موت ہونا اور اگر صلیب پر موت نہ ہو تو وہ مصلوب نہیں کہلاتا۔ یہی حقیقت اللہ نے آج سے چودہ صدیاں پہلے قرآن میں بیان کر دی تھی لیکن خود کو امت محمد کہلوانے والوں کے علمائے یہود نے نہ صرف قرآن کی تکذیب کی بلکہ دین عیسائیت کو بنیاد فراہم کی اور اس کے علاوہ دین الاسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کیا۔ اللہ نے کہا تھا کہ اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ کی حکمت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اس کپڑے کو کیسے صدیوں تک محفوظ رکھا اور آج خود انہی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں ساری حقیقت کھول کر رکھ دی اور عیسیٰ ابن مریم کو اِن کے ان اعمال سے بری ثابت کر دیا جو یہ آج تک عیسیٰ ابن مریم کے نام پر کرتے آئے انہیں من دون اللہ الٰہ بنائے رکھا۔ اور یہودیوں کے گھر سے ہی ایک یہودی نے اس کام میں سب سے بڑھ کر کام کیا اور اس حق کو کھولنے میں رات دن ایک کیے رکھا۔

اب وہ لوگ جن کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے ایک حواری کو اس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے چھو منتر کر کے بدل دی گئی اور مصلوب کیا گیا تو ان لوگوں سے سوال ہے کہ پھر تم لوگ اپنے اس دعوے کو سچا ثابت کرو کیونکہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کی تو موت ہی نہیں ہوئی تھی تو کیا عیسیٰ کے اس حواری کی موت نہیں ہوئی تھی؟ آج تمہارا دجل ہر لحاظ سے چاک کر کے رکھ دیا گیا اور حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اب آپ کو اپنے گریبان میں جھانکنا ہے کہ آیا آپ حق کو تسلیم کرتے ہیں یا پھر اندھوں کی طرح ان علماء نامی بدترین مخلوق کے پیچھے چلتے ہیں جو کہ الدجّال کے امام ہیں اور دین الاسلام کے بدترین دشمن ہیں جو اپنی

خواہشات کوالہٰ بنائے ہوئے ہیں، اپنے اپنے فرقے کو حق قرار دیتے ہوئے اسی کی طرف دعوت دینے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں حالانکہ اگر ان سے کوئی سوال کیا جائے تو بجائے یہ کہ اس سوال کا علم کی روشنی میں جواب دیں بلکہ منافق کی طرح گالم گلوچ اور جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تھا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں حق اب جس کا جی چاہے وہ اسے تسلیم کرے اور جس کا جی چاہے اس کا کفر کرے لیکن کفر کرنے والا جان لے کہ وہ مانے گا لیکن تب اسے ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ تب اس کا ماننا آل فرعون اور جو ان سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے ان کے ماننے کی ہی مثل ہوگا۔ آج تمہاری صلیب توڑ کر رکھ دی گئی اور حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی بت اور احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد رسول اللہ و خاتم النبیّن اور عقیدہ ختم نبوت

کیا محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے؟ کیا ان پر رسالت و نبوت ختم ہو چکی؟

خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام اللہ کے آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں محمد علیہ السلام پر رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ اگر محمد علیہ السلام کے بعد کوئی بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی یا رسول ہے تو ایسا شخص مرتد اور گستاخ رسول ہے اس کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی نرمی و معافی نہیں ایسے شخص کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

عقیدہ لفظ کے معنی ہیں کہ ایک بات جسے آپ نے سچا مان لیا اس کو اپنے دماغ میں ڈال کر دماغ کے دروازوں جن کے ذریعے دماغ میں کوئی بات داخل کی جاتی ہے ان پر تالے لگا دینا کہ اب اس حوالے سے نہ ہی کوئی بات دماغ سے باہر لائی جائے گی اور نہ ہی کوئی اندر جانے دی جائے گی خواہ اس کے خلاف کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آجائیں یہاں تک کہ اگر وہ بات غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف ایک حرف تک بھی سنا یا دیکھا نہیں جائے گا۔ اور مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں انہوں نے اس بات کو اپنے دماغوں میں ڈال کر اس پر تالہ لگا دیا ہوا ہے۔ اس موضوع پر خواہ کوئی بھی بات ہو کوئی بھی دلیل ہو وہ سنی دیکھی نہیں جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ ہے مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت۔

آگے اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے اس بات کو جاننا بہت ضروری ہے کہ کیا اللہ یا قرآن عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ کیا دین الاسلام میں عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہے؟

لفظ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد کے حامل لوگوں کو لسان العرب یعنی عربوں کی زبان میں اہل العقائد کہا جاتا ہے اور اہل العقائد ضد ہے اولی الالباب یا اولوالالباب کی۔ اگر کسی ذات، شئے، بات یا لفظ کی سمجھ نہ آئے یا اسے سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو اس کی ضد کو سمجھ لینا چاہیے اگر اس کی ضد سمجھ آجائے تو وہ ذات، شئے، بات یا لفظ خود بخود کھل کر واضح ہو جائے گا جسے سمجھنے میں رائی برابر بھی مشکل نہیں رہے گی۔ تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ لفظ عقیدہ کی بجائے اس کی ضد اولی الالباب کو قرآن سے ہی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور کھول کر واضح کرتے ہیں۔

اولی الالباب۔ پہلے لفظ آتا ہے اولی جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف پر مشتمل ہے ''الف'' اور دوسرا لفظ ''ولی'' ہے۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں الف آجائے جو کہ اس لفظ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے جسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔

آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں ''اللہ اکبرُ''۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

''اللہ اکبرُ'' میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اللہ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں و خصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور کبر کے معنی وجودی، صلاحیتوں و خصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو

کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے تو بڑا درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود۔ یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے بالکل اسی طرح اولی الالباب ہے اس میں نہ صرف سوال ہے کہ اولی الالباب کیا ہے کون ہیں بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اگر الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اس کے کیا معنی بنیں گے یہ تو آپ نے جان لیا کہ وہ اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔

اگلا لفظ ہے ولی۔ اور ولی وَل سے ہے جس کے معنی ہیں اپنے مقصد، اپنے مشن، اپنے ٹارگٹ وغیرہ میں کسی کو اپنا معاونت کار بنانا۔ جس سے بھی کسی بھی سطح پر معاونت حاصل کی جائے گی اسے عربی میں ولی کہا جاتا ہے۔

''وَل'' کی ضد ''بَرَ'' ہے جسے عرف عام میں برأت کہتے ہیں مثلاً اگر کوئی آپ سے کسی بھی قسم کی معاونت طلب کرتا ہے تو آپ اس کی معاونت کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں یوں اگر آپ ''ولی'' کی ضد ''برا'' کو بھی جان لیتے ہیں تو لفظ ولی کے معنی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ ولی کے معنی ہیں جسے اپنے مقصد و مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جائے۔

اب آتے ہیں پورے لفظ کی طرف۔ اولی جس کے معنی بنتے ہیں کیا ہے ولی یعنی کیا ہے وہ جسے اپنے مقصد میں اپنے مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جانا ہے، بنایا جا سکتا ہے یا اولو کیا ہے جسے اپنے مقصد و مشن میں معاونت کار بنایا جا رہا ہے، اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنے مطلوب کے حصول کے لیے کس سے معاونت حاصل کی جا رہی ہے کسے معاونت کار یا سہولت کار بنایا جا رہا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب آ جاتا ہے۔

الباب۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''ال'' اور دوسرا لفظ ''باب''۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں ''ال'' کا استعمال ہوتا ہے تو ''ال'' مخصوص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مخصوص شئے کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ عام شئے کا۔ اور باب کہتے ہیں داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کو، وہ مادی بھی ہو سکتا ہے، غیر مادی بھی اور شعوری بھی۔ کہاں مادی نکلنے اور داخل ہونے کے مقام کا ذکر ہے اور کہاں غیر مادی اور کہاں شعوری اس کا فیصلہ بات کا پس منظر کرتا ہے۔

باب کہتے ہیں دروازے یعنی نکلنے و داخل ہونے کے مقام کو، جو کہ بہت سے نکلنے و داخل ہونے کے مقامات ہیں یعنی دروازے ہیں تو آیا ان میں سے کن کا ذکر کیا جا رہا ہے تو لفظ کے شروع میں ال کے استعمال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں عام دروازوں یعنی داخلے وخروج کے مقامات کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ یہ خاص ایسے مقامات کا ذکر کیا جا رہا ہے، جتنے بھی ایسے مقامات ہیں ذرا غور کریں ان میں سے کون سے خاص ایسے مقامات ہیں اور انہیں آسانی سے سمجھنے کے لیے بات کا پس منظر یا سیاق وسباق بھی واضح کر دیتا ہے کہ آیا یہاں کن مخصوص باب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ مثلاً اسے قرآن ہی کی آیات سے سمجھ لیتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. آل عمران ۱۹۰

اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کی آیات ہیں اولی الالباب کے لیے یعنی کس کی آیات ہیں؟ جو اولی الالباب ہیں ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ آسمانوں و زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کس کی آیات ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اللہ کی آیات ہیں ان کے لیے جو اولی الالباب ہیں۔

آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد ہے آیت۔ لفظ آیت ضد ہے بیّن کی اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات، ذات یا کسی بھی شئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا کھلم کھلا ہونا اس کا انگ انگ واضح ہونا یعنی اس کا رائی برابر بھی کوئی پہلو چھپا ہوا نہ ہونا اور اس کے برعکس اس کی ضد آیت کے معنی ہیں کہ بات، ذات یا شئے کا ہر لحاظ سے چھپا ہوا ہونا سوائے اس کے چھوٹے سے حصے یا پہلو کے جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے سے اصل شئے یا ذات جو کہ چھپا دی گئی تھی وہ سامنے آجائے۔

اس آیت میں اللہ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین کی خلق میں رات اور دن کا اختلاف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں یعنی کہ یہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی نظر آرہا ہے جو نظر آرہا ہے حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جو تب ہی سامنے آسکتی ہے جب آپ ان میں غور کریں گے رات اور دن کا اختلاف جو کہ سورج کے گھومنے سے نظر آرہا ہے یہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس کے پردے میں اس کے پیچھے چھپی ہوئی ہے یہ آیات ہیں نہ کہ بیّنات اور اس آیت میں یہ بات بھی کھلم کھلا موجود ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں یہ صرف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں تو پھر ان کے لیے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے ان کے لیے آیات کی ضد بیّنات ہیں۔

جو اولی الالباب ہیں ان کا کہنا اور ان کا سمجھنا یہ ہے کہ جو وہ اپنی آنکھوں سے مناظر دیکھ رہے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب مخلوقات ہیں لیکن اصل حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ تو آیات ہیں اصل حقیقت کیا ہے وہ چھپی ہوئی ہے جب تک کہ ان میں غور نہیں کیا جاتا یعنی ان کے پیچھے پڑتے ہوئے ان کی گہرائی میں نہیں جایا جاتا تب تک اصل حقیقت سامنے نہیں آسکتی، رات اور دن کے بارے میں اصل حقائق یہ نہیں ہیں جو نظر آرہا ہے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے زمین ساکت ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے جس سے رات اور دن آ جا رہے ہیں بلکہ اصل حقائق کچھ اور ہیں جو کہ ان سے پیچھے پوشیدہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں جانے جا سکتے اس وقت تک سامنے نہیں آسکتے جب تک کہ ان آیات میں غور و فکر نہیں کیا جاتا ان کی گہرائی میں جا کر نہیں جان نہیں لیا جاتا اور اولی الالباب کے برعکس جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کا کہنا اور سمجھنا یہ ہے کہ رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہی کھلم کھلا حقیقت ہے اس کے خلاف وہ نہیں سوچتے نہ اس میں غور کرتے ہیں۔ اسی طرح آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں یعنی اصل حقیقت اللہ ہے جو چھپا ہوا ہے یہ اللہ کی آیات ہیں اس لیے اگر ان کیساتھ دشمنی کی جائے گی تو یہ ان مخلوقات کیساتھ دشمنی نہیں بلکہ اللہ کیساتھ دشمنی ہے تو جو اولی الالباب نہیں ہیں وہ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ یہ اللہ کی آیات ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ تو جو کچھ نظر آرہا ہے یہی حقیقت ہے یعنی یہ تو محض مخلوقات ہیں ان کیساتھ جو جی چاہے کرو یہ تو انسانوں کے لیے ہی بنائی گئی ہیں یہ اللہ کی آیات نہیں ہیں یعنی یہ جو کچھ بھی نظر آرہا ہے یہ اللہ کی ذات نہیں ہے بلکہ اللہ تو اس کائنات سے الگ آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔

یہاں اولی الالباب کا پس منظر آسمانوں اور زمین کی مخلوقات، رات اور دن کے اختلاف کی حقیقت کیا ہے اس کو سمجھنا ہے اور ظاہر ہے سمجھا تو دماغ سے جاتا ہے اور اس کے لیے کان، آنکھیں اور دل وہ باب ہیں جہاں سے معلومات دماغ تک جاتی ہیں۔ اگر ان ابواب کو بند کر لیا جائے کسی بھی معاملے کی حقیقت کو جاننے کے لیے کانوں، آنکھوں اور دل کا استعمال کرنے کی بجائے ان کا استعمال بند کر دیا جائے سنا ان سنا کر دیا جائے دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے دل مردہ اندھا ہو جائے تو پھر ایسے لوگ اولی الالباب کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب انہوں نے الباب یہ دروازے بند کر دیئے تو دماغ تک معلومات کیسے جائیں گی اور دماغ اصل نتیجے تک کیسے پہنچے گا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ باب بند کیسے کیے جاتے ہیں؟ یہ باب بند اس طرح کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی بات کو عقیدہ بنا لینا یعنی کسی بھی معاملے میں کسی بات کو دماغ میں ڈال کر اس پر تالے لگا دینا اس کے لیے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو بند کر لینا کہ اب اس معاملے پر اس کے خلاف کسی بھی قسم کی نہ تو کوئی بات سنی جائے گی نہ دیکھی جائے گی نہ دل کا استعمال کر کے غور کیا جائے گا۔ بات سنی ان سنی کر دی جائے گی دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے گا یوں اس میں غور کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو اپنے مشن میں اپنے مقصد میں جو کہ کسی بھی بات کو کسی بھی نکتے کو یا کسی بھی معاملے کو سمجھنا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنے کے لیے اپنے ان

رستوں کو ان باب کو بند نہیں کرتے بلکہ وہ ہر وقت ہر لمحے ان باب کو اپنے کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھتے ہیں دل سے اس بارے میں غور کرتے ہیں دماغ کو تفکر کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ان کا کہنا اور ماننا یہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بات کا کوئی پہلو پہلے ہم سے پوشیدہ رہ گیا ہو جس وجہ سے جو نتیجہ پہلے ہمارے سامنے آیا یا لایا گیا وہ حق نہ ہو اس میں کوئی خامی ہو کوئی نقص ہو اس لیے اگر اس معاملے میں کوئی نیا پہلو نئی بات نئی شئے سامنے آتی ہے جو پہلے سامنے نہیں آئی تو اس کو سننے دیکھنے اور اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہوسکتا ہے اگر کوئی سوال کھڑا ہو رہا ہے یا اٹھایا جا رہا ہے تو اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ لہذا اس میں غور کرتے ہیں اگر تو وہ بات وہ سوال غلط ثابت ہوتا ہے تو مزید اطمینان حاصل ہو جائے گا اور اگر وہ سچ ثابت ہو جائے تو اس حوالے سے پہلے نظریے کو دماغ سے نکال باہر کریں گے اور حق کو تسلیم کرلیں گے جس سے بعد میں خسارے اور پچھتاوے سے بچ کر فلاح کا سودا ہوگا۔

اب تک یہ بات بھی آپ پر واضح ہو چکی کہ اولی الالباب کی ضد اہل العقائد ہیں عقائد کے حامل لوگ۔ عقائد جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد عقیدہ ہے۔ عقیدہ کہتے ہیں کہ کسی بھی بات کو کسی بھی معاملے کو سچ سمجھ کر اپنے دماغ میں ڈال کر اس پر تالا لگا دینا کہ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنا جائے گا اس کے خلاف سامنے آنے والی کسی بھی بات کو نہیں دیکھا جائے گا خواہ کچھ بھی ہو جائے اس پر خواہ کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آجائیں خواہ وہ غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں سنی دیکھی جائے گی یعنی ایک بات کو کُل سمجھ کر دماغ میں ڈال کر تالا لگا دینا اب نہ ہی اسے دماغ سے باہر نکالا جائے گا اور نہ ہی اس کے مقابلے پر کوئی دوسری بات دماغ میں آنے دی جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ایسے لوگوں کو اہل العقائد کہا جاتا ہے۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو کسی بھی بات یا معاملے کے بارے میں سامنے آنے والے نتیجے کو آخری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے فی الحال تو اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں گے دل سے کام لیتے رہیں گے اگر کل کو کوئی ایسی بات یا ایسی شئے سامنے آتی ہے جو اسے غلط ثابت کر دیتی ہے یا اس میں نقص ثابت کر دیتی ہے تو پہلی بات کو دماغ سے نکال باہر کیا جائے گا اور سامنے آنے والے حق کو تسلیم کیا جائے گا یوں کبھی بھی کسی بھی بات کو کسی بھی نتیجے کو آخر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے بارے میں راسخ علم نہ آجائے یعنی ایسا علم کے جو تمام کے تمام سوالات و اعتراضات کے دروازے بند کر دے کوئی چاہ کر بھی کوئی سوال کھڑا نہ کر سکے اور اگر کوئی سوال یا اعتراض اٹھانے کی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ عاجز آجائے۔

قرآن میں اللہ نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہا کہ ہدایت صرف اور صرف اولی الالباب کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے جو عقیدے بنا لیتے ہیں جو اہل العقائد ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت عقیدے والوں کو ہدایت نہیں دے سکتی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جیسا کہ آپ تفصیل کیساتھ یہ بات جان چکے ہیں کہ نہ تو قرآن اور نہ ہی اللہ کی ذات اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عقیدہ اخذ کیا جائے بلکہ اللہ نے بہت ہی سختی کیساتھ اس سے منع کیا ہے۔ جب اللہ نے اس سے منع کیا ہے اس سے روکا ہے تو پھر کس طرح کسی بھی قسم کا کوئی عقیدہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس قدر وضاحت ہو جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عقیدہ اخذ کرتا ہے تو پہلی بات یہ کہ وہ اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے کھلم کھلا بغاوت پر اتر رہا ہے اور دوسری بات کہ ایسے شخص کا دین کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوسکتا ایسا شخص صرف اور صرف اپنی خواہشات کی ہی اتباع کر رہا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی تو پھر اکثریت نے یہ عقیدہ کیسے اخذ کر لیا کہ محمد آخری رسول و نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے یا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ نہ صرف توہین رسالت کے زمرے میں آئے گا بلکہ اس کی سزا ہر حال میں قتل ہی ہوگی اسے قتل ہی کیا جائے گا؟

اور پھر چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے یعنی خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں اس لیے ہر کسی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس عقیدے کو اختیار کرے ورنہ وہ کافر، مرتد، گستاخ رسول اور واجب القتل قرار پائے گا۔

یعنی چونکہ اکثریت اس بات کی قائل ہے اس لیے اس بات کو ماننا اس عقیدے کو اختیار کرنا لازم ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی بات کے حق ہونے یا اس کے تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت ہے اکثریت کا متفق ہونا ہے اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو پھر یہ جان لیں کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے بھی ہو بہو یہی عقیدہ اخذ کیا تھا جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ. غافر ۳۴

یہ موسیٰ نے اس وقت بنی اسرائیل کو کہا تھا جب موسیٰ کو بعث کیا گیا اور بنی اسرائیل رسولوں کا دروازہ بند کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تحقیق کہ یعنی تم اپنے گھوڑے دوڑا لواپنی تحقیق کرلو جو قدر میں کر دیا گیا وہی ہوگا اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ آ گیا تم میں تمہی سے یوسف اس سے پہلے البیّنات کیساتھ یعنی اس سے پہلے بھی نہ صرف یوسف تمہارے عقائد ونظریات کے برعکس تم میں تمہی سے آیا بلکہ جو تم کہتے ہو کہ رسول معجزات کیساتھ آتا ہے اس لیے معجزات کیساتھ آئے گا نہیں بلکہ رسول البیّنات کیساتھ آتا ہے اس لیے یوسف البیّنات کیساتھ آیا تمہاری توقعات اور خواہشات کے برعکس فَمَا زِلْتُمْ پس جو تم ذل ہوئے یعنی یوسف کے ذریعے تمہیں بلند مقام دیا تھا لیکن تم اس مقام سے آج اس مقام پر آ چکے جو کہ پستیوں کی اتھاہ گہرائیاں ہیں تم پر ذلت ومسکنت ڈال دی گئی تم عذاب مھین کا شکار ہو یعنی ایک دوسری قوم کو تم پر ایسے مسلط کر دیا گیا کہ تم انتہائی ذلیل اور حقیر ترین قوم بن چکے ہو اور یہ جو تم ذل ہوئے یعنی یہ جو تم بلند مقام سے آج اس ذلت ومسکنت والے مقام پر آ گئے تو یہ اس وجہ سے ہوا فِي شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ تم شکوک میں رہے تم نے شکوک ہی کیے جب بھی تم میں تمہی سے کوئی اللہ کا بھیجا ہوا آیا البیّنات کیساتھ یعنی جس نے بھی آ کر حق کھول کھول کر واضح کیا تمہاری حالت کی وجوہات کو تم پر کھول کھول کر واضح کیا تو تم لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس پر عمل کر کے بلندیوں پر جانے کی بجائے شکوک ہی کیے اسے دشمنوں کا ایجنٹ قرار دیا ایسے جتنے بھی آئے ان کی تکذیب کیا انہیں قتل کیا حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ یہاں تک کہ تم ہلاک ہو گئے یعنی تم پر ذلت ومسکنت ڈال دی گئی تم ذلیل ترین قوم بن گئے قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا تم نے کہا کہ اللہ یوسف کے بعد ہرگز کوئی رسول بعث نہیں کرے گا یعنی یوسف اللہ کا آخری رسول تھا اس پر اللہ نے دروازہ بند کر دیا یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے تم ہلاک ہو گئے ذلت کا شکار ہو گئے تم ذلیل ترین قوم بن گئے جو تم اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور ظاہر ہے جب اللہ کی طرف سے راہنمائی کو ٹھکرا دیا جائے گا دروازہ بند کر لیا جائے گا تو کون ہے جو تمہیں بلندیوں کی طرف لے جائے اور ذلت ورسوائی سے بچا سکے؟ پھر ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے اللہ نے قدر میں کر دیا کہ جب اللہ کی بجائے شیاطین مجرمین کو اپنا راہنما بناؤ گے تو تمہارا یہی انجام ہوگا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ بالکل اسی طرح اللہ ضل کر رہا ہے یعنی گمراہیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس امت کو آج کہا جا رہا ہے کہ جیسے بنی اسرائیل یوسف کے بعد ذل ہوئے بلندیوں سے پستیوں کی طرف جاتے جاتے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے بالکل اسی طرح اس امت کو بھی ضل کیا جا رہا ہے اور آج حقیقت آپ کے سامنے ہے مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اب اللہ کا چہیتا ہے وہ جو چاہے کرے اللہ اس سے کچھ پوچھنے والا نہیں، جو اس کے دیئے ہوئے کا غلط استعمال کر رہا ہے مس یوز کر رہا ہے جو ذمہ داری دی اس سے لاپرواہی برت رہا ہے مُّرْتَابُ جب ہم اپنے رسول کے ذریعے حق ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ دیں حق اس قدر واضح کر دیں کہ کوئی چاہ کر بھی اس کا رد نہ کر سکے اس پر واضح ہو جائے کہ یہ حق ہے لیکن اس کے باوجود وہ شکوک میں پڑا رہے اپنے بڑوں اپنے ملاؤں اپنے مفسروں اپنے آباؤاجداد کو سامنے لا رکھے کہ یہ اکیلا سچا اور باقی سب کے سب غلط ایسا کیسے ہو سکتا ہے اس اکیلے کو ہی حق سمجھ میں آ گیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو بالکل ہماری ہی طرح ہے کھاتا پیتا ہے اس کے بیوی بچے ہیں اس کو وہی تمام حاجات لاحق ہیں جو ہمیں ہیں اس لیے یہ کس طرح رسول ہو سکتا ہے؟ رسول اور وہ بھی ہمارے درمیان؟ نہیں نہیں دل نہیں مان رہا تو جو بھی ایسا کر رہے ہیں جو حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود بھی شکوک میں ہیں ان کو اللہ اس طرح گمراہ کر رہا ہے وہ لوگ حق اس قدر واضح ہو جانے کے باوجود خود گمراہی کا سودا کر رہے ہیں۔ اس آیت میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ موسیٰ کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل نے نہ صرف یوسف کو آخری رسول و نبی قرار دے کر رسالت ونبوت کا دروازہ بند کر لیا بلکہ اگر کوئی بھی اللہ کا بھیجا ہوا سامنے آتا تو اس کا کذب کرتے اسے قتل کر دیتے اور پھر تمام کے تمام بنی اسرائیل اس پر متفق تھے ان کا اس پر اجماع تھا اکثریت کا یہی عقیدہ ونظریہ تھا لیکن کیا اکثریت کا یہ عقیدہ اخذ کر لینا اور اس پر ڈٹ جانا کیا حق ثابت ہوا؟ کیا حق ہونے کی دلیل بن گیا؟

بنی اسرائیل نے بھی یہی کہا یہی عقیدہ اخذ کر لیا تھا کہ یوسف کے بعد اب کوئی رسول و نبی نہیں آئے گا رسالت ونبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور پھر پورے کے پورے بنی اسرائیل اس پر متفق ہو گئے پورے کے پورے بنی اسرائیل نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا اور جو بھی ایسی شخصیت سامنے آئی یعنی اللہ نے جسے بھی ان کی راہنمائی کے لیے کھڑا کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اس کی تکذیب کی لیکن کیا سارے کے سارے بنی اسرائیل کے اس بات پر متفق ہونے سے یہ عقیدہ اخذ

کر لینے سے اللہ کا قانون بدل گیا؟

اکثریت کے ماننے کی وجہ سے اللہ نے اپنا قانون بدل دیا؟ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہونا حق بن گیا؟ اللہ نے بھی اسے حق کا درجہ دے دیا اور ان کی خواہشات کی اتباع میں اللہ نے بھی دروازہ بند کر دیا اور پھر کوئی رسول و نبی نہ بھیجا؟ نہیں بالکل نہیں۔

تو پھر کسی بھی بات کے حق ہونے کا معیار کسی بھی بات کو تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا تسلیم کر لینا نہیں ہو سکتا اس لیے محض اس بنیاد پر یہ کہنا کہ اس عقیدے کو سچ مان لیا جائے کہ اکثریت اس بات پر متفق ہے اکثریت اسے تسلیم کرتی ہے اکثریت کا عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں یہ معیار کہاں سے آ گیا؟ یہ معیار کس نے طے کیا؟ کیا اللہ نے یہ معیار طے کیا؟

اگر کسی بھی بات کے حق و سچ ہونے کا معیار اکثریت کا اجماع ہے اکثریت کا تسلیم کرنا ہے اکثریت کا عقیدہ بنانا ہے تو پھر جتنے بھی رسول آئے ان میں سے کوئی ایک بھی سچا نہیں تھا سب کے سب جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ محمد علیہ السلام بھی جھوٹے اور باطل ثابت ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک طرف پوری دنیا کے انسان تھے اور دوسری طرف اکیلے محمد علیہ السلام۔

جس جس موضوع پر بھی محمد علیہ السلام نے لب کشائی کی اس اس موضوع پر مشرکین مکہ ہوں یا یہودی و عیسائی وہ سب کے سب محمد علیہ السلام کے خلاف اس پر متفق تھے ان کے عقائد تھے اور محمد علیہ السلام کی بعثت سے بہت پہلے سے ان میں وہ سب عقائد چلے آ رہے تھے تو کیا وہ سب کے سب سچے اور محمد علیہ السلام جھوٹے تھے غلط تھے کیونکہ اکثریت پہلے سے ہی ان کے خلاف عقائد و نظریات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

اور پھر ظاہر ہے جب ان کے بھی مختلف موضوعات پر عقائد و نظریات تھے تو انہوں نے بھی کوئی نہ کوئی بنیاد اور دلائل تو ضرور گھڑ رکھے ہوں گے جن کی بنیاد پر وہ عقائد اخذ کر کے ان پر متفق اور ڈٹے ہوئے تھے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی اکثریت کو ہی معیار حق سمجھتا ہے تو پھر دیکھیں اللہ نے قرآن میں اکثریت کے حوالے سے کیا فیصلہ سنایا۔

اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ. البقرة ۱۰۰

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو حق کو تسلیم نہیں کر رہے اکثریت حق سے کفر ہی کر رہی ہے اکثریت حق کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اسی طرح عمل نہیں کر رہی۔

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ. البقرة ۲۴۳

لوگوں کی اکثریت نہیں شکر کر رہی یعنی انہیں جو بھی دیا گیا سننے، دیکھنے، سمجھنے کی صلاحیتیں دی گئیں مال و اولاد دیا گیا، زمین میں اختیار دیا گیا یا جو کچھ بھی دیا گیا یہ ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے انہیں یہ سب دیا گیا بلکہ اس کے برعکس اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں۔

اَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ. آل عمران ۱۱۰

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو اللہ کے کلام کو بدل رہے ہیں بات کو اس کے مقام سے بدل رہے ہیں اس میں ملاوٹ کر رہے ہیں حق کو بدل رہے ہیں۔

اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ. المائدہ ۵۹

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری اکثریت فسق کر رہی ہے یعنی حق کو بدل رہی ہے۔

اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ. المائدہ ۱۰۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں سمجھ رہی یعنی ان کو سننے دیکھنے اور جو سن دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی لیکن یہ لوگ جو بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ نہیں رہے بلکہ بغیر سمجھے ہی جو سنتے اور دیکھتے ہیں وہی کر رہے ہیں۔

اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ. الانعام ۳۷

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے یہ علم نہیں رکھ رہے یعنی انہیں حق کا علم ہی نہیں ہے کیونکہ اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی۔

اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَ. الانعام ۱۱۱

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت جہل کر رہی ہے یعنی اکثریت جو بھی اعمال کر رہی ہے بغیر علم کے ہی کیے جا رہی ہے کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہے بغیر سوچے سمجھے ہی اعمال کیے جا رہے ہیں کسی کو حق کا علم نہیں جسے یہ علم کا نام دے رہے ہیں وہ علم نہیں بلکہ سو فیصد جہالت ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ. الاعراف ۱۸۷

اکثریت لوگوں کی غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے علم نہیں رکھ رہی یعنی اکثریت کو حق کا علم نہیں ہے۔

اَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ. النحل ۸۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت حق کا انکار کر رہی ہے۔

اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

لوگوں کی اکثریت جو کچھ بھی انہیں دیا ان کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر رہی ہے جس مقصد کے لیے انہیں سب دیا اور اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہی ہے یعنی انہیں سننے دیکھنے اور جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی تو اسی لیے کہ سنیں دیکھیں اسے سمجھیں اور سمجھنے کے بعد ہی کوئی عمل کریں اس وقت تک عمل کے قریب بھی نہ جائیں جب تک کہ اطمینان حاصل نہ ہو جائے لیکن زیادہ سے زیادہ لوگ ان صلاحیتوں کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہے ہیں اس کے علاوہ جو بھی انہیں دیا گیا سب کے سب کا اپنی خواہشات کے پیچھے استعمال کر رہے ہیں۔

وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. الشعراء ۸

اور یہ تو اللہ کے قانون میں ہو چکا کہ اکثریت ان لوگوں کی جو اس وقت دنیا میں آباد ہے مومن نہیں ہے یعنی اکثریت مومنین نہیں ہیں اور جب مومنین نہیں تو پھر ظاہر ہے مشرکین ہیں۔

اَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ. الشعراء ۲۲۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کذب کر رہی ہے اکثریت جھوٹوں کی ہے جو جھوٹ بول رہی ہے۔

اَکْثَرُھُمْ مُّشْرِکِیْنَ . الروم ۴۲

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت مشرکین کی ہے یعنی اکثریت مشرک ہے۔

اَکْثَرَکُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ. الزخرف ۷۸

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں اللہ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ تمہاری اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے یعنی اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے کہ حق کے سامنے آنے پر اسے تسلیم کرنے کی بجائے پھدک رہے ہو گالم گلوچ کر رہے ہو تمہیں حق تکلیف دے رہا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَ ھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلاً . الفرقان ۴۴

کیا تم جو انہیں دیکھ رہے ہو اور یہ گمان کر رہے ہو کہ اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں یہ تیری بات کو سن رہے ہیں یعنی آج جب حق کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق کو سن رہے ہیں اور کیا ہے کہ حق کو سمجھ رہے ہیں؟ نہیں ہیں یہ مگر بالکل ایسے کہ جیسے پالتو جانور ہیں جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ یہ تو ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں یعنی ان کا جانوروں سے موازنہ کرنا جانوروں کی توہین ہے کیونکہ انہیں جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ تو اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ تو گمراہ ہیں انہیں علم ہی نہیں کہ انہیں کس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اس لیے یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں کیونکہ جو حق ہے اس کا کفر کر رہے ہیں اور جو باطل ہے اسے حق کا نام دے کر جہل کر رہے ہیں یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ یہ گمراہ

ہیں اور ظاہر ہے جو خود کو ہدایت یافتہ کہے اور حقیقت میں وہ گمراہ ہو تو اسے ہدایت کیسے مل سکتی ہے ہدایت تو اسے ملے گی جو ہدایت کا طالب ہو اس لیے یہ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں۔

جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. المومنون ٧٠

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں آ گیا ان کے پاس حق یعنی ان میں انہی سے ایک بشر رسول کو بعث کیا جو ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اور ان کی اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے اکثریت کو حق تکلیف دے رہا ہے کہ حق کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. الانبياء ٢٤

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کو حق کا علم ہی نہیں پس آج جب ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق سے اعراض کر رہے ہیں یعنی حق کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہے حق کو کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. يوسف ١٠٦

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں مان رہی جو اللہ سے ہے مگر ان کی اکثریت مشرکوں کی ہے اکثریت شرک کر رہی ہے یعنی اللہ جو کہ فطرت ہے کیساتھ اس کے کاموں میں اکثریت مداخلت کر رہی ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا. يونس ٣٦

اور نہیں اتباع کر رہی ان کی اکثریت جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں مگر ظن کی اتباع کر رہے ہیں۔ ظن کہتے ہیں اسے جو سنائی دے رہا ہے دکھائی دے رہا ہے اور جو سنائی اور دکھائی دے رہا ہے اسے بغیر سمجھے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کو ظن کی اتباع کرنا کہتے ہیں تو اللہ اکثریت کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اکثریت ظن کی اتباع کر رہی ہے یعنی یہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسی کو حق تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہے ہیں حالانکہ انہیں جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی اور بار بار یہ واضح کر دیا کہ اس وقت تک کسی بھی عمل کے قریب مت جاؤ جب تک کہ اس کے بارے میں مکمل علم حاصل نہ کر لو یعنی جو سن اور دیکھ رہے ہو پہلے اسے مکمل طور پر سمجھو اس کے بعد عمل کرو لیکن اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے بغیر سمجھے اسکو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہی ہے اور ظن کی اتباع تو صرف مشرک ہی کرتے ہیں اس لیے اکثریت ہے ہی مشرکین کی۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. الانعام ١١٦

اللہ اپنے رسول کو کہہ رہا ہے اور رسول مومنوں کو کہہ رہا ہے جو اس کی دعوت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اگر تم نے بات مان لی اکثریت کی جو زمین میں ہیں تو تجھے گمراہ کر رہے ہیں اللہ کی راہ سے۔ نہیں اکثریت اتباع کر رہی مگر ظن کی یعنی اکثریت جو کچھ بھی کر رہی ہے جس کے پیچھے بھی چل رہی ہے ظن کے پیچھے چل رہی ہے اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے اسے بغیر سمجھے نہ صرف تسلیم کر رہی ہے بلکہ وہی کر رہی ہے اور نہیں ہیں یہ یعنی جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں جو بھی زمین میں ہیں مگر ان کی اکثریت جھوٹی ہے اور جھوٹوں کو ہی پسند کرتی ہے غلط و بے بنیاد باتیں کرنے والے اور ایسی باتیں کرنے والوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن بھرا پڑا ہے ایسی آیات سے اور آپ نے دیکھ لیا کہ اکثریت کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کس طرح کھول کھول کر ہر پہلو سے اپنا فیصلہ سنا دیا جس سے ان مشرکین کا ختم نبوت کے نام پر عقیدہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو گیا اور اگر حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی یہ اپنے بے بنیاد و باطل عقیدہ و نظریے پر محض اس لیے ڈٹے رہتے ہیں کہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو پھر ان کا شمار بھی اللہ کے ہاں اکثریت میں ہے جس کے بارے میں اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ حق اکثریت کے لیے ہے ہی کراہت والا اس لیے ظاہر ہے جو مشرکین ہیں ان کو حق ناگوار ہی گزرے گا ان کو حق تکلیف ہی دے گا۔

یعنی آپ کسی بھی لحاظ سے غور کر لیں یہ کہنا چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو مان لیا جائے یہ بات بے بنیاد ڈھکلی اور باطل ہے۔ آپ کچھ بھی کہیں ہم ماننے کو تیار ہیں لیکن اس وقت جب آپ اسے حق ثابت بھی کریں اس کے خلاف اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دیکر مطمئن کر دیں۔

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہی بات اللہ نے بیان کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دل کے اطمینان کے لیے یہ جاننا چاہا کہ جو حیات وجود میں آرہی ہے اس کی موت کیسے وجود میں آئی تو ربّ نے کہا کیا تم مانتے نہیں یعنی تم تسلیم نہیں کر رہے ابراہیم علیہ السلام نے جواباً کہا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے آگے سے سختی کی کہ نہیں میں اللہ ہوں میں تیرا ربّ ہوں جو کہہ رہا ہوں بس وہ آنکھیں بند کر کے ماننا پڑے گا یا پھر اللہ نے وہ سب دل کی آنکھوں سے دکھا کر ابراہیم کو مطمئن کر دیا؟ جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. البقرة ٢٦٠

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ اور تب کہا تھا جس نے کہا تھا ابراہیم ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب کہا تھا تو اس کا جواب اسی قرآن میں اس سے پچھلی آیات میں موجود ہے کہ جب ابراہیم کا نمرود سے آمنا سامنا ہوا تھا کہ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا ربّ موت کو حیات کر رہا ہے تو نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر رہا ہوں یعنی میں بھی پانی برسا رہا ہوں زمین سے نباتات اگا کر مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس کے علاوہ دیکھو میں طرح طرح کی مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس میں کون سی بڑی بات ہے اگر ربّ ہونے کی یہی دلیل ہے تو میں ہی تو ربّ ثابت ہوتا ہوں تو اس وقت ابراہیم لاجواب ہو گئے وہ اس سے آگے اسے کوئی جواب نہ دے سکے تب ابراہیم نے کہا تھا رَبِّ میرے ربّ یعنی فطرت کو کہا تھا اور کیسے اور کیا کہا تھا یہ بھی آگے واضح کر دیا گیا اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى میں کیا کر رہا ہوں؟ میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کس طرح موت وجود میں آئی یعنی وہ مواد وجود میں آیا جسے حیاء کیا جا رہا ہے یعنی یہ جو زمین پر مخلوقات وجود میں آرہی ہیں جس مواد سے یہ مخلوقات وجود میں آرہی ہیں آخر یہ مواد کہاں سے اور کیسے وجود میں آیا۔ ابراہیم اپنے ربّ سے سوال کر رہے تھے اور ربّ فطرت ہے فطرت سے کچھ بھی پوچھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی زبان سے سوال کیا جائے بلکہ فطرت سے اسی کی زبان میں یعنی عملی زبان میں بات کی جاتی ہے۔ ابراہیم فطرت کی زبان میں یعنی عملی طور پر فطرت سے پوچھ رہے تھے یعنی فطرت میں آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے کہ یہ جو زمین پر حیات وجود میں آرہی ہے جہاں تک آنکھوں سے نظر آرہا ہے یہاں تک تو پتہ چل گیا لیکن اس سے پیچھے کے جو مراحل ہیں جنہیں آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا وہ کون سے مراحل ہیں یہ مواد کیسے وجود میں آیا؟ یوں ابراہیم آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے یعنی حق واضح نہیں ہو رہا تھا بہت جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی گویا کہ آگے سے فطرت یہ کہہ رہی ہے یعنی ربّ یہ کہہ رہا ہے کہ کیوں تُو جاننا چاہتا ہے کیا جو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے تُو اسے تسلیم نہیں کرتا؟ کیا اصل ربّ جو کہ فطرت ہے کی پہچان کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟ کیا تجھے اب بھی فطرت کے ربّ ہونے پر شک ہے؟ تو ابراہیم نے اپنے عمل سے یہ جواب دیا یعنی عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہوئے غور و فکر جاری رکھا کہ نہیں ایسا نہیں ہے کہ جب میری نمرود سے بحث ہوئی تو لاجواب ہونے پر میں حق سے کفر کر رہا ہوں بلکہ میں حق کو تسلیم کر رہا ہوں لیکن میں اپنے دل کے اطمینان کے لیے جاننا چاہتا ہوں جیسا کہ یہی بات آیت میں بطور تاریخ اتاری گئی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ یعنی آگے سے فطرت نے عملی طور پر یہ کہا کہ کیا نہیں تُو تسلیم کر رہا؟ یعنی اب تک جو حق تیرے سامنے آچکا ہے کیا تُو اسے تسلیم نہیں کر رہا؟ کیا تجھے اس میں شکوک ہیں کہ یہی تیرا ربّ نہیں ہے؟ تو آگے سے ابراہیم نے بھی اپنے عمل سے ہی یہ جواب دیا کہ نہیں ایسی بات نہیں، جو حق اب تک سامنے آچکا میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ یہی میرا ربّ ہے جو ہر طرف نظر آرہا ہے لیکن میں جو آنکھوں سے نظر نہیں آرہا اسے دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں یعنی میرا دل دیکھنا چاہتا ہے۔ ابراہیم آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے یہ جو زمین پر حیات وجود میں آرہی ہے جہاں تک کانوں آنکھوں اور دماغ تک جایا جا سکتا ہے وہاں تک تو حق واضح ہو چکا تھا لیکن جہاں دماغ کی رسائی نہیں جہاں صرف دل سے ہی سفر کیا جا سکتا ہے وہاں تک نہیں جا پا رہے تھے اور پھر بالآخر جب غور و فکر جاری رکھا تو ربّ نے یعنی فطرت نے اسی وجود نے وہ حق بھی کھول کر واضح کر دیا قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ کہا پس اخذ کر چار ان میں سے جو مخصوص خلاء میں تیر رہے ہیں۔

ابراہیم نے جب اپنی ہی ذات میں غور و فکر کیا کہ میں کیسے خلق ہوا تو دیکھا کہ میں جو کھاتا ہوں اسی سے بنتا ہوں یہ زمین پر جو بھی جاندار مخلوقات ہیں وہ اسی سے وجود میں آرہی ہیں جو ان کا رزق ہے اور رزق زمین سے نباتات کی صورت میں وجود میں آرہا ہے۔ اب نباتات جس مواد سے وجود میں آرہی ہیں وہ مواد

کہاں ہے اور کیسے وجود میں آیا یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا لیکن بالآخر فطرت نے یہ راز بھی کھول دیا کہ اپنی ہی ذات میں غور کرو یہ جو جسم پر بالوں کی صورت میں نائیلون ہے یہ کہاں سے وجود میں آیا؟ ناخنوں کی صورت میں پلاسٹک ہے یہ کہاں سے آیا؟ ایسے ہی جسم جن جن عناصر سے وجود میں آیا جن میں تیل وغیرہ بھی ہے تو غور وفکر کرنے پر یہ راز کھل گیا کہ زمین میں ان کا خام مال طین یعنی خام تیل کی صورت میں موجود ہے وہ طین یعنی خام تیل چٹانوں میں وجود میں آیا اور چٹانوں میں وہ عناصر پہاڑوں سے گئے، پہاڑوں میں وہ تمام عناصر موجود ہیں اور پہاڑ اور یہ زمین کی تہیں خلاء سے آنے والے شہابیوں جو کہ الطیر ہیں یعنی خلاء میں تیر رہے ہیں ان کی بارشوں سے وجود میں آئیں تو یہ ربّ یعنی فطرت نے کہا کہ یہ جوزمین وجود میں آئی تھی تو کیسے وجود میں آئی تھی؟ خلاء میں جو الطیر ہیں یعنی جو خلاء میں تیر رہے ہیں ان کے صرررررصررررر کر کے زمین پر آنے سے زمین کی تہیں وجود میں آئیں تو کہا ان خلاء میں تیر رہے شہابیوں میں سے چار اخذ کر یعنی زمین پر جو آخری چار مراحل میں شہابیے آئے ان میں ان تمام مخلوقات کی موت تھی وہ چار اقسام کے شہابیے زمین پر جو حیات کا نظام چل رہا ہے اس کی موت ہیں فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ پس وہ چار الطیر یعنی خلاء میں تیر رہے چار اقسام کے شہابیے صررررر ہوئے تیری طرف یعنی تُو کہاں موجود ہے؟ زمین پر تو اس وقت تُو جہاں موجود ہے وہ اس طرف یعنی زمین کی طرف صرررررر کر کے آئے جیسے کوئی شہابیہ گرتا ہے یا جیسے کوئی میزائل آ کر گرتا ہے ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا جب خلاء سے آخری چار اقسام کے شہابیے زمین پر صرررر صرررر کر کے آئے تو پھر کر دیا تمام کے تمام پہاڑوں پر ان سے اجزاء یعنی یہ جوزمین پر مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں جن اجزاء یعنی عناصر سے وجود میں آ رہی ہیں وہ عناصر پہاڑوں کی صورت میں ذخیرہ کر دیئے ان عناصر کو فراہم کرنے کی ذمہ داری پہاڑوں پر عائد کر دی ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا پھر جہاں اس وقت تُو کھڑا ہے یعنی یہ جوزمین پر حیات کا نظام چل رہا ہے یہاں تک وہ مختلف مراحل طے کرتے کرتے جو کہ ان کی سعی ہے کرتے کرتے آئے اور آ رہے ہیں یعنی پہاڑوں سے وہ عناصر چٹانوں میں جاتے ہیں چٹانوں میں نیچے پانی کی شکل میں آگ ہے یعنی لاوا ہے اور اوپر برف یعنی ٹھنڈ ہے اور ان میں یہ عناصر پک پک کر خام تیل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جیسے قرآن میں ''من صلصالٍ من حماءٍ مسنون'' کہا گیا پھر وہ خام تیل زمین کی اسی چٹانی تہہ میں پوری زمین میں پھیلتا ہے نیچے لاوا ہونے کی وجہ سے وہ خام تیل یعنی طین گیسوں میں بدلتا ہے اور زمین کی اوپر والی تہوں کی طرف سفر کرتا ہے اور بالآخر ان عناصر پانی اور سورج کی توانائی سے نباتات وجود میں آئیں اور دوسری طرف جب انہیں چار اقسام کے شہابیوں سے پانی وجود میں آیا جس سے سمندر وجود میں آئے اور بارشوں کا نظام وجود میں آیا اس پانی میں انہی عناصر سے زندگی وجود میں آئی جو سعی کرتے کرتے یعنی آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنے کی کوشش کرتے کرتے یہ حیات وجود میں آئی یہ بشر وجود میں آیا وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ اور یہ کیا علم دیا؟ اس میں کچھ شک نہیں یہی اللہ تھا اللہ عزیز حکیم ہے یعنی جو عزیز حکیم ہے وہی اللہ ہے۔ یوں ربّ یعنی فطرت نے ابراہیم کو اس کے تمام تر سوالات کے جوابات دیکر ابراہیم کے دل کو مطمئن کر دیا۔

اب حقیقت آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کریں کہ اللہ کا قانون کیا ہے؟ کیا اللہ سختی کیساتھ اپنی بات منواتا ہے یا پھر سامنے والے کو مطمئن کرتا ہے اس کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ سامنے والے کے پاس کوئی سوال نہیں رہتا اور حق اس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ ماننا اس کی مجبوری بن جاتا ہے وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتا اس کے باوجود بھی وہ انکار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں رہتا بلکہ اس پر حجت ہو جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح آپ ایک بات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق ہے تو پھر آپ پر فرض ہے کہ آپ اسے حق ثابت کریں آپ ہمیں اس حوالے سے مطمئن کریں ہمارے ہر سوال کا جواب دیں یہاں تک کہ ہم لاجواب ہو جائیں اور اس بات کا حق ہونا ہم پر اس قدر واضح ہو جائے کہ ہم چاہ کر بھی اس کا انکار نہ کر سکیں۔

یہی بات آپ قرآن میں بار بار دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کی سنت اللہ کا طریقہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اللہ جب بھی کوئی بات کرتا ہے تو اپنی بات سامنے رکھنے سے پہلے قد، لقد، ولقد کے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ‌ ۚ وَمَا يَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ. البقرة ۹۹

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ . آل عمران ۱۳۷

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ

لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ آل عمران ١٦٤

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ۔ النساء ٨٠

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۔ النساء ١٧٠

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ۔ الاسراء ٨٩

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۔ الکھف ٥٤

یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں اوران میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے جب بھی اپنی بات پیش کی اپنا دعویٰ پیش کیا تو پہلے تحقیق کرنے کی دعوت دی کہ اگر اس کے مقابلے پر کہیں سے حق ملتا ہے یا کوئی اور حق ثابت ہوتا ہے تو اپنے گھوڑے دوڑا کر دیکھ لو اپنی تحقیق کر کے دیکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں یہی حق ہے۔ یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔

یعنی تم اپنی طرف سے جتنی چاہے تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو اگر کوئی ہمارے مقابلے پر حق کا دعویٰ کرتا ہے کوئی بھی حق کا دعویدار ہے تو اس کی بات سن لو اسے دیکھ لو پرکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔

جب اللہ کی سنت یہ ہے تو پھر کیا اللہ کا اسم المومن نہیں ہے؟ اللہ مومنوں کو یہی حکم نہیں دیتا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو؟ جیسا کہ آپ سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ۔ البقرۃ ١٣٨

رنگ تھا جو اختیار کرنا تھا اللہ کا رنگ ہے اور کون ہے جو احسن ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی غلامی کر رہے ہیں۔

اب اگر آپ مومن ہیں اور اپنی بات میں سچے ہیں تو لامحالہ آپ کو اللہ کا رنگ اختیار کرنا ہوگا آپ کو اپنی بات کو حق ثابت کرنا ہوگا آپ کو سامنے والے کو ببانگ دہل یہ کہنا ہوگا کہ اگر آپ کے مقابلے پر کوئی حق کا دعویٰ کرتا ہے تو اپنی تحقیق کرلو اگر تم سمجھتے ہو کہ ہم غلط ہیں ہماری بات غلط ہے تو تمہیں اسے غلط ثابت کرنا ہوگا ورنہ اگر یہ حق ثابت ہو جائے تو تمہیں ماننا ہوگی۔ اگر آپ یہ رنگ اختیار کرتے ہیں تو نہ صرف آپ مومن ثابت ہو جاتے ہیں بلکہ آپ کی بات کو کوئی غلط ثابت کر ہی نہیں سکتا وہ بات غلط ثابت ہو ہی نہیں سکتی جس کے حق ہونے کا آپ دعویٰ کریں اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو جان لیں کہ اور شرک کیا ہے؟ آپ نے اللہ کے مقابلے پر ایک الگ وجود ہونے کا دعویٰ کر دیا اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو لیکن آپ اللہ سے کفر کرتے ہوئے اس کے شریک بن رہے ہیں۔

یہاں تک آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ اگر عقیدہ ختم نبوت جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں ،اس عقیدے کے حق ہونے کی بنیاد اور دلیل اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو اس بنیاد پر یہ حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے اور نہ ہی اسے حق تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اگر آپ اپنے اس عقیدے میں سچے ہیں تو آپ کو اسے حق ثابت کرنا ہوگا جو کہ ہے ہی ناممکن۔

پھر اس کے علاوہ اللہ قرآن میں ایک اور حکم دیتا ہے اور حق کیا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت آپ دیکھ رہے ہیں۔

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ الزمر ١٨

ایسے لوگ جو خود ہی سن رہے ہیں جو بھی بات سامنے آتی ہے جو بھی حق کا دعویدار ہے ہر ایک کی بات سن رہے ہیں پس اس کے پیچھے چل رہے ہیں جس سے حسن کوئی نہیں یعنی وہ جو نہ صرف احسان کر رہا ہے کسی بھی قسم کا اجر نہیں طلب کر رہا کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا بلکہ مجھ پر تو کھول کھول کر پہنچا دینا ہے بلکہ اس سے بہتر کسی کی دعوت ہے ہی نہیں اس سے بہتر کسی کی بات ہے ہی نہیں تو جو اس کے پیچھے چل رہے ہیں اس کی اتباع کر رہے ہیں ایسے لوگ ہیں کہ ان کی راہنمائی اللہ کر رہا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں وہ جو اپنے مقصد و مشن یعنی حق کو پانے کے لیے دنیا میں جس مقصد کے لیے آئے ہیں اسے سمجھ کر پورا کرنے کے لیے اپنے الباب یعنی کانوں، آنکھوں اور دل سے معاونت حاصل کر رہے ہیں جو کسی بھی بات کسی بھی شئے کو کسی بھی نکتے کو حرف آخر سمجھ کر اسے دماغ میں ڈال کر تالا نہیں لگا لیتے بلکہ ہر لمحے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو کھلا رکھتے ہیں اگر پہلے والی بات یا نظریے میں کوئی خامی، نقص و غلطی سامنے آتی ہے یا وہ غلط ثابت

ہو جاتا ہے تو اسے فوری دماغ سے نکال کر حق کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے برعکس جو اہل العقائد ہیں ان کی راہنمائی اللہ نہیں کر رہا بلکہ ان کی راہنمائی اللہ کے دشمن اللہ کے شریک شیاطین مجرمین کر رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جو بھی حق کا دعویدار ہو کہیں سے بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو ایسا نہیں کہ اپنے کان اور آنکھیں بند کر لو بلکہ ہر کسی کی بات کو سنو جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو سنو اسے دیکھو اسے پرکھو اس میں غور کرو اور جس کی بات سب سے بہتر ہے اس کی اتباع کرو ایسا کرنے والوں کی اللہ ہدایت کر رہا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے ان کی ہدایت اللہ نہیں بلکہ اللہ کے دشمن اللہ کے شریک مجرمین شیاطین کر رہے ہیں۔

اب آپ خود غور کریں کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ آیا کہ آپ نے اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے یا پھر اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلنا ہے، اپنی خواہشات کو ہی حق کا نام دیکر اپنے آباواجداد سے جو نسل در نسل منتقل ہوا اس کی ہی نقل کرنی ہے اسی کی اتباع کرنی ہے؟ آیا آپ نے اولوا الالباب میں سے ہونا ہے یا پھر اہل العقائد میں سے؟

اگر آپ خود کو مومن کہتے ہیں اور اللہ کا حکم نہیں مانتے، زبان سے تورات دن قرآن قرآن کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عمل سے قرآن کو قرآن کی ہر بات کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں تو جان لیں یہ آپ اللہ کو نہیں بلکہ خود اپنے ہی آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں آج تکبر میں آپ یہ کر تو رہے ہیں اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں لیکن کل کو آپ کے ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہے گا۔

اگر آپ واقعتاً مومن ہیں تو آپ کو اپنے عمل سے بھی اس کو ثابت کرنا ہوگا اللہ آپ کو جو حکم دے رہا ہے اسے ماننا ہوگا اہل العقائد کی بجائے اولوا الالباب بننا ہوگا غور و فکر کرنا ہوگا جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو بغیر سنے دیکھے اس پر فتوے لگانے کی بجائے اس پر الزامات لگانے کی بجائے اس کی مکمل بات کو سننا ہوگا اسے سمجھنا ہوگا اور پھر جو احسن ہو جس سے بہتر کسی کی دعوت نہ ہو کسی کی بات نہ ہو اس کی اتباع کرنا ہوگی۔ آج وقت ہے اور یہ فیصلہ آج آپ کے اپنے اختیار میں ہے اگر آج آپ نے تکبر کیا تو کل کو دوبارہ یہ موقع آپ کو نہیں ملنے والا اس لیے انتہائی ٹھنڈے دماغ سے سوچیں غور و فکر کریں اگر آپ اللہ کی بات ماننے کی بجائے اللہ سے کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلیں گے اندھوں کی طرح ملاؤں کے پیچھے چلیں گے تو کل کو آپ کا انجام کیا ہوگا؟ آخر یہ آپ کس کو دھوکہ دیں گے؟ یہ آپ کس کا نقصان کریں گے؟

عقیدہ ختم نبوت یعنی محمد کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اس عقیدے کی بنیاد دو دلائل پر کھڑی ہے ان میں سے ایک تو یہ تھی جسے پیچھے اکھاڑ دیا گیا کہ امت محمد کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے اکثریت کا عقیدہ ہے اس لیے اسے ماننا ہر ایک پر لازم ہے اور دوسری دلیل

قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کے من گھڑت تراجم و تفاسیر ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

ان دو دلائل کی بنیاد پر ان کا یہ عقیدہ کھڑا ہے اگر ان دونوں بنیادوں کو اکھاڑ دیا جاتا ہے ان کو غلط ثابت کر دیا جاتا ہے تو ان کے اس عقیدے کی خود بخود موت واقع ہو جاتی ہے بے بنیاد اور باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ان میں سے ایک دلیل کی حقیقت تو بالکل کھول کر واضح کی جا چکی اس کی تو بنیاد ہی ختم ہو چکی یعنی ان کی پہلی دلیل جس کی بنیاد پر اس عقیدے کے سچ و حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی بنیاد تو ہم نے اکھاڑ کر رکھ دی اس دلیل کی حقیقت آپ کے سامنے چاک کر کے رکھ دی اب آتے ہیں دوسری دلیل کی طرف اور اس کی حقیقت بھی آپ کے سامنے کھول کر رکھتے ہیں اور ہر لحاظ سے ہر پہلو سے اس عقیدے کی حقیقت چاک کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے آتے ہیں قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کی طرف جو کہ قرآن کی صرف یہی ایک آیت ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہے قرآن سے صرف یہی ایک آیت ہے جس کی بنیاد پر یہ اس عقیدے کو اخذ کیے ہوئے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

اس آیت کے جو تراجم کیے جاتے ہیں جن تراجم کی بنیاد پر یہ عقیدہ اخذ کیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں سب سے پہلے وہ تراجم آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ آپ پر بالکل کھل کر یہ بات واضح ہو جائے کہ کس قدر دھوکے کیساتھ اپنے باطل عقائد ونظریات کو تقویت فراہم کرنے کے لیے تراجم و تفاسیر کی صورت قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے اس کے من چاہے تراجم و تفاسیر کر کے اپنے باطل عقائد ونظریات کو بنیادیں فراہم کی جاتی ہیں۔

تراجم۔

تمام مکاتب فکر کے نزدیک معتبر ترین اور متفقہ ترجمہ جو کہ فتح محمد جالندھری کا ہے کا کہنا ہے۔

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔فتح محمد جالندھری

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ احمد رضا خان بریلوی

(لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ابوالاعلیٰ مودودی

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ان کے علاوہ جتنے بھی تراجم ہیں تمام کے تمام تراجم کا مرکز ومحور اور معنی یہی بنتے ہیں جو ان میں آپ کو نظر آ رہے ہیں یعنی ہر ترجمے میں صرف الفاظ کے چناؤ میں فرق نظر آئے گا مفہوم ایک ہی ہوگا اور الفاظ کا چناؤ آپ کو اس لیے الگ الگ نظر آئے گا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تمام کے تمام مترجمین نے ایک دوسرے کا ترجمہ نقل کر کے ہی اپنے نام سے پبلش کروایا ہے جس سے مترجم قرآن کے لقب سے محروم رہ جائیں گے۔الفاظ کے چناؤ میں فرق کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مترجم قرآن کا لقب حاصل کیا جا سکے ورنہ تمام کے تمام تراجم کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے ایک ہی مرکز ومحور ہے۔

تراجم میں لفظ ابا کا ترجمہ والد یا باپ یعنی جنم دینے والا کیا گیا، خاتم کا معنی مہر یا آخری اور النبیّن کا ترجمہ تمام کے تمام نبی کیا گیا یعنی النبیّن جمع کا صیغہ ہے۔

سب سے پہلے آتے ہیں لفظ ابا کی طرف کہ کیا لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں؟ کیونکہ والد اور باپ ان دونوں الفاظ کے معنی جنم دینے والے کے ہیں۔عقیدہ ختم نبوت کے قائل تمام کے تمام مترجمین ومفسرین نے اس آیت میں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ جس کے معنی ہیں جنم دینے والا کے کیے ہیں تو کیا لفظ ابا کے معنی یہی ہیں؟

سب سے پہلے قرآن ہی سے کچھ اعتراضات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جو ان کے لفظ ابا کے معنی وتراجم کی حقیقت چاک کر دیتے ہیں اور ان کے تراجم ومعنی کو بے بنیاد، باطل اور غلط ثابت کر دیتے ہیں۔

مثلاً خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اللہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کرتا ہے انسانوں سے خطاب، بات کرتا ہے۔ تو اسی بنیاد پر ہم ایک اعتراض آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ کیا اللہ کو علم نہیں تھا کہ محمد کی وفات کے بعد بھی وہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کرے گا تو جب محمد کی وفات ہوگئی اس کے بعد بالخصوص آج چودہ صدیاں بعد اللہ موجودہ انسانوں کو اس قرآن کے ذریعے یہ کہہ رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں یعنی جنم دینے والے نہیں ہیں کیا ہر انسان کو نہیں علم کہ ظاہر ہے وہ والد ہو بھی کیسے سکتے ہیں جو شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا ہو وہ آج کسی کا والد کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ایسی صورت میں کیا اللہ ایسا کہے گا؟

اگر اس کے باوجود یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ ایسا کہہ رہا ہے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر ایک شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا گیا اور چودہ صدیاں بعد کوئی آپ سے کہے کہ وہ شخص جو آج سے چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا وہ تم میں سے کسی مرد کا والد نہیں کیا یہ انتہائی بے وقوفانہ وجاہلانہ بات نہیں ہے؟ کیا ایسا کہنے والے کا ذہنی توازن ٹھیک ہو سکتا ہے؟

ایسا تو صرف اور صرف وہاں کہا جا سکتا ہے جہاں ممکنات ہوں یعنی ممکن ہو تو۔ جب محمد علیہ السلام چودہ صدیاں قبل وفات پا چکے آج ان کا کسی کو جنم دینا ہے ہی ناممکنات میں سے تو پھر ایسا کہنے والا تو کوئی پاگل ہی ہو سکتا ہے جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

اور پھر اگر یہ کہا جائے کہ جی اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں تھے یعنی ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو اس بنیاد پر

بھی یہ بات یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کہلوانے والا اس بات کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے تین مردوں کو جنم دیا تھا۔
اور پھر اگر یہ بھی کہا جائے کہ جی بات بالغ مردوں کی ہو رہی ہے رجال بالغ مردوں کو کہتے ہیں تو پھر بھی یہ بات واضح ہے کہ کیا آج تک کسی نے ایسا دعویٰ کیا کہ محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد تھے جو قرآن اس دعوے کی نفی کر رہا ہے؟ جب آج تک ایسا کسی نے دعویٰ کیا ہی نہیں، ہر کسی کو علم ہے کہ تین لڑکے ہوئے لیکن بلوغت سے قبل ہی وفات پا گئے تو قرآن ایسا کیوں کہے گا؟ آخر کوئی وجہ تو ہونی چاہیے نا؟ یا پھر اللہ نے قرآن میں یہ بات بغیر کسی وجہ کے بیان کر دی؟ اگر ایسا ہے تو اللہ کا قرآن میں یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے کیونکہ اس میں اختلافات سامنے آ جائیں گے اور اللہ نے کہا کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں اختلافاً کثیرا پاتے۔ ایک طرف اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ اللہ جو بھی کرتا ہے حق کیساتھ کرتا ہے یعنی بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتا جو بھی کرتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور یہاں ایک بات بغیر مقصد کے کی جا رہی ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر قرآن ہی غیر اللہ کا کلام ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراضات تو تب اٹھائے جا سکتے ہیں کہ ماضی کا صیغہ ہے یا بالغ مردوں کی بات ہو رہی ہے جب آپ کے تراجم میں یہ بات کی گئی ہو؟ آپ کے تراجم میں تو حال کی بات ہو رہی ہے یعنی جب جب دنیا میں جو جو لوگ موجود ہیں قرآن ان سے خطاب کر رہا ہے جیسے آج جو موجود ہیں تو قرآن کا خطاب ان سے ہے۔

آپ کے تراجم میں تو بالکل واضح دوٹوک الفاظ میں موجودہ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں کہا جا رہا ہے محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

اور پھر جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ محمد علیہ السلام نے تو تین لڑکوں کو جنم دیا یعنی تین مردوں کے والد تھے تو پھر کہتے ہیں کہ یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بالغ مرد کے ہیں اور محمد علیہ السلام کے تینوں لڑکے بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اس لیے وہ کسی بالغ مرد کے والد نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ نے بالغ مرد کے والد ہونے کی نفی اس لیے کی کیونکہ اللہ نے محمد علیہ السلام پر رسالت و نبوت ختم کرنا تھی اور اگر محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد ہوتے تو پھر نبوت ختم نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ نبی کا بیٹا بھی نبی ہو سکتا ہے جیسے ماضی میں دیکھیں ابراہیم کے بیٹے پھر ان کے بیٹے اس طرح نسل در نسل نبوت چلتی رہی۔ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے اللہ نے محمد علیہ السلام کے بیٹوں کو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات دے دی۔
اگر ان کی اس بات کو اس دلیل کو مان لیا جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے محمد علیہ السلام کے لڑکوں کو وفات دے دی تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا کہ کیا اللہ کو پہلے اس بات کا علم نہیں تھا؟ کیا بچوں کو خلق کرنے سے پہلے اللہ کو علم نہیں تھا کہ نبوت کا دروازہ بند کرنا ہے اس لیے محمد کو لڑکا نہ دیا جائے؟ اور بعد میں اللہ کو یاد آیا کہ اوہ غلطی ہو گئی لڑکوں کی پیدائش نہیں ہونی چاہیے تھی کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند جو کرنا ہے اگر یہ زندہ رہے تو یہ بھی نبی بن سکتے ہیں اس لیے اب اس غلطی کو سدھار لیا جائے اور اس کے لیے ظلم کیا جائے ان لڑکوں کو موت دے دی جائے یعنی اسطرح ایک تو اللہ سبحان نہیں یہ ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بات کہ اللہ ظالم بھی ہے؟

اور جب لڑکوں کی پیدائش اور موت پر یہ بات کی جائے تو ایک نئی منطق سامنے لے آتے ہیں کہ اللہ کو علم تھا لیکن اللہ نے لڑکے اس لیے دیئے تاکہ دشمن محمد علیہ السلام کو کوئی طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس لیے اس کے ہاں کوئی لڑکا نہیں یا پھر لڑکا نہ ہونے کا طعنہ و ملامت نہ کر سکیں۔
اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب کہ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتے ہوئے اپنا قانون ہی بدل لیتا ہے؟ اور اگر اللہ کو مشرکین کی ملامتوں کی اتنی ہی پرواہ تھی تو جب مریم پر اتنا بڑا الزام لگا جب مریم کو ملامت کیا گیا زانیہ کہا گیا عیسیٰ کو حرام زادہ کہا گیا کہ یہ حرام کی اولاد ہے تب وہ اللہ کہاں گیا تھا؟ تب اللہ کو ملامت کی پرواہ نہیں تھی؟

اور اگر اس سب کے باوجود بھی ان کی بات کو مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تینوں لڑکوں نے نبی ہونا تھا؟ موت تو اس کو دی جاتی جس کے نبی بننے کی امید تھی مگر موت تو تینوں کو دے دی گئی تو باقیوں کا کیا قصور تھا؟

حالانکہ خود محمد کے الفاظ ہیں اپنے ایک بیٹے کے بارے میں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ اس سے بھی کئی باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں اول تو یہ کہ اگر محمد علیہ

السلام کے بعد نبی آنا ہی نہیں تھا نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر محمد علیہ السلام نے ایسا کیوں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا؟ حالانکہ اس کے برعکس یہ کہنا چاہیے تھا کہ اگر زندہ رہتا تب بھی نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت کا دروازہ جو بند کر دیا گیا لیکن محمد نے ایسا نہیں کہا تھا بلکہ اس کے بالکل الٹ کہا جس سے نبوت کے بند ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

پھر دوسری بات محمد کے تین لڑکے تھے مگر صرف ایک کے بارے میں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا اس کا مطلب باقی دو نبی نہیں بن سکتے تھے اور اگر لڑکوں کو موت محض اس لیے دی گئی تھی کہ کہیں زندہ رہے تو نبوت جاری رہ سکتی ہے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر اس بنیاد پر صرف اسے ہی موت دی جاسکتی تھی جس کے نبی بننے کی امید تھی نہ کہ باقیوں کو بھی موت دے دی جاتی۔

پھر اگر لڑکے اس لیے دیئے تا کہ مشرکین یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس کے ہاں لڑکا نہیں تو پھر تین تین لڑکے دینے کی کیا ضرورت تھی اس طعنے وملامت کا رد تو ایک ہی لڑکے سے ہوسکتا تھا اس کے باوجود تین لڑکے کیوں دیئے؟

یوں آپ نے جان لیا کہ آپ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے جتنے بھی جتن کر لیں نہ صرف وہ جھوٹ چھپ نہیں سکتا بلکہ اسے چھپانے کے لیے یا اسے حق ثابت کرنے کے لیے جو بھی جتن کریں گے وہ سب کا سب بھی باطل وخرافات ہی ہوں گی جن کو آپ اپنے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو حق ثابت کرنے کے لیے بطور دلائل پیش کرتے ہیں ان کی تو اپنی کوئی بنیاد نہیں تو وہ دلائل کیسے بن سکتے ہیں۔

بڑھتے ہیں آگے اور لفظ ابا کے ان کے تراجم پر قرآن سے ایک اور ایسا اعتراض سامنے لاتے ہیں جو نہ صرف لفظ ابا کی کھول کر وضاحت کر دیتا ہے بلکہ ان کی من گھڑت کہانیوں کی بنیادیں ہی اکھاڑ دیتا ہے۔

سورت الحج کی آیت نمبر ۷۸ میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بعد آنے والے ہر دور کے لوگوں کا ابا قرار دیا جیسا کہ آیت آپ کے سامنے ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی۔

اللہ انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بنانے کا حکم دے رہا ہے اور مومن وہ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بناتے ہیں۔ اب ذرا غور کریں اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو آپ کا بھی ابا قرار دیا گیا تمام انسانوں کا ابا قرار دیا گیا تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانوں کو جنم دیا وہ تمام انسانوں کے والد باپ ہیں؟؟؟

اگر نہیں تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں ہاں البتہ والد کو بھی ابا کہا جاسکتا ہے لیکن تب جب وہ ابا ہوگا۔

اب اس کے باوجود اگر لفظ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے کیے جاتے ہیں تو لامحالہ آپ کو یہی معنی یہاں اس آیت میں بھی کرنا ہوں گے اگر تو یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے کیے جاسکتے ہیں تو پھر وہاں بھی یہی معنی لیے جائیں گے کسی کو بھی اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی اعتراض کر سکے گا لیکن اگر یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے نہیں کیے جاسکتے تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والا نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔

یہی لفظ ابا قرآن میں مزید بہت سے مقامات پر آیا ہے آپ دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ اگر لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں تو کیا ان تمام مقامات پر بھی اس کے یہی معنی کیے جاسکتے ہیں اگر ممکن ہے تو پھر آپ خود بھی کوشش کر کے دیکھیں اور اگر ممکن نہیں تو پھر یہ بات جان لیں کہ کسی بھی صورت لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں۔

قرآن میں جن مقامات پر لفظ ''اب'' کا استعمال کیا گیا وہ آپ کے سامنے ہیں۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا. البقرة ۱۳۳

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ . البقرة ۱۷۰

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا. البقرة ۲۰۰

وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. النساء ۲۲

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ. المائده ۱۰۴

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ . الانعام ۱۴۸

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ. الاعراف ۲۷

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَ نَا. الاعراف ۲۸

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ. الاعراف ۷۰

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ. الاعراف ۷۱

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْ نٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ. الاعراف ۹۵

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. الاعراف ۱۷۳

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ. یونس ۷۸

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ. هود ۶۲

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ. هود ۸۷

فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ. هود ۱۰۹

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ. یوسف ۳۸

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ. ابراهیم ۱۰

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ. النحل ۳۵

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ. الانبیاء ۴۴

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآئَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ. الانبیاء ۵۳

قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. الانبیاء ۵۴

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَ هُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ. المومنون ۶۸

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ . المومنون ۸۳

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الشعراء ٢٦

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. الشعراء ٧٤

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ. الشعراء ٧٦

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ. النمل ٦٧

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. النمل ٦٨

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ. القصص ٣٦

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ. لقمان ٢١

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ. سباء ٤٣

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ. يٰس ٦

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الصافات ١٧

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَ هُمْ ضَآلِّيْنَ. الصافات ٦٩

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الصافات ١٢٦

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ. الزخرف ٢٢

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ. الزخرف ٢٣

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ. الزخرف ٢٤

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ. الزخرف ٢٩

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الدخان ٨

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الدخان ٣٦

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الجاثيه ٢٥

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى . النجم ٢٣

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الواقعه ٤٨

یہ قرآن سے چند آیات ہیں ان تمام آیات میں لفظ ابا کا استعمال ہوا ہے ان میں سے کسی آیت میں بھی آپ لفظ ابا کے معنی والد یا باپ نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن ان معنوں کو قبول نہیں کرے گا یعنی یہ آیات اس معنی کو مسترد کر دیں گی اور جب آپ ان آیات میں غور کریں تو ان آیات میں مومنوں کے لیے جو صالحین ہیں انہیں ان کے ابا قرار دیا اور جو مشرکین ہیں جو فساد کرنے والے ہیں ان کے ابا ان قوموں کو ان لوگوں کو قرار دیا گیا جو الاولین تھے جو زمین میں فساد کرنے کے سبب ہلاک ہوئے جس سے یہ آیات خود ہی لفظ ابا کی وضاحت کر دیتی ہیں کہ جس کی ملت پر آپ چلیں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جس کی سنت طریقے پر آپ چلیں گے اپنی زندگی گزاریں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا۔

اب آتے ہیں لفظ ابا کے اصل معنی کی طرف اور حقیقت آپ پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَا كَانَ اللہ نے قانون میں ہی نہیں کیا مُحَمَّدٌ محمد جب تک موجود تھا اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ ابا کسی ایک کا بھی تمہارے بالغ با اختیار مردوں سے وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور لیکن رسول تھا یعنی بھیجا ہوا تھا اللہ کا اور تمام کے تمام بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول خاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ یا بالکل آسان الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ نہیں تھے محمد ابا کسی ایک کے بھی تمہارے با اختیار بالغ مردوں سے اور لیکن اللہ کے رسول تھے اور خاتم النبیّن تھے۔

اس آیت میں انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ کیوں کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی با اختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟ اللہ نے ایسا کیوں کہا؟ اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اسے تب تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ لفظ ابا کو نہ سمجھ لیا جائے۔ آج تک جتنے بھی تراجم و تفاسیر کیے گئے اور جن لوگوں نے بھی قرآن کو بیان کرنے کا دعویٰ کیا تو ان کی اکثریت ایسی ہے کہ انہوں نے لفظ ابا کا معنی والد یا باپ کر دیا۔

والد لفظ عربی کا ہے جو اردو میں استعمال ہوتا ہے اور باپ لفظ اردو کا ہے یہ دونوں الفاظ والد اور باپ اردو میں جنم دینے والے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اردو میں لفظ ابا بھی استعمال ہوتا ہے اور لفظ ابا کو بھی جنم دینے والے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ غلط العام ہے اسی وجہ سے قرآن میں اس آیت میں لفظ ابا کو والد، باپ کے معنی میں لے لیا گیا جس سے بہت بڑا نقصان ہوا۔

اللہ نے اسی قرآن میں قرآن کو الحکیم کہا جیسا کہ درج ذیل آیت میں واضح ہے۔

وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ. یٰس ۲

قرآن اللہ کا کلام ہے جب اللہ الحکیم ہے نہ صرف الحکیم بلکہ العزیز الحکیم تو پھر اللہ کا کلام کیسے العزیز الحکیم نہیں ہو سکتا؟ پھر لا محالہ اللہ کا کلام قرآن بھی العزیز الحکیم ہے۔

حکیم حکم سے ہے جس کے معنی ہیں کیا، کب، کہاں، کیوں، کیسے، کتنا اور کس لیے وغیرہ سمیت سوالات کے جوابات کا علم ہونے کو یعنی اگر کوئی کام کرنا ہے تو کب کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کیوں کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کس لیے کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کتنا کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا۔

حکیم کے معنی کیا ہیں ہم ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ نے کوئی مشین بنانی ہے تو اس کے لیے جو جو کچھ درکار ہو گا وہ علم کہلائے گا اور اس علم کا استعمال کب کتنا کہاں کیسے اور کیوں کیا جائے کہ بہترین مشین تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی علم کا کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کیا جائے کہ مطلوب حاصل ہو جائے اسے عربی میں حکمہ کہتے ہیں جس میں حکمہ ہو اور اسے استعمال کر رہا ہو تو اسے حکیم کہا جائے گا۔ جتنے بھی حکیم ہیں ان میں جو خاص ہو وہ الحکیم کہلائے گا۔

اسی طرح ایک اور مثال لے لیتے ہیں مثلاً آپ کو کھانا بنانا ہے تو کھانا بنانے کے لیے کیا کیا اور کتنا کتنا چاہیے یہ علم کہلائے گا اور اس علم کا ایسا استعمال کہ مطلوبہ بہترین کھانا تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی کب آگ جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کب گھی ڈالنا ہے اسی طرح کب کب کیا ڈالنا اور کتنا کتنا پکانا ہے یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ کھانا بن جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے اور جس میں حکمہ موجود ہو وہ حکیم کہلاتا ہے اور اگر لفظ حکیم کے ساتھ الف لام کا استعمال ہو جائے جس سے الحکیم بن جاتا ہے عربی میں الف لام کسی شیئ کو مخصوص کرنے یا منفردیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن الحکیم ہے یعنی قرآن میں اللہ نے جو جو الفاظ استعمال کیے ان میں اور ان کی ترتیب وغیرہ میں انتہا درجے کی حکمت پوشیدہ ہے۔ جیسے اس آیت میں لفظ ابا استعمال کیا گیا تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر اس آیت میں جنم دینے والے کا ذکر کیا جاتا تو اس کے لیے لفظ ولد کا استعمال کیا جاتا مگر یہاں لفظ ولد کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ابا کا استعمال کیا گیا اگر قرآن کو پڑھتے، سمجھتے اور اس میں غور و فکر کرتے وقت ان باتوں کا خیال نہیں رکھیں گے الفاظ کے استعمال کو معمولی سمجھیں گے اور لاپرواہی کا مظاہرہ کریں گے الفاظ میں رائی برابر بھی تبدیلی کریں گے زیر زبر تک کے فرق کو نظر انداز کریں گے الفاظ کی ترتیب کو نظر انداز کریں گے تو بلاشک و شبہ یہ عمل قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر ہوگا قرآن اللہ کا کلام ہے تو لا محالہ عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہوگا۔

جولوگ اللہ کے رکھے ہوئے فرق کونظر انداز کرتے ہیں اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں وہ فاسق کہلاتے ہیں اور فاسقوں کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں۔ظاہر ہے جب آپ بات کواس کے مقام سے بدل دیں گے اس میں تبدیلی کر دیں گے یا اس میں رائی برابر بھی فرق نظر انداز کریں گے تو آپ اصل نتیجے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ آپ کبھی بھی اصل نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

اللہ نے آیت میں لفظ ابا کا استعمال کیا مگر آج تک قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کرتے ہوئے اس کا معنی ہی بدل دیا گیا اور نہ ہی اس لفظ کو کوئی اہمیت دی گئی۔ ابھی تو ہم اس ایک لفظ کی بات کر رہے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کی کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا گیا ہو۔ ہر لفظ اور ہر آیت میں قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کیا گیا ذرا برابر بھی اس بات پر توجہ نہ دی گئی کہ اللہ نے اگر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں تو ان کے استعمال کا آخر کوئی نہ کوئی مقصد تو ضرور ہوگا۔

اس آیت میں یہ نکتہ انتہائی قابل توجہ اور غیر معمولی ہے کہ اللہ نے محمد علیہ السلام کے بارے میں یہ کیوں کہا کہ وہ تمہارے رجال یعنی با اختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟

ابا کہتے ہیں جس کی تربیت پر چلا جائے مثلاً ایک شخص اس کو جنم دینے والا یعنی اس کا والد وفات پا جاتا ہے یا وہ اپنے بچے کی تربیت نہیں کرتا تو جو بھی شخص اس بچے کی تربیت کرے گا جس کی تربیت پر بچہ چلے گا وہ اس کے لیے اس کا ابا کہلائے گا۔اگر ایک شخص نہ صرف بچے کو جنم دیتا ہے بلکہ اس کی تربیت بھی کرتا ہے تو وہ اس کا والد ہی نہیں بلکہ ابا بھی کہلائے گا۔

اور کوئی بھی شخص بچے کی وہی تربیت کرتا ہے جو وہ خود ہوتا ہے بچہ اس کے کردار کو نقل کرتا ہے تو کسی شخص کا کردار یعنی جس طرح وہ دنیا میں زندگی گزارتا ہے کیا کیا کیسے کیسے کرتا ہے اس کے زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ عربی میں ملت کہلاتی ہے۔

جس کی ملت پر چلا جائے گا وہ آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جسے آپ اپنے لیے رول ماڈل بناؤ گے عربی میں وہ آپ کا ابا کہلائے گا اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے یہ کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی بالغ خودمختار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے یعنی تم میں سے کسی ایک مرد کے لیے بھی ایسا نہیں کہ وہ محمد کی ملت پر چلے یعنی محمد کو اپنا ابا بنائے کیونکہ تمہارے ابا یعنی وہ شخصیت جس کی ملت پر چلنا ہے جسے تمہارے لیے رول ماڈل بنایا ہے وہ محمد نہیں کوئی اور ہے اور اللہ نے پورے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیا کہ وہ ہیں تمہارے ابا اور وہ شخصیت ہے ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ رہے ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ٧٨

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم ہیں۔

اور اسی لیے اللہ نے بار بار ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. البقرة ١٣٥

وَقَالُوْا اور کہہ رہے ہیں یعنی آج جب آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو ہر کوئی آپ کو یہ کہتا ہوا نظر آئے گا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ کیا اور وہ جو ان کی نصرت کر رہے ہیں اگر تم ان میں سے ہو رہے ہو تو تم ہدایت پا رہے ہو ورنہ تم ہدایت نہیں پا رہے بلکہ گمراہ ہو۔

آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو آپ کو انسانوں میں دو بنیادی گروہ نظر آئیں گے ایک وہ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ اور دوسرے وہ ہیں جو اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل کر ان کی تعداد بڑھا کر اور انہیں چندے دیکر ان کی نصرت کر رہے ہیں اور یہ دونوں طرح کے لوگ طرح طرح کے فرقوں میں تقسیم ہیں تو جو مشرک ہوتا ہے وہ ان کا شکار ہو جاتا ہے اور جو مومن ہوتا ہے وہ ان کی اتباع کرنے کی بجائے ان کی طرح فرقہ پرست مشرک بننے کی بجائے انہیں یہ جواب دیتا ہے جو اسے اللہ کہہ رہا ہے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا کہہ نہیں تم سچے نہیں ہو یہ حق نہیں ہے یہ وہ ملت نہیں ہے جس پر تم چل رہے ہو اور مجھے بھی اس پر چلنے کا کہہ رہے ہو لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے رہے ہو بلکہ حق تو یہ ہے کہ ملت تھی ابراہیم کی ہر طرف سے ہر لحاظ سے کٹ کر یک رخ ہو کر قائم

ہونا دین کے لیے اور دین تھا فطرت وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور جو اس طرح ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ملت ابراہیم کی اتباع کرتا ہے تو وہ نہیں مشرکین میں سے کیونکہ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھا۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. آل عمران ۹۵

کہہ سچ وہ ہے جو اللہ کہہ رہا ہے اور اللہ وہ نہیں کہہ رہا جو تم لوگ کہہ رہے ہو تم لوگ فرقہ در فرقہ تقسیم ہو اور اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چل رہے ہو جس پر تم لوگوں نے انہیں پایا اسی پر چل رہے ہو اور تم میں سے ہر کسی کا یہی دعویٰ ہے کہ ہمارے فرقے میں آ جاؤ یہی حق ہے اور باقی سب باطل ہے تو یہ حق نہیں ہے یہ سچ نہیں ہے تم لوگ سچے نہیں بلکہ اللہ سچ کہہ رہا ہے اللہ ہے جو سچا ہے اللہ کی بات سچی ہے اور اللہ کی بات یہ ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے پس اتباع کرو ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر اور ابراہیم نہیں تھا مشرکین میں سے تو جو بالکل ابراہیم کی طرح اس کی ملت پر چلے گا تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چلے گا یا اپنا رخ دین جو کہ فطرت تھی سے اِدھر اُدھر کرے گا تو وہ مشرکین میں سے ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا. النساء ۱۲۵

اور کون سا دین احسن ہے اس دین سے کہ اپنے رخ کو الہ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیا جائے اور جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یعنی جو کہ اللہ کا وجود ہے اس میں دیکھو ہر کوئی احسان کر رہا ہے تو جو بھی اپنا رخ الہ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیتا ہے تو وہ محسن ہے اور اس نے اتباع کی ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر اور اخذ کیا اللہ نے ابراہیم کو خلیل یعنی جو بھی ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے ہر طرف سے کٹ کر تو اللہ اسے اپنا خلیل اخذ کر لیتا ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. الانعام ۱۶۱

کہہ اس میں کچھ شک نہیں میں جو بھی کر رہا ہوں جس دین پر چل رہا ہوں میری ہدایت میرا ربّ کر رہا ہے ان لائنوں کی طرف جو قائم کرنے والی ہیں ایک ہی دین ہے جس پر قائم ہونا ہے ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر وہ ملت تھی ابراہیم کی اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے اور نہ ہی وہ مشرک ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ملت ابراہیم پر چل رہا ہو۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. النحل ۱۲۳

پھر کیا کیا ہم نے؟ وحی کی ہم نے تیری طرف کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ ملت تھی ابراہیم کی، ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے یعنی ابراہیم نے اپنا رخ رائی برابر بھی اپنے ربّ سے نہیں ہٹایا اپنے دین سے نہیں ہٹایا تو جو بھی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو بھی ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چل رہے ہیں تو وہ سب کے سب مشرکین میں سے ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ. البقرة ۱۳۰

اور جو چاہتا ہے، خواہش کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، طالب ہوتا ہے، حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے، جو اسے دیا گیا اس کا استعمال کرتا ہے، اپنا رخ کسی کی طرف کرتا ہے ابراہیم کی ملت کے برعکس کسی کی بھی طرف مگر وہی ایسا کرتا ہے جس کا دماغ کام نہیں کرتا جو بے وقوف ہے اور تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو یہی بات تمہارے سامنے آئے گی جو ہم کہہ رہے ہیں جو کہ قدر میں کر دیا گیا کہ عالمین میں سے ان کو چن لیا گیا دنیا میں جو ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہر طرف سے کٹ کر ملت ابراہیم کی اتباع کرنے والا آخرت میں بھی اس کا مقام و مرتبہ درجہ صالحین میں سے ہوگا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ پورے قرآن میں اللہ نے کہیں پر بھی محمد کی ملت کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ نے تو ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم کو بنایا گیا اور محمد تو محض رسول تھا یعنی محمد تو آ کر کھول کھول کر واضح کرنے آیا تھا کہ ابا ابراہیم کی ملت ہے کیا کیونکہ اس وقت ضلالٍ مبینٍ تھیں کسی ایک کو بھی حق کا علم نہیں تھا تو اللہ نے محمد کو کھڑا کیا تا کہ محمد کے ذریعے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کر دیا جائے ان کے سامنے محمد کی صورت میں عملی طور

پر ابراہیم کی ملت کو واضح کر دیا جائے۔
اب حقیقت آپ کے بالکل سامنے ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان شیاطین مجرمین نے اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کس طرح اس آیت کے پہلے حصے کیساتھ کھلواڑ کیا۔
اور اب آتے ہیں آیت کے اگلے حصے کی طرف جس میں لفظ خاتم النبیّن کا استعمال ہوا اور جو ان کے اس عقیدے کی سب سے بڑی اور اہم دلیل ہے جس کی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ محمد آخری رسول و نبی تھا اس کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰
نہیں تھا جب تک محمد دنیا میں موجود تھا ابا کسی ایک کا بھی تمہارے خود مختار مردوں میں سے اور لیکن رسول تھا اور خاتم النبیّن تھا۔
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. آیت کے اس حصے میں لفظ رسول کی ل پر زبر کا استعمال ہوا ہے جو کہ اس لفظ کو ماضی کا صیغہ بنا دیتی ہے رسولَ جس کے معنی بنتے ہیں وہ رسول جو گزر چکا، رسول تھا یعنی ماضی کے رسول کی بات ہو رہی ہے۔ آگے اس آیت کے آخر میں دو الفاظ ہیں جو ان کے عقیدے کی اصل بنیاد ہیں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.
خاتم النبیّن کا ترجمہ کیا جاتا ہے نبیوں کے خاتمے پر، نبیوں کو ختم کر دینے والے، نبیوں کے آخری یا نبیوں کی مہر وغیرہ۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام کے تمام تراجم یا ان میں سے کوئی ایک بھی ترجمہ ٹھیک ہے؟
کسی بھی لفظ کا کوئی بھی ترجمہ یا معنی کیا جائے اور کہا جائے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا مگر یہ دیکھا جائے گا کہ ایسا کہنے والا کون ہے؟ کیونکہ کوئی بات کرے اور اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے یہ حق صرف اور صرف ایک ہی ذات کو حاصل ہے اور وہ ہے وہ ذات جس نے وجود دیا۔ اور وہ ذات جب انسانوں سے بات کرتی ہے تو اس طرح بات کرتی ہے جیسے اس کا قانون ہے۔ انسان چونکہ بشر ہیں تو وہ ذات انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کر کے اس بشر کے ذریعے انسانوں پر حق واضح کرتی ہے اپنی بات پیش کرتی ہے جسے رسول کہا جاتا ہے۔
یعنی جتنے بھی بشر ہیں ان میں سے کوئی بھی کوئی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بات کو مان لو کیونکہ میں جو کہہ رہا ہوں حق ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بات مان لی جائے؟ یعنی کیا وہ اللہ کا رسول ہے وہ اسی ذات کا نمائندہ ہے اسی ذات کی نمائندگی کر رہا ہے جس نے وجود دیا؟ اگر تو وہ اس کا نمائندہ یعنی رسول ہے تو بلا شک و شبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے اسی ذات نے یعنی اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر واضح اور دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ رسول بھیجتا ہے البیّنات کیساتھ جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ. المائدہ ۳۲
اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کروا پنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا آئے ان میں انہی میں سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی جو بھی رسول آیا ت تو وہ معجزات کیساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ آیا اس نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔
اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. التوبۃ ۷۰
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ. یونس ۱۳
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ. یونس ۷۴
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. الروم ۹
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. الروم ۴۷

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ. فاطر ۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. غافر ۲۲

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. غافر ۸۳

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ. التغابن ۵، ۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ. الحدید ۲۵

یہ چند آیات ہیں جن میں بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ رسول البیّنات کیساتھ آتے ہیں اور ہر رسول البیّنات کیساتھ بھیجا گیا یعنی اللہ جو بھی رسول بھیجتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ آتا ہے اور کوئی بھی بات کہتا ہے کہ جی میں رسول ہوں میری بات کو مان لو نہیں بلکہ رسول تو البیّنات کیساتھ آتے ہیں۔ بیّنات بیّن کی جمع ہے اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات کسی بھی شئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا اس کا انگ انگ بالکل واضح کھلا ہوا ہونا۔

رسول آتے ہیں البیّنات کیساتھ یعنی رسول جو بھی بات کرتے ہیں تو وہ اپنی بات کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کم سے کم عقل والے پر بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اس کا رد ناممکن ہے اس کے باوجود وہ تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اس پر منحصر ہے کہ اگر وہ تسلیم نہیں کرتا تو کن وجوہات کی بنا پر نہیں کرتا۔ لیکن رسول جو بھی بات کرتا ہے وہ اس قدر کھول کھول کر واضح کرتا ہے کہ کسی کا بھی اس پر کوئی سوال نہیں رہتا، کل کو کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیوں مان لی جاتی بات، اس وقت اس کے سچا ہونے کی کیا گارنٹی تھی۔

اس لیے اگر تو بات پیش کرنے والا رسول ہے تو پھر کوئی جتنے جی چاہے سوالات اٹھالے بالآخر اسے لاجواب ہونا پڑے گا رسول کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ میں کہہ رہا ہوں بس اسی بنیاد پر تم بات مانو بلکہ رسول جو بھی بات کرے گا وہ ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کرے گا وہ تسلیم نہ کرنے والوں کے لیے حجت بن جائے گا کل کو کوئی بھی تسلیم نہ کرنے پر عذر یا بہانہ پیش نہیں کر سکے گا۔

اور اگر بات کرنے والا رسول نہیں ہے تو پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کی جا سکتی جب تک کہ وہ اپنی بات کو حق ثابت نہ کر دے، جب تک کہ وہ سامنے والوں کو مطمئن نہ کر دے۔ اگر وہ اپنی بات کو سچا ثابت کر دیتا ہے سامنے والوں کو مطمئن کر دیتا ہے سامنے والوں پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ واقعتاً اس کی بات حق ہے اس کا رد نہیں کیا جا سکتا تو پھر بلاشک وشبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنی بات پیش کرنے والا رسول بھی نہیں ہے اور وہ اپنی بات کو سچا ثابت بھی نہیں کرتا، سامنے والوں کے سوالات کے جوابات نہیں دیتا انہیں مطمئن نہیں کرتا اعتراضات دور نہیں کرتا تو پھر اس کی بات کیونکر تسلیم کی جائے گی؟ اگر وہ کوئی بات کرتا ہے اور اپنی زبان سے اس کے سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اسے سچا ثابت نہیں کر سکتا سامنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتا ان کے اعتراضات وسوالات کے جوابات نہیں دیتا بلکہ الٹا وہ زبردستی دوسروں پر اپنی بات مسلط کرنا چاہتا ہے تو پھر آخر اس کی اوقات کیا ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیوں اس کی بات کو مان لیا جائے کیا وہ اللہ ہے؟ وہ اللہ ہے کہ اس کی وہ بات بھی مان لی جانی چاہیے جو عقل میں نہ بھی آ رہی ہو؟

اگر وہ اللہ نہیں تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جا سکتی اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بات کو سچا ثابت نہیں کر دیتا۔

تو اس آیت کے یہ جو تراجم، معنی ومفہوم کیے جاتے ہیں ایسے تراجم کرنے والے کیا اللہ کے رسول ہیں؟ جو آنکھیں بند کر کے ان کے ان تراجم وتفاسیر کو تسلیم کر لیا جائے؟ اگر نہیں تو پھر ان کو اپنے ان تراجم وتفاسیر کو سچا ثابت کرنا ہوگا، ان کو سامنے والوں کو مطمئن کرنا ہوگا، ان کے تراجم وتفاسیر پر اٹھنے والے اعتراضات و سوالات کے جوابات دیکر اپنی بات کو سچا ثابت کرنا ہوگا اگر ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو بلاشک وشبہ ایسے لوگ بے بنیاد اور باطل ہیں۔

آتے ہیں ان میں سے پہلے لفظ ''خاتم'' کی طرف۔

اس لفظ کو ہم مختلف پہلوؤں سے آپ پر واضح کر دیتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں سب سے پہلے آتے ہیں براہ راست اس لفظ کی طرف۔

عربی میں ختم ایک نہیں بلکہ دوطرح کا ہے۔ایک ہے لفظ ختم یعنی ''خ ت م'' ختم اور دوسرالفظ ہے ''خ ط م'' خطم۔ ان دونوں الفاظ کو جب بولا جائے تو کوئی بڑے سے بڑا عرب بھی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان میں سے کون سا ''ت'' والا ختم ہے اور کون سا ''ط'' والا خطم ہے اس وقت تک کہ ان الفاظ کو کسی پس منظر کے تحت بولا نہیں جاتا اور پس منظر واضح کرے گا کہ یہاں ''ت'' والا ختم ہے یا پھر ''ط'' والا خطم۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں صرف ایک چھوٹے سے اور معمولی سے فرق کے علاوہ۔

یعنی مثال کے طور پر اگر آپ لفظ ختم کے معنی آخری کریں یا جو بھی معنی کریں تو آپ کو لامحالہ یہی معنی ''ط'' والے خطم کے بھی کرنا پڑیں گے۔ یعنی ان دونوں الفاظ میں جس ایک لفظ کے آپ جو بھی معنی کریں لامحالہ دوسرے لفظ کے معنی بھی آپ کو وہی کرنے پڑیں گے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی لفظ کی معمولی سے فرق کی وجہ سے دوصورتیں ہیں۔

مثلاً آپ قرآن میں دیکھتے ہیں ایک لفظ ''اتینا'' جس کا معنی کیا جاتا ہے ''دیا ہم نے'' آپ اسے قرآن کی متعدد آیات میں دیکھ سکتے ہیں جن میں سے چند آیات درج ذیل ہیں جن میں یہ لفظ بالکل واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ. البقرة ۵۳

اور تب دی ہم نے موسیٰ کو الکتاب اور دیا الفرقان۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. الحجر ۸۷

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے ساتویں میں سے سات ایک دوسرے کے بعد آنے والے سے اور ایسا القرآن کہ اگر اس القرآن کو نکال دیا جائے تو پیچھے القرآن کی اہمیت وحیثیت بالکل ایسی ہی رہ جائے گی جیسے کہ جسم سے تمام کی تمام ہڈی نکال لینے سے پیچھے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. النمل ۱۵

اور تحقیق کہ دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم۔

اس کے علاوہ یہی لفظ ''ت'' کی بجائے ''ط'' سے بھی آیا ہے جیسے کہ آپ اسے درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. الکوثر ۱

اس میں کچھ شک نہیں دیا ہم نے تجھے الکوثر۔

آپ نے دیکھا ایک ہی لفظ ہے جو کہ ''ت'' سے بھی ہے اور ''ط'' سے بھی اور یہ فرق ایک معمولی سے فرق کو واضح کرنے کے لیے ہے بالکل ایسے ہی لفظ ختم ''ت'' سے ہو یا ''ط'' سے دونوں الفاظ ایک ہی لفظ کی دوصورتیں ہیں دونوں کا ایک ہی معنی ہے صرف ایک معمولی سے فرق کیساتھ۔

اب آپ لفظ ختم جو ''ت'' والا ہے اس کا جو جی چاہے معنی کرلیں اس پر کسی بھی قسم کی بحث کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہم آپ کے اس معنی کو ماننے کے لیے بالکل تیار ہیں اس پر کسی بھی قسم کی کوئی بحث نہیں کریں گے لیکن اس شرط پر کہ ہم آپ کے سامنے لفظ خطم ''ط'' والا رکھیں گے اور آپ سے کہیں گے کہ آپ جو معنی ''ت'' والے ختم کا کررہے ہیں وہی معنی اس کو پہنا کر ثابت کریں اگر تو آپ وہ معنی ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت کردیتے ہیں تو ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے آپ کے بیان کردہ معنی کو کھلے دل سے تسلیم کرلیں گے ورنہ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر جان لیں کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے لفظ ختم کے معنی وہ نہیں ہوسکتے جو معنی آپ ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت نہیں کرسکتے۔

اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں بجائے یہ کہ ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے معنی پر بحث کریں ہم پہلے ''ط'' والے خطم کے معنی کو جان لیتے ہیں جو معنی ''ط'' والے خطم کا سامنے آجائے وہی معنی ''ت'' والے ختم کا بھی ہوگا۔

آپ کسی بھی عرب دان سے سوال کرلیں کہ ''ط'' والے ختم کا معنی کیا ہے تو وہ آپ کو کہے گا کہ محمد علیہ السلام کے وقت عرب بہت سی اشیاء کے لیے لفظ خطم کا استعمال کرتے تھے خود محمد علیہ السلام نے بھی یہ لفظ کئی مواقع پر استعمال کیا، مثلاً عرب جب دھول مٹی سے بچنا چاہتے تو اس غرض سے وہ اپنے ناک اور منہ کو

کپڑے سے ڈھانپ لیتے جسے عربی میں خطم کہا جاتا تھا اسی طرح جانوروں کو گند کھانے سے بچانے کے لیے یا فصلوں کو کھا کر خراب نہ کریں یا جانوروں کے بچے ماں کا دودھ نہ پی سکیں اس مقصد کے لیے ان کے منہ پر جو ماسک یا چھکا سا چڑھا دیا جاتا تھا اسے خطم کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر ایک نہر میں پانی بہہ رہا ہو اور اس میں بہت سا گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہوں اور آپ کی چاہت یہ ہو کہ اس سے آگے صرف پانی ہی جائے گا اس کے علاوہ کچھ بھی آگے نہیں جائے گا تو اس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا جاتا جسے خطم کہا جاتا تھا۔

یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں اب فیصلہ آپ خود کریں کہ لفظ خطم کے معنی کیا ہیں؟ کیا لفظ خطم کے معنی چھننی کے نہیں بنتے جسے آپ انگلش میں فلٹر کہتے ہیں۔ فلٹر یعنی آپ نے طے کرنا ہے کہ اس مقام سے آگے کیا جا سکتا ہے اور کیا نہیں جا سکتا۔ ذرا غور کریں عرب جب دھول مٹی سے بچنے کے لیے ناک منہ پر کپڑا چڑھا لیتے تو کیا یہ فلٹر نہیں کہ اس میں سے سانس لینے کے لیے آکسیجن تو گزرے مگر دھول اور مٹی وغیرہ نہ گزر پائے۔

جانوروں کے منہ پر ماسک کیا فلٹر نہیں کہ اس میں سے وہ پانی تو پی سکتے ہیں سانس تو لے سکتے ہیں لیکن نہ چارا کھا سکتے ہیں نہ کسی جانور کا دودھ پی سکتے ہیں یعنی آپ نے طے کر دیا کہ آکسیجن اور پانی تو گزرے مگر چارا اور کسی جانور کا تھن نہ گزر پائے کیا یہ فلٹر نہیں ہے؟ پھر نہر جاری ہے اس میں گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہیں آپ نے طے کر دیا کہ اس مقام سے آگے صرف پانی جائے گا گند اور لکڑیاں وغیرہ نہیں جس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا تو کیا یہ فلٹر نہیں جسے آپ اردو میں چھننی یا چھلنی کہہ سکتے ہیں؟

یعنی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ خطم جو کہ ''ط'' والا ہے اس کے معنی فلٹر کے ہیں۔ جب ''ط'' والے خطم کے معنی فلٹر کے ہیں تو پھر لامحالہ ''ت'' والے ختم کے معنی بھی آپ کو فلٹر کے ہی کرنا پڑیں گے۔ یعنی اس لحاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ خطم ''ط'' والا ہو یا پھر ''ت'' والا ختم دونوں کے معنی فلٹر کے ہیں۔

آئیں ایک اور پہلو سے بھی اس لفظ کے معنی کو جان لیتے ہیں۔ لفظ ختم جو کہ ''ت'' والا ہے اس کے معنی آخری یا پھر مہر کے کر دیئے جاتے ہیں اب آپ اس کا ترجمہ آخری کریں یا مہر دونوں کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں یعنی دونوں کا معنی آخری کا ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آخری تو بالکل واضح ہے کہ آخری کو یعنی جس کے بعد کوئی نہیں اسے کہتے ہیں اس کے علاوہ لفظ ختم کا جو معنی مہر کے کیے جاتے ہیں تو ایسے لوگ بھی دو گروہوں میں تقسیم ہیں ان میں ایک گروہ مہر کے معنی بھی آخری ہی کرتا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کرتے ہیں کہ مہر کہتے ہیں سیل کو مثلاً جب آپ کو خط یا پارسل پیک کرتے ہیں تو اس پر سیل یعنی مہر لگا دی جاتی ہے کہ اب اس نہ ہی کچھ باہر آئے گا اور نہ ہی اس میں کچھ داخل ہوگا۔

اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ ختم کے معنی مہر اور مہر کا مطلب ہے کہ سیل لگا دینا اب اس کے بعد نہ ہی اندر سے کچھ باہر آئے گا نہ ہی باہر سے کچھ اندر جا سکے گا تو یہ معنی بھی آپ سورت البقرۃ درج ذیل آیت میں کسی بھی صورت فٹ نہیں کر سکتے یعنی سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت میں بھی یہی لفظ ختم استعمال ہوا ہے اور یہ آیت اس معنی کو کسی بھی صورت قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. البقرۃ ۷

وہ لوگ جو دنیا پرست ہیں جو دنیاوی مال ومتاع سے حب کرتے ہیں جو اصل میں مفسدون فی الارض ہیں لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں یعنی وہ ہر شئے کا صرف ظاہری پہلو دیکھتے ہیں اور جو باطنی پہلو ہے اسے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ انہیں نظر ہی نہیں آتا ان کے بارے میں اللہ نے کہا کہ ان کے دلوں پر اللہ نے فلٹر لگا دیا اور ان کے سننے پر یعنی جو کچھ بھی سنتے ہیں وہ فلٹر ہو کر ہی ان کے دماغوں میں جاتا ہے اور ان کے دیکھنے پر بھی فلٹر ہیں جو شئے فلٹر بنی ہوئی ہے ان کے لیے اس نے انہیں ہر طرف سے ڈھانپ رکھا ہوا ہے یعنی دنیاوی مال ومتاع اس کے ظاہری فائدے، یہ ہر شئے کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دنیاوی مال ومتاع کا ظاہری پہلوان کے لیے فلٹر ہے جیسے کہ آج پوری دنیا میں دابۃ الارض دھندناتا پھر رہا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی دابۃ الارض نظر نہیں آرہا بلکہ اس کے بالکل برعکس یہ فائدے کی اشیاء نظر آرہی ہیں، یہ سہولتیں، آسانیاں، آسائشیں، ترقی وانسانیت کی خدمت نظر آرہی ہے کیونکہ ان کے کانوں اور آنکھوں پر فلٹر لگے ہوئے ہیں ان کی خواہشات کے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت آپ کے سامنے ہے اب وہ لوگ جن کا کہنا ہے کہ ختم کے معنی مہر بمعنی آخری یا پھر براہ راست آخری کے ہیں ان کو چیلنج ہے کہ اگر وہ سچے ہیں تو قرآن کی اس آیت سے اپنے ان معنوں کی تصدیق کروا کر دکھائیں یعنی ان معنوں کو اس آیت میں فٹ کر کے دکھائیں اگر تو وہ اپنے معنوں کو اس آیت میں فٹ کر دیتے ہیں یہ آیت ان کے معنوں کو قبول کر لیتی ہے تو وہ سچے ہیں اور اگر یہ آیت ان کے کیے گئے معنوں کو قبول کرنے کی بجائے مسترد کر دیتی ہے تو ایسے لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیں وہ حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کی یہ آیت کسی بھی صورت ان کے کسی بھی معنی کو قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

دوسرا گروہ جو ختم کا ترجمہ مہر اور مہر کا معنی کرتا ہے کہ مہر سیل کو نہیں بلکہ تصدیق شدہ کو کہتے ہیں جس پر مہر لگی ہو صرف وہی آگے جا سکتا ہے جس پر مہر نہ لگی ہو وہ نہیں جا سکتا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ خواہ یہ معنی اصل معنی کے کتنا ہی قریب تر کیوں نہ ہو یہ حق نہیں ہے آپ اس معنی کو سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں لفظ ختم کو نہیں پہنا سکتے اس لیے ختم کے معنی خواہ آپ مہر کریں یا کچھ اور وہ قرآن کبھی بھی قبول نہیں کرے گا جب تک کہ آپ اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کر دیتے اور آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے قرآن کو اپنی مرضی کے مطالب پہنا کر اپنی چاہتوں کے مطابق ڈھالنے سے باز نہیں آتے۔ آپ اس وقت تک حق کو نہیں پا سکتے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جب تک کہ آپ زبردستی اپنے مطالب و معنی قرآن کو پہنانے کی بجائے خود کو مکمل طور پر قرآن کے آگے جھکا نہیں دیتے، جب تک کہ آپ قرآن کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنے کی غرض سے قرآن کی طرف نہیں لپکتے۔

آپ نے خود دیکھ لیا کہ ختم کے جو بھی معنی کیے جاتے ہیں وہ اس آیت میں اس لفظ پر پورے نہیں اترتے قرآن انہیں قبول نہیں کرتا سوائے فلٹر کے۔ آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی سوال کرتے ہیں کہ آیا ختم کے معنی آخری کے ہیں یا کچھ اور تو قرآن اس کا جواب بالکل کھول کر واضح کر دیتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن الحکیم ہے اس میں جو لفظ جہاں جس طرح استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر بھی رد و بدل کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے مثلاً جب قرآن سے سوال کیا جائے کہ کیا ختم کے معنی آخری کے ہیں تو قرآن سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. البقرۃ ۷

سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی وہی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے اگر کوئی کہتا ہے یا دعویٰ کرتا ہے کہ ختم کے معنی آخری کے ہیں یا پھر اس کے علاوہ کچھ اور ہیں تو پھر ایسے ہر شخص کو کھلم کھلا چیلنج ہے کہ پھر اس آیت میں بھی لفظ ختم کو آخری یا پھر جو بھی معنی وہ کرتا ہے وہ معنی پہنا کر دکھائے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے جو کہ ممکن ہی نہیں تو پھر ختم کے معنی آخری کے نہیں ہیں عربوں کی زبان عربی میں آخری کو ختم نہیں کہتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ختم کے معنی آخری کے نہیں تو پھر آخری کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ تو قرآن اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الحدید کی درج ذیل آیت سے بڑھ کر واضح اور کوئی آیت نہیں ہو سکتی جو بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ آخر کو عربوں کی زبان عربی میں کیا کہتے ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. الحدید ۳

اس آیت میں اول کی ضد آخر آئی ہے جس سے کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ یا ابہام پیچھے نہیں رہتا کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو آخر ہی کہتے ہیں نہ کہ ختم اور پھر کون نہیں جانتا کہ اول کیا ہے اور آخر اول کی ضد ہے یعنی عربی میں آخر کو آخر ہی کہا جاتا ہے نہ کہ ختم۔

اب جب قرآن سے ہی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو ختم نہیں بلکہ آخر ہی کہتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے ہیں؟ آج تک ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے رہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ ختم لفظ نہ صرف عربوں کی زبان عربی میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عربی میں جن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے فارسی میں اس کے برعکس مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخری یعنی جس کے بعد کوئی نہیں۔ وہ لوگ جو قرآن کو اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کے مطابق ڈھالتے ہیں وہ لوگ دھوکا دیتے ہوئے عربی کے لفظ ختم کو فارسی کا لفظ ختم بنا کر پیش کرتے

ہیں حالانکہ یہ القرآن فارسی میں تو نہیں بلکہ یہ القرآن تو عربوں کی زبان عربی میں ہے۔
فارسی میں ختم آخری کو کہتے ہیں لیکن عربوں کی زبان عربی میں ختم آخر کو نہیں بلکہ فلٹر یعنی چھننی کو کہتے ہیں اب اس کے باوجود اگر کوئی ختم کے معنی آخر کے کرتا ہے تو پھر اس سے بڑا دھوکے باز، مکار، جاہل، جھوٹا اور دجال کوئی اور نہیں ہوسکتا جو عربی کے لفظ کو فارسی کا لفظ بنا کر پیش کرے۔ یوں آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ ختم کے معنی آخری کیوں کیے جاتے ہیں جو کہ محض دھوکے اور لاعلمی و جہالت کے سوا کچھ نہیں۔
اب آپ پر ہر لحاظ سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ ختم فلٹر کو کہتے ہیں جسے اردو میں چھلنی یا چھننی کہتے ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں بھی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے، ہم آپ کو نہ صرف دعوت دیتے ہیں بلکہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہاں وہاں یہ معنی پیش کریں اگر قرآن کا کوئی ایک بھی مقام اس معنی کا رد کرتا ہے اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو ہم باطل ہوں گے لیکن آپ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جب ختم عربوں کی زبان میں کہتے ہی فلٹر کو ہیں تو قرآن بھلا کیوں اس معنی کا رد کرے گا اسے قبول کرنے سے انکار کرے گا بلکہ قرآن کے تمام مقامات صرف اور صرف اسی معنی کو قبول کریں گے اور قرآن کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے قرآن بذات خود اس معنی کی تصدیق کر دیتا ہے کہ یہی حق ہے۔
آگے چل کر یہ بات بھی بالکل کھول کر واضح کر دیں گے کہ اسی قرآن میں اللہ کا حکم ہے کہ جو بھی حق کا دعویدار ہے جو بھی کوئی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو اس قرآن پر پیش کرو جو تمہارے دو ہاتھوں کے درمیان ہے اگر تو وہ حق ہوا اس کی بات حق ہوئی تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہوگی قرآن اس کی تصدیق کرے گا ورنہ اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق پر نہیں نہ ہی اس کی بات حق ہے بلکہ وہ باطل ہوگا اس کی بات بالکل بے بنیاد و باطل ہوگی۔ اس لیے کوئی بھی ختم کا جو جی چاہے ترجمہ و معنی کرے اگر تو قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کن کا معنی قرآن قبول کر رہا ہے کس کے معنی کس کی بات کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اور کس کا رد۔
اپنے آباواجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے آج تک عظیم دھوکہ دیا جاتا رہا ختم جو کہ عربوں کی زبان کا لفظ ہے اسے فارسی کا لفظ بنا کر پیش کیا جاتا رہا کیونکہ ختم نہ صرف عربوں کی زبان کا لفظ ہے بلکہ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن دونوں کے معنی یکسر مختلف ہیں۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخر مگر عربوں کی زبان میں اس کے بالکل برعکس ختم کے معنی ہیں چھننی یعنی فلٹر۔

اب آتے ہیں اگلے لفظ النبیّن کی طرف۔
اس کا ترجمہ نبیوں کی جمع کا کیا جاتا ہے اور پھر وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے یا پھر سارے کے سارے نبی۔ حقیقت کیا ہے آتے ہیں اس طرف۔ پورے قرآن میں اس حوالے سے مجموعی طور پر پانچ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ان میں پہلا لفظ ہے ''نبی'' دوسرا لفظ ''نبِیٍ'' یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں، تیسرا لفظ ''انبیاء'' چوتھا لفظ ''نبیون'' اور پانچواں لفظ ''نبیّن'' آیا ہے۔
آپ پورے قرآن کو اٹھا کر دیکھ لیں پورے کے پورے قرآن میں ان پانچ کے علاوہ کوئی چھٹا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جب آپ ان کے تراجم و تفاسیر اٹھا کر دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کے تراجم و تفاسیر میں ایک لفظ ''نبی'' کے معنی ایک ہی نبی کے کیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی چاروں الفاظ کا ایک ہی ترجمہ کیا جاتا ہے نبی کی جمع۔ یعنی ان کے نزدیک ان پانچ میں سے ایک لفظ تو واحد کا صیغہ ہے اور باقی چاروں کے چاروں محض جمع کے صیغے ہیں۔
اب یہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں سب سے پہلی بات کہ کیا اللہ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ دیکھو میرے پاس ایک ہی بات کے لیے کئی کئی الفاظ موجود ہیں؟ دوسری بات کہ ایک طرف تو اللہ خود کو العزیز الحکیم اور قرآن کو بھی الحکیم قرار دے رہا ہے اور دوسری طرف ایک ہی بات کے لیے چار چار مختلف الفاظ کا استعمال کرنا، اتنے بڑے بڑے فرق نظر انداز کرنا کہاں کی حکمہ ہے؟ پھر اللہ اور قرآن کیسے الحکیم ہو سکتے ہیں؟ یہ فعل تو اللہ اور قرآن کے الحکیم ہونے کی نفی کر رہا ہے۔
تیسری بات یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی درج ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے کی جانے والی گفتگو کا ریکارڈ ہے آیات کی صورت میں یعنی اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کی تاریخ ہے تو پھر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے چلو ایک لمحے کے لیے تمہاری بات مان لی کہ نبی آنا بند ہو گئے مگر جب نبی آ رہے تھے تو اس وقت کے انسانوں سے اللہ نے ماضی کے انبیاء کی کوئی بات نہ کی؟ حال کے نبیوں کی کوئی بات نہ کی؟

مستقبل کے نبیّن کی کوئی بات نہ کی؟ اگر کی تو پھر قرآن میں اس کی تاریخ دکھاؤ کہاں لکھا ہے؟ اور اگر کی تو ماضی کے انبیاء کا ذکر کس طرح کیا، حال والے نبیوں کا ذکر کن الفاظ سے کیا اور مستقبل والے نبیّن کے بارے میں جب کوئی خبر دی تو ان کا ذکر کیسے کیا؟ ماضی، حال اور مستقبل کے جو نبی تھے ان کی پہچان کیسے ہوگی؟

یہ بات جان لیں اور پیچھے بھی آپ جان چکے کہ اللہ نہ صرف الحکیم ہے بلکہ العزیز الحکیم ہے اور اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے مطلب کہ اس قرآن میں جو لفظ بھی استعمال کیا گیا وہی استعمال کیا گیا جو استعمال کرنا تھا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں، اگر کہیں پر رائی برابر بھی فرق رکھا گیا تو وہ فرق لازم تھا، اس قرآن میں جو جو جیسا جیسا جہاں جہاں جیسے جیسے جتنا جتنا استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر تبدیلی کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ زبر کو زیر اور زیر کو زبر نہیں بنا سکتے اگر آپ نے کہیں پر بھی کسی فرق کو نظر انداز کیا تو اس کا مطلب کہ آپ زبان سے لاکھ اللہ کو الحکیم کہو اللہ کو سبحان کہو اللہ کے لیے الحمد کہو مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا کفر کر رہے ہیں انکار کر رہے ہیں اللہ کے سبحان ہونے کا انکار کر رہے ہیں اللہ کے لیے الحمد کا انکار کر رہے ہیں۔
اگر آپ اللہ کو الحکیم تسلیم کرتے ہیں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ رائی برابر فرق کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، جو فرق بھی رکھا گیا جو ترتیب رکھی گئی آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے جب تک اس کو جان نہیں لیتے تب تک آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔
جب آپ جان چکے کہ قرآن الحکیم ہے تو کیسے ممکن ہے کہ پانچ مختلف الفاظ ہوں، نہ کہ معمولی فرق بلکہ غیر معمولی فرق کیساتھ مختلف الفاظ اور ان میں سے ایک کے علاوہ باقی سب کا معنی یا ترجمہ ایک ہی ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے؟
اللہ العزیز الحکیم ہے اس نے کہیں رائی برابر بھی فرق رکھا تو وہ فرق لازم تھا آپ اسے کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے یہاں تو یہ پانچوں بالکل مختلف الفاظ ہیں۔
اب آتے ہیں ان پانچوں الفاظ کی طرف اور ہر پہلو سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کسی بھی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے۔ نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون، نبیّن۔
سب سے پہلے لفظ نبی کی وضاحت کرتے ہیں کہ لفظ نبی کے معنی کیا ہیں اور نبی کا مقصد کیا ہے؟
جب ہمیں ان الفاظ کے جوابات مل جائیں گے تو حق کو سمجھنا بالکل آسان ہو جائے گا آپ کسی کے بھی فریب کا شکار نہیں ہوں گے۔
نبی: یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''نَبَ اور ی''
''نَبَ'' عربی میں کہتے ہیں اس علم کو جو صرف اور صرف اس ایک کے پاس ہے جو خالق و مالک ہے یعنی اللہ، ایشور اس ایک کے علاوہ کسی کے بھی پاس نہیں اور وہ علم دوسروں کو دیا جائے جسے آپ اردو میں خبر کہتے ہیں لیکن یہ بات جان لیں کہ خبر عربی کا بھی لفظ ہے اور عربی میں خبر کہتے ہیں اس علم کو جو آپ یا آپ کے علاوہ اور کسی کے بھی پاس ہے مگر جن کے پاس نہیں ان کے لیے وہ علم اس وقت خبر کہلاتا ہے جب ان کے پاس وہ علم آ جاتا ہے۔ مگر نبا کے معنی ہیں وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جب وہ علم اللہ انسانوں کو دیتا ہے ان پر ظاہر کرتا ہے تو وہ نبا کہلاتا ہے۔
نَبَ کا اگلا لفظ جو کہ ایک حرف ہے وہ ہے ''ی'' اور ''ی'' عربی میں خودی یا اپنے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ربّ اور ربی یعنی میرا ربّ۔ یعنی اگر ''ی'' کسی لفظ کے شروع یا آخر میں استعمال ہوتا ہے تو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
نَبَ وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور لفظ نبی، اللہ کہہ رہا ہے میں تمہیں بتا تا ہوں میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ علم کیا ہے جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ علم کیا ہے؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے ذرا آپ غور کریں کیا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے سامنے یہ سوال آیا ہو کہ آپ کون ہیں؟ آپ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ اس دنیا میں کہاں سے آئے؟ آپ کا اول کیا ہے آخر کیا ہے؟ آخر آپ اس دنیا میں کیوں آئے کیسے آئے یا اگر بھیجے گئے تو کیوں اور کیسے کس نے اور کس مقصد کے لیے بھیجا؟

آپ جب اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہیں تو کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے یہاں تک کہ آپ کچھ بھی بناتے ہیں خرید کر لاتے ہیں تو اس کا ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے تو پھر آپ کیا بغیر کسی مقصد کے وجود میں لائے گئے؟ جب نہیں تو آخر وہ مقصد کیا ہے؟

یہ ایسا سوال ہے جو زندگی میں کئی مواقع پر ہر کسی کے سامنے آتا ہے۔جس میں ذرا سی بھی عقل ہے اس کے دل و دماغ میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ ایسے ہی بے مقصد وجود میں آ گیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں ایسا سوال کبھی سامنے نہیں آیا ایسا سوال کبھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بالکل جھوٹ ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سوال تو کئی مواقع پر سامنے آتا ہے لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے آپ کی توجہ باقی اِدھر اُدھر کے معاملات میں ہونے کی وجہ سے وہ سوال نظر انداز ہو کر پھر او جھل ہو جاتا ہے گویا کہ کبھی سامنے آیا ہی نہ ہو۔

اس کے باوجود ہم یہ سوال آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ ہاتھ ہے اور پھر یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ کے ہاتھ میں آپ کی کتاب پکڑ کر یا کوئی شئے پکڑ کر آپ سے پوچھا جائے کہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری جس کا مطلب کہ آپ الگ ہوا اور وہ شئے الگ ہے۔

جب آپ نے کہا یہ جسم میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ الگ ہو آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم الگ ہے یہ جسم آپ نہیں ہو آپ کوئی اور ہو جو کہہ رہا ہے کہ یہ جسم میرا ہے۔تو اب آپ سے سوال ہے کہ وہ جو میرا میرا کر رہا ہے وہ میں کون ہے؟ آپ کون ہو؟

کیا آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

جب آپ کو اس سوال کا جواب ملے گا تو تب اس کے بعد آپ پر واضح ہوگا کہ آپ اس دنیا میں کیوں آئے ہو آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے یا آپ کیوں بھیجے گئے ہو آپ کے بھیجے جانے کا مقصد کیا ہے۔تو یہی وہ نبا ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ صرف اور صرف میں ہی ہوں جو تمہیں بتا سکتا ہوں،ان تمام سوالات کے جوابات یہ سارا علم میں ہی تمہیں دے سکتا ہوں میں ہی تمہاری راہنمائی کر سکتا ہوں۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے میں ہوں تمہیں یہ نبا دینے والا یعنی یہ سب علم تم پر واضح کرنے والا جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

تم کون ہو،کیا ہو،کہاں سے آئے ہو،تمہارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے،اسے پورا کیسے کرنا ہے،کیا کرنا ہے،کیا نہیں کرنا،کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے،کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا،کیسے کھانا ہے اور کیسے نہیں کھانا،کیسے اٹھنا ہے،کیسے بیٹھنا ہے،کون دشمن ہے اور کون دوست ہے،کیا کرنا کیا نہیں کرنا،دنیا و آخرت میں بلند مقام کیسے حاصل ہوتا ہے اور کیسے ذلت میں گرا دیا جاتا ہے یعنی یہ تمام کی تمام راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کس طرح یہ علم دیتا ہے اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے ذریعے نبا دیتا ہے جسے رسول کہا گیا۔ یعنی رسول،اللہ کی زبان ہوتی ہے رسول جو بشری وجود ہوتا ہے وہ محض ایک آلہ ہوتا ہے انسانوں سے خطاب کا،اس آلے میں یعنی اس بشر میں اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ نبا دے رہا ہوتا ہے۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس بشر کے ذریعے میں تمہیں نبا دے رہا ہوں تم پر تمہاری حقیقت تمہارے دنیا میں بھیجا جانے کا مقصد واضح کر رہا ہوں تم نے کیا کرنا ہے کیا نہیں اور کیسے کرنا ہے یہ سب میں تم پر واضح کر رہا ہوں دنیا میں زندگی گزارنے کی راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے پہلو سے بھی یہ بات جان لیں۔جب آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہیں تو آپ کہیں گے کہ انسان۔

کیا کبھی آپ نے غور کیا لفظ انسان کے معنی کیا ہیں انسان کسے کہتے ہیں انسان کیا ہے؟

لفظ انسان کے معنی ہیں خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی وہ جو اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے اور جسے وہ اپنا آپ سمجھ رہا ہے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔

لفظ انسان کو گرائمر کی رو سے بھی دیکھ لیں۔ ''انسان'' یہ لفظ چار الفاظ کے مجموعے سے وجود میں آیا ہے ''ا، نس، ا، ن''

عربی کا اصول ہے کہ الف اگر شروع میں استعمال ہو تو لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے آخر میں استعمال ہو تو ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو اسے فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے یعنی کُل کا کُل بنا دیتا ہے۔
اس لفظ کے شروع میں الف آتا ہے جو کہ آگے آنے والے لفظ کو بات کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے ''نس'' جس کے معنی ہیں ایسے بھول جانے کے جیسے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو جو بھول گئے۔ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے مثلاً آپ نے اپنی پیدائش سے لیکر۲، ۳ سال تک کی جو عمر گزاری اس میں آپ نے بہت کچھ کیا لیکن اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اس وقت کے بارے میں آپ کو کچھ یاد ہے دو، تین سال کی عمر تک کا کوئی واقعہ سنائیں تو آپ کو کچھ یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ وہ وقت کبھی آیا ہی نہیں۔
حالانکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے مگر آپ بھول چکے ہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔
اب ان دونوں الفاظ کو ملائیں تو لفظ بنے گا ''انس'' جس کے معنی بنیں گے کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟
اب آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ الف اگر آخر کی طرف درمیان میں آجائے تو کُل کا کُل بنا دیتا ہے اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے تو آگے آجاتا ہے ''الف'' جس کے معنی بنیں گے سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے؟ تو آگے لفظ آجاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم، یعنی اپنی ہی ذات ''اللہ''۔
اب آئیں اس پورے لفظ کی طرف کے اس کے معنی کیا بنیں گے۔ ''انسان'' کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر اس طرح بھول چکے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو وہ اپنی ہی ذات ہے جسے پورے کا پورا مکمل طور پر بھول چکے اپنی ہی ذات کا رائی برابر بھی کچھ یاد نہیں رہا۔ اور وہ اپنی ذات کیا ہے یہ الگ موضوع ہے لیکن اتنا جان لیں کہ ''ن'' کے معنی جب ہم کیے جاتے ہیں تو یہ اللہ اپنے لیے استعمال کرتا ہے یعنی ''ن'' اللہ کی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
پیچھے کہا تھا کہ اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کہتے ہیں کہ آپ انسان ہو جس کا مطلب کہ آپ کون ہو آپ کو اس کا علم ہی نہیں آپ اپنی ہی ذات کو مکمل طور پر بھول چکے ہوئے ہو جیسا کہ پیچھے یہ بات بہت ہی آسان الفاظ اور مثال سے واضح ہو چکی۔
آپ کے اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے جب پورے جسم کے بارے میں پوچھا کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ نے کہا میرا جسم ہے جس کا مطلب یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ تو جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کون ہو یعنی وہ جو میں میرا میرا کر رہا ہے وہ کون ہے تو آپ کے پاس اپنی ہی ذات کے بارے میں کوئی جواب نہیں آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہو کہ آپ کیا ہو۔ اسی کو عربی کے ایک لفظی جملے میں بیان کیا جائے تو وہ ہے لفظ انسان۔

اب آپ خود غور کریں جو خود اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے جسے اپنی ہی ذات کا علم نہ ہو اسے یہ کیسے علم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور وہ مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اور کس کو علم ہے کہ آپ کون ہو؟ کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہو؟
ذرا غور کریں کیا اس کے سوا کوئی ہو سکتا ہے جو بھولا ہوا نہ ہو؟ یعنی جسے سب علم ہو کچھ بھی بھولا ہوا نہ ہو۔ تو جو بھولا ہوا نہیں ہے وہ کون ہے؟ وہ اللہ ہے۔ اور اگر آپ کو علم نہیں تو جان لیں کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے اسی کا ذکر قرآن کی سورت الحشر میں کیا گیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹
اور نہ کرو یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو یہ تم ہو رہے ہو بالکل ان لوگوں کی طرح جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں اللہ تھا جسے بھول چکے تھے جسے یاد کرنا تھا پس بھولے کے بھولے ہی رہ گئے خود اپنی ہی ذات کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس وقت موجود ہیں فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو حق کو بدل رہے ہیں اور ظاہر ہے جب بات کو بدل دیا جائے گا اس میں ملاوٹ کر دی جائے گی تو حق کیسے مل سکتا ہے ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟
اس آیت کے شروع میں جسے بھولے ہوئے ہیں اسے یاد کرنے کا کہا گیا اور بالکل دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ اللہ تھا جسے بھولے ہوئے ہو اور پھر ساتھ ہی

آگے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم بھولے کے بھولے ہی رہ جاتے ہو تو تم خود اپنی ہی ذات کو بھولے کے بھولے ہی رہ گئے یعنی اپنی ہی ذات اللہ ہے اپنی حقیقت اللہ ہے نہ کہ کچھ اور۔ اور جو اپنی ہی ذات کو یاد کر لے تو ظاہر ہے وہ انسان نہیں پھر اللہ کا وجود ہے وہ ظاہر و باطن میں اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا وجود اور پھر اللہ اپنا کام کرتا ہے۔ وہ بشر تو ہے تمہاری ہی مثل لیکن وہ انسان نہیں ہے بلکہ اللہ ہے یوں اللہ اس کی صورت میں انسانوں کی راہنمائی کرے گا یعنی ان میں انہیں سے اس بشر کی صورت میں اللہ انسانوں کی راہنمائی کر رہا ہوتا ہے وہ علم دے رہا ہوتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جسے عربوں کی زبان میں نبی کہتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو اور یہی اللہ کہہ رہا ہے جو کہ لفظ نبی ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو میں تمہیں نبا دیتا ہوں میں تمہیں نبا دے رہا ہوں جیسے میرا قانون ہے۔ تم انسان چونکہ بشر ہو تو تمہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہوں جیسے میرا قانون ہے اس بشر کے ذریعے میں تم سے کلام کر رہا ہوتا ہوں میں ہوتا ہوں جو اس بشر کی صورت میں تم پر حقیقت واضح کر رہا ہوتا ہے اس بشر میں میں بول رہا ہوتا ہوں اور عربی میں ایک لفظ اس بات کا احاطہ کرتا ہے اور وہ ہے لفظ نبی۔

اب آتے ہیں لفظ نبی سے متعلق ان پانچ الفاظ کی طرف جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔

نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون اور نبیّن۔

ان میں پہلا لفظ ہے نبی جو کہ واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں نبی۔

اگلا لفظ ہے نبی کے نیچے دوزیریں ''نبیٍ'' عربی کا اصول ہے کہ زیر کو جر کہتے ہیں، جر کہتے ہیں آگے بہنے کو یعنی مستقبل میں جانے کو، اس لیے جب بھی کسی لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آئے تو وہ مستقبل کا صیغہ بن جاتا ہے۔ اور دوزیریں آجائیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے جتنا آگے جایا جاسکتا ہے اب یہ اس لفظ پر منحصر ہے کہ اس کا آگے جانا کیا ہے؟ مثلاً جیسے ایک عربی میں لکھا جائے گا تو واحد لکھا جائے گا اور اگر واحد کی ''دْ'' کے نیچے دوزیریں آجائیں تو یہ بن جائے گا ''واحدٍ'' واحد کے معنی ہیں اور ایک، واحدٍ کے معنی بنیں گے واحد جتنا آگے جاسکتا ہے جیسے کہ واحد یعنی اور ایک آگے جائے گا تو اور ایک یعنی دو آگے جائے گا تو اور ایک یعنی تین اسی طرح اور ایک، اور ایک کرتے کرتے جتنا آگے جاسکتا ہے۔

اور اس کے برعکس زبر زیر کی ضد ہے زیر آگے بہنے کو کہتے ہیں تو زبر پیچھے یعنی ماضی میں جانے کو، اور اگر دوزبریں آجائیں تو جتنا پیچھے سے پیچھے جایا جاسکتا ہے جیسے واحدً اور ایک اس کے پیچھے نہیں جایا جاسکتا کیونکہ یہیں سے ایک کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے واحدً کا معنی صرف اور صرف اور ایک ہی بنے گا جس کا مطلب ہے یہی ایک جس کا ذکر کیا جارہا ہے البتہ یہ اور ایک ہے یعنی اس کے علاوہ اور ایک بھی ہیں مگر یہاں صرف اسی ایک کی بات ہو رہی ہے۔

یہاں لفظ نبی کے آخری حرف کے نیچے دوزیریں ہیں ''نبیٍ'' جس کا مطلب ہے لفظ نبی جتنا آگے جاسکتا ہے جس کے معنی بنیں گے اول تا آخر تمام کے تمام نبی یعنی کُل کے کُل نبی۔

اور جب آپ قرآن میں دیکھیں تو قرآن بذات خود ہر لفظ کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ رہے ہیں۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ . آل عمران ۱۴۶

اور جتنے بھی نبی ہیں یعنی تمام کے تمام نبی ان میں سے بہت سے نبی جو اپنے اپنے وقت میں گزر چکے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ .آل عمران ۱۶۱

اور نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ . الاعراف ۹۴

اور نہیں بھیجا ہم نے تمام کی تمام قریہ میں جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی جتنے بھی نبی ہیں تمام کے تمام کو ہر قریہ میں بھیجا۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ. الانفال ۶۷

نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا ۔ الحج ۵۲

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اور جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی ہر رسول اور ہر نبی کو بھیجا۔

وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ۔الزخرف ۶

اور بالکل اسی طرح جیسے تجھے بھیجا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کو اسی طرح بھیجا الاولین میں۔

وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا ۔الزخرف ۷

اور نہیں آیا ان کے پاس جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی تمام کے تمام نبی ان کے پاس آئے۔

ان تمام آیات میں کُل کے کُل نبیوں کا ذکر کیا گیا اور ہر آیت میں آپ کو یہی لفظ ملے گا نبیٍ۔ لفظ نبی کی ''ی'' کے نیچے دو زیروں کا استعمال کیا گیا جس سے لفظ نبی واحد سے جمع کا صیغہ نبیٍ بن گیا۔ نبیٍ کُل نبی۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے قرآن نہ صرف اپنی وضاحت خود کرتا ہے بلکہ وہ ہر بات کو ہر پہلو سے پھیر پھیر کر سامنے لاتا ہے جہاں قرآن نے مختلف مقامات پر ایک پہلو سے یہ بات سامنے لا رکھی کہ نبیوں کی جمع کے لیے لفظ نبیٍ ہے تو وہیں مزید مقامات پر اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے بالکل کھول کر سامنے رکھ دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ ۔ الانعام ۱۱۲

اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن شیاطین انس و جن کو۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ. الفرقان ۳۱

اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن مجرمین سے۔

ان آیات میں لفظ نبیٍ کے پیچھے کل کا لفظ استعمال کیا گیا جو لفظ نبیٍ کی غیر معمولی طریقے سے وضاحت کر دیتا ہے کہ نبیٍ کے معنی ہیں کُل کے کُل نبی یعنی لفظ نبیٍ جمع ہے لفظ نبی کی۔

یہاں تک دو الفاظ بالکل کھل کر واضح ہو چکے ہیں پہلا لفظ ''نبی'' واحد کا صیغہ ہے یعنی نبی اور دوسرا لفظ ''نبیٍ'' جمع کا صیغہ ہے کُل کے کُل نبی۔

اب پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ انبیا، نبیون، نبیّن۔

جب قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی لکھا ہوا ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے ہونے والی گفتگو کی تاریخ آیات کی صورت میں لکھی ہوئی ہے اور انسانوں کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہیں ماضی، حال اور مستقبل تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی کہ یہ تینوں الفاظ ماضی، حال اور مستقبل کے صیغے ہیں۔

اب آپ خود ذرا غور کریں جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا اللہ انسانوں پر ماضی حال اور مستقبل کا فرق واضح نہیں کرتا؟ جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا وہ ماضی حال و مستقبل کو مدنظر نہیں رکھے گا؟ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اللہ اس وقت کے انسانوں سے کلام کر رہا تھا تو اس وقت ان کو ماضی کے انبیاء کی بات بتانا مقصود ہوتی تو کیا اللہ انہیں یہ نہ بتاتا کہ یہ ماضی کے انبیاء کی بات ہے اور حال والوں کی بات کرنا مقصود ہوتی تو کیا یہ نہ بتاتا کہ یہ حال والے نبیوں کی بات کی جا رہی ہے اور اسی طرح اگر مستقبل والوں کی بات کرنا مقصود ہوتا تو کیا یہ نہ واضح کرتا کہ یہ مستقبل والے نبیّن کی بات کی جا رہی ہے؟ انسان کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہے ماضی، حال اور مستقبل اور پھر پیچھے تین ہی الفاظ بچتے ہیں تو اندھوں کو بھی نظر آ رہا ہے کہ ان میں سے ایک ماضی کے

انبیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے ایک حال کے نبیوں کا اور ایک مستقبل کے نبیّن کا۔

قرآن خود اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ان میں سے ماضی والے انبیاء کے لیے کون سا لفظ ہے، حال والوں کے لیے کون سا اور مستقبل کے نبیّن کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا گیا۔

قرآن سے ان تینوں الفاظ کی وضاحت سے پہلے عربی گرائمر کی رو سے ان الفاظ کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد قرآن سے ان کی وضاحت کریں گے۔

ان میں پہلا لفظ آجاتا ہے انبیاء جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' ہے دوسرا لفظ ''نبی'' اور تیسرا لفظ بھی ایک حرف ''الف'' ہے۔ جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو الف اس کو اس طرز پر سوالیہ بنا دیتا ہے کہ جواب اس کے آگے ہی موجود ہوتا ہے یعنی لفظ کے شروع میں الف نہ صرف آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بناتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس کا جواب بھی موجود ہوتا ہے مثلاً اسے ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں اللہ اکبر۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

اللہ اکبر میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اللہُ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور ''کبر'' کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں ''الف'' اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔ اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے بڑا تو درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود، ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اگر الف کسی بھی لفظ کے شروع میں استعمال ہو تو نہ صرف الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے۔ انبیاء میں الف کے بعد لفظ ''نبی'' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی پیچھے واضح کیے جا چکے اب الف اور نبی کو جمع کیا جائے تو لفظ وجود میں آئے گا ''انبی'' جس کے معنی بن جائیں گے کون سا نبی، کیا نبی، کیسا نبی وغیرہ اس لفظ کے آخر میں الف کا استعمال اسی سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ الف کسی بھی لفظ کے آخر میں استعمال ہونے سے وہ لفظ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یوں لفظ انبیا کے معنی بنتے ہیں وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے۔ اب جب غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ماضی میں کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سے نبی گزر چکے ہیں جس کے لیے الف کو بیک وقت آخر اور آخر کی طرف درمیان میں لا کر ماضی کا صیغہ اور کُل کے کُل کا

مادہ لانے کے لیے آخر میں ''ء'' کا استعمال کیا گیا جس سے الف بیک وقت آخر میں اور آخر کی طرف درمیان میں آ جاتا ہے کیونکہ ''ء'' اپنے آپ میں لفظ نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک علامتی لفظ ہے جس سے انبیاء کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔

لفظ انبیا کے آخر میں اگر ''ء'' کا اضافہ کر دیا جائے تو الف اس لفظ کے آخر میں ہونے کیساتھ ساتھ درمیان میں بھی چلا جاتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں الف نہ صرف اس لفظ کے آخر میں بھی موجود ہے بلکہ ''ء'' کے استعمال سے درمیان میں بھی آ جاتا ہے جس سے لفظی جملہ بن جاتا ہے انبیاء۔

آپ نے جان لیا کہ الف اگر لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اگر آخر میں استعمال ہو تو اسے ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو اس میں کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یعنی اس کے کُل کے کُل کا اظہار کرتا ہے۔

یوں لفظ انبیاء میں الف نہ صرف آخر میں آ کر اسے ماضی کا صیغہ بناتا ہے بلکہ ء کے استعمال سے الف بیک وقت درمیان میں بھی چلا جاتا ہے جو اس میں کس کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یوں اس کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔

لفظ انبیاء کی وضاحت ہو چکی انبیاء کے معنی ہیں وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے اب آتے ہیں اگلے لفظ نبیون کی طرف۔ لفظ نبیون ایک جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، و، ن'' لفظ نبی کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے ہیں آگے آ جاتا ہے ''و'' جس سے لفظ ''نبیو'' بن جاتا ہے۔ کسی بھی لفظ کے آگے ''و'' کا استعمال حال کا صیغہ بنا دیتا ہے یوں لفظ ''نبیو'' کے معنی بن جاتے ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہے یعنی حال والا نبی۔ اس کے آگے آ جاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنا ذکر کر رہا ہے کہ جو حال والا نبی ہے یعنی جو نبا دے رہا ہے وہ اللہ ہے جو نبا دے رہا ہے۔

یوں لفظ ''نبیون'' جو کہ جملہ ہے بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ نبیون کے معنی ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہیں حال والے نبی۔

اب جب کہ آپ نے جان لیا کہ انبیاء ماضی کے نبی اور نبیون حال والے نبی تو پھر پیچھے جو ایک لفظ بچا نبیّن جو کہ لامحالہ مستقبل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں آنے والے نبی یعنی مستقبل میں آنے والے نبی۔

یہ بھی تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، ی، ن'' لفظ نبی کی وضاحت پیچھے ہو چکی آگے آ جاتا ہے ''ی'' جو کہ لفظ کے درمیان میں ہے جب بھی ''ی'' کسی لفظ کے درمیان میں استعمال ہو اور وہ اس کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو ''ی'' کے استعمال سے اس میں تسلسل یعنی دوام آ جاتا ہے جو اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتا ہے اور آگے آ جاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یوں عربی گرائمر کی رو سے لفظ نبیّن کے معنی بنتے ہیں مستقبل کے نبی یعنی آنے والے نبی، وہ نبی جو آگے آنے ہیں جو بعد میں آتے ہیں، بعد میں آنے والے نبی۔

آپ نے عربی گرائمر کی روشنی میں واضح طور پر جان لیا کہ قرآن میں استعمال ہونے والے ان پانچوں الفاظ میں سے ایک لفظ نبی واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ایک نبی، دوسرا لفظ نبیٍ یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں جو اس میں پھیلاؤ لاتی ہیں جس سے یہ جمع کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی کُل کے کُل نبی۔ پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ ان میں پہلا انبیاء جس کے معنی ماضی کے نبی دوسرا لفظ نبیون جس کے معنی ہیں حال والے نبی اور تیسرا اور آخری لفظ ہے نبیّن جس کے معنی ہیں بعد میں آنے والے نبی یعنی مستقبل والے نبی۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی جان لیتے ہیں کہ ان تینوں الفاظ کے معنی کیا ہیں؟

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَیَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡبِیَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ .البقرۃ ۹۱

ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. آل عمران ۱۱۲

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ. آل عمران ۱۸۱

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا . النساء ۱۵۵

قرآن میں مجموعی طور پر پانچ مقامات پر لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا ہے ان میں سے چار آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے قتل کیے جانے والے انبیاء کا ذکر کیا گیا جن کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا۔ ان چاروں آیات میں قتل کیے جانے والے انبیاء کو ماضی کے انبیاء کے طور پر پیش کر کے لفظ انبیاء کا استعمال یہ بات بالکل واضح کر دیتا ہے کہ انبیاء نہ تو تمام کے تمام نبیوں کو کہا جاتا ہے نہ ہی حال کے نبیوں کو اور نہ ہی مستقبل کے نبیّن کو بلکہ انبیاء ماضی میں گزر جانے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور پھر قرآن میں پانچویں مقام پر جہاں انبیاء لفظ کا استعمال ہوا وہ آیت بھی آپ کے سامنے ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ . المائدہ ۲۰

اس آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ نے اپنی نعمت کیوں کی اس کی وجہ بیان کی گئی اور اس وقت یہ وجہ بیان کی گئی جب بنی اسرائیل ذلت و ہلاکت کا شکار تھے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے تب ان پر واضح کیا گیا کہ ماضی میں جو تم پر اللہ نے اپنی نعمتیں کی تھیں ان کی وجہ ماضی میں تم میں آنے والے نبی تھے لیکن جب تم نے نبیوں کے آنے کا دروازہ ہی بند کر دیا تو یہ نتیجہ نکلا جو آج تم جس حال میں ہو۔ اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جہاں نہ صرف بالکل واضح الفاظ میں اس آیت میں ماضی کے انبیاء کا ذکر موجود ہے وہاں ان کے لیے انبیاء کا لفظ استعمال کیا گیا جس سے قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ ماضی میں گزر جانے والے انبیاء کو انبیاء کہا جاتا ہے۔

یہاں آیات کو کھول کر واضح نہیں کیا گیا نہ ہی آیات پر کوئی بات کی گئی اس کی وجہ ہمارا موضوع ہے موضوع کی مناسبت سے آیات کو سامنے رکھ کر بات کی گئی باقی آئندہ آگے چل کر اپنے موضوع کی مناسبت سے ان آیات کو ہر لحاظ سے بیّن کیا جائے گا یعنی انہیں ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کیا جائے گا۔

آپ نے جان لیا کہ ان پانچوں مقامات پر ماضی کے ہی انبیاء کا ذکر کیا گیا تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا اس کے برعکس باقی چار الفاظ میں سے یہاں کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور ایسا اسی لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن الحکیم ہے جب بات ماضی کے انبیاء کی کی جا رہی ہے تو ظاہر ہے ماضی کے انبیاء کے لیے جو لفظ ہے وہی استعمال کیا جائے گا یوں قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. البقرۃ ۱۳۶

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ . آل عمران ۸۴

قرآن میں مجموعی طور پر تین مقامات پر لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا ان میں سے دو مقام آپ کے سامنے ہیں جن میں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسباط یعنی جو اسی طرح پے در پے بعد میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ اور عیسیٰ کا ذکر ہے پھر عیسیٰ کے بعد والنبیون کا ذکر کیا گیا۔ اب یہاں سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی رسول و نبی تھے جو کہ محمد تھے تو پھر قرآن میں اللہ نے

یہاں پر انہی کے اصولوں کے مطابق جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد ایک ہی نبی ہے لیکن یہاں تو عیسیٰ کے بعد جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا آخرایسا کیوں؟ اگر خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی کے ہیں اور عیسیٰ نے کہا کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا اگر یہ سب سچ مان لیا جائے تو قرآن میں بہت بڑا تضاد سامنے آجاتا ہے ایک طرف عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی نبی نے آنا تھا اور دوسری طرف قرآن عیسیٰ کے بعد نبیون کا لفظ استعمال کر رہا ہے جو کہ ایک نہیں دو نہیں بلکہ دو سے زائد نبیوں کے لیے ہی استعمال کیا جاسکتا ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر یہ قرآن تو غیر اللہ کی طرف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

جب اپنے من گھڑت عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جائے گا تو ظاہر ہے نتیجتاً پورا قرآن آپ کو اختلافات سے بھرپور ملے گا حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ ان آیات میں ابراہیم سے لیکر عیسیٰ تک پوری ترتیب کیساتھ نبیوں کا ذکر کیا گیا اور عیسیٰ کے بعد محمد کی بجائے والنبیون کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ عیسیٰ کو انجیل دی گئی اور انجیل کے بعد ھذا القرآن جو اپنے نزول کے وقت سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لیے راہنمائی کرنے والی ہے تو عیسیٰ کے بعد محمد سے لیکر الساعت کے قیام تک کا سارا وقت قرآن کے نزدیک حال کا وقت بن جاتا ہے یعنی محمد کی بعثت سے لیکر الساعت کے قیام تک ہر لمحہ ہی قرآن کے لیے حال کا وقت ہے تو جب یہ مدت ہر لمحہ قرآن کے نزدیک حال کا ہی وقت ہے تو ظاہر ہے اس دوران اگر نبیوں کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال ہوگا۔ اب یہاں جو بھی لفظ استعمال ہوتا ہے وہ صرف اور صرف حال کا ہی صیغہ ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان آیات میں لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں حال والے نبی۔

اسی طرح قرآن میں تیسرے مقام پر جہاں نبیون لفظ کا استعمال کیا گیا وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ. المائدہ ۴۴

اس آیت میں اللہ نے تورات میں جب تک ہدایت ونور تھا اس پورے وقت کو حال بناتے ہوئے اس دوران جتنے بھی نبی ہیں ان کا ذکر کیا جس کے لیے نبیون کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی اگر آپ ایک سو سال کی مدت کو بطور حال سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں تو اس سو سال کے دوران ہر واقعے کے لیے آپ حال کا ہی صیغہ استعمال کریں گے بالکل اسی طرح اللہ نے اس آیت میں تورات والی مدت کو جب تک کہ انجیل میں ہدایت ونور لازم نہیں ہو گیا اس پوری مدت کو بطور حال سامنے رکھتے ہوئے بات کی اور جب وہ پوری مدت بطور حال سامنے رکھی تو اس میں جتنے بھی نبی ہوں گے ان کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال کیا جاسکتا اس لیے یہاں جو لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اس کا معنی ہے حال والے نبی یعنی حال والے نبیوں کو نبیون کہا جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے تین میں سے دو الفاظ انبیاء اور النبیون کی وضاحت کردی اب پیچھے بچا صرف ایک لفظ النبیّن۔

اب نہ صرف پیچھے ایک ہی لفظ بچا بلکہ ایک ہی صیغہ بچا ہے اور وہ ہے مستقبل کا صیغہ جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ النبیّن مستقبل میں یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کو کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم قرآن میں تیرہ آیات میں استعمال ہونے والے لفظ نبیّن میں سے کچھ آیات کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن میں لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا تا کہ لفظ النبیّن کے معنی کیا ہیں کسی بھی قسم کا کوئی شک و شبہ یا ابہام نہ رہے اور حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤـئِكَ رَفِيۡقًا. النساء ۶۹

اس آیت میں النبیّن کو رسول کی اطاعت سے مشروط کردیا کہ النبیّن انہیں میں سے ہوں گے جو رسول کی اطاعت کرنے والے ہوں گے یعنی دوٹوک الفاظ میں بالکل واضح یہ بات موجود ہے کہ رسول پہلے ہے اس کے بعد میں آنے والے نبی جو کہ رسول کی اطاعت سے ہی آسکتے ہیں ان کے لیے لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا جس سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو۔ اسی طرح اگلی آیت میں

دیکھیں۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا. النساء ۱۶۳

اس آیت میں اللہ کا کہنا ہے اس میں کچھ شک نہیں ہم وحی کر رہے ہیں تیری طرف بالکل اسی طرح جیسے ہم وحی کر رہے تھے نوحِ یعنی جو بہت سے نوح تھے ان کی طرف اور النبیّن کی طرف جو ان کے بعد تھے اور ہم وحی کرتے رہے ابراہیم کی طرف اور اسماعیل کی طرف اور اسحاق کی طرف اور یعقوب کی طرف اور اسباط یعنی پے درپے آنے والے نبیوں کی طرف اور عیسیٰ کی طرف اور ایوب کی طرف اور یونس کی طرف اور ہارون کی طرف اور سلیمان کی طرف اور دی تھی ہم نے داؤد کو زبور۔

اس آیت میں پہلے نوحِ کی طرف وحی کرنے کا ذکر کیا گیا پھر نوحِ کے بعد النبیّن اور پھر اس کیساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا بھی استعمال کیا اور نوحِ کے بعد والے نبیوں کے جب نام لیے گئے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن نبیوں کا یہاں نام لیکر ذکر کیا گیا کیا وہ نوحِ سے پہلے والے نبی تھے؟ یا پھر نوح سے تو نبیوں کی ابتداء ہوئی تھی جتنے بھی نبی ہیں وہ نوح کے بعد ہی ہیں؟ جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نوح پہلے نبی تھے اور اگر اس میں کوئی شک وشبہ ہو بھی تو جن کے نام لیے گئے وہ تو ہر کوئی جانتا ہے نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر اس آیت میں لفظ النبیّن کے ساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا استعمال کیوں کیا گیا؟

جب ہر کسی پر یہ واضح ہے کہ ابراہیم سے لیکر جن جن کے بھی نام لیے گئے وہ سب کے سب نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر النبیّن کے ساتھ من بعدہ کے الفاظ کا استعمال صرف اور صرف اس لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن اپنی وضاحت خود کر رہا ہے کہ النبیّن ان نبیوں کو کہتے ہیں جو بعد والے ہوتے ہیں۔

اس آیت میں نوح کے بعد والے نبیوں کا ذکر کیا گیا جس کے لیے نہ تو لفظ نبی کا استعمال کیا گیا نہ ہی انبیاء کا اور نہ ہی نبیون کا استعمال کیا گیا۔ جب قرآن الحکیم ہے تو جہاں بعد والے نبیوں کا ذکر کرنا مقصود ہے تو وہاں صرف اور صرف مستقبل کا صیغہ ہی استعمال کیا جا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور صیغہ استعمال کیا جاتا ہے تو قرآن الحکیم کیسے ہو سکتا ہے؟ نوح کے بعد والے نبیوں کا جب ذکر کیا جا رہا ہے تو اس کے لیے نبی، انبیاء یا نبیون کی بجائے لفظ النبیّن اسی لیے استعمال کیا کیوں کہ النبیّن بعد والے نبیوں کو ہی کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔ اور پھر ''وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ'' کے الفاظ لفظ نبیّن کی وضاحت کر رہے ہیں ورنہ تو ہر کوئی جانتا ہے جتنے بھی نبیوں کے نام لیے گئے وہ سب کے سب تو بعد میں ہی آئے۔ اس لیے یہاں ''وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ'' کے الفاظ لانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے لفظ النبیّن کی وضاحت کر رہا ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

یوں آپ نے جان لیا کہ قرآن نے ہر لحاظ سے یہ بات واضح کر دی کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے بات کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اللہ نے جب بھی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن سے پیچھے ماضی اور اس لائن سے آگے کو مستقبل قرار دیا پھر جب اللہ بات کرتا ہے تو اس لائن والے وقت کے لیے جو بھی بات کرتا ہے تو ایسے جیسے کہ ابھی حال کی بات ہو رہی ہے یوں اللہ اس کے لیے حال کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اس لائن سے پیچھے کے لیے ماضی کا صیغہ اور آگے کے لیے مستقبل کا صیغہ۔ بالکل اسی طرح اللہ نے جب جب نبیوں کی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن والے وقت میں جب بھی نبیوں کی بات کی تو ان کے لیے النبیون کا لفظ استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ النبیون حال والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور جب بھی اس لائن سے پیچھے والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء ماضی کے نبیوں کو کہا جاتا ہے پھر جب بھی اس لائن کے بعد والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے النبیّن کا لفظ استعمال کیا جس سے کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یوں تینوں الفاظ کی قرآن خود کھول کھول کر وضاحت کرتا ہے۔

اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ العزیز الحکیم نہیں ہے؟ کیا یہ قرآن الحکیم نہیں ہے؟

جب اللہ العزیز الحکیم ہے تو اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے یعنی اللہ نے اس قرآن میں جو جو الفاظ استعمال کیے جہاں جہاں استعمال کیے جہاں جہاں جو فرق بھی رکھا جو ترتیب رکھی اس میں رائی برابر بھی فرق یا تبدیلی نہیں کی جا سکتی اللہ نے جہاں بھی جو بھی فرق رکھا اگر اسے نظرانداز کیا جائے گا یا اس میں کہیں بھی ردو بدل کی جائے گی تو یہ اپنے عمل سے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر ہوگا۔

اب آپ خود بتائیں کیا آج تک ایسا ہوا کہ کسی ایک بھی مترجم و مفسر قرآن کے دعویدار نے اس فرق کو مدنظر رکھا ہو؟

کیا آج تک کسی نے بتایا کہ قرآن میں چار الگ الگ الفاظ ہیں اور اگر الگ الگ ہیں تو ظاہر ہے اللہ نے بغیر مقصد کے تو استعمال نہیں کیے اور پھر ان میں فرق کیا ہے کیا آج تک کسی نے واضح کیا؟ یا پھر تمام کے تمام مترجمین ومفسرین نے جہاں جہاں بھی یہ الفاظ آئے ان کا ایک ہی ترجمہ وتفسیر کی نبیوں کی جمع؟

کیا آج تک خود کو مترجم ومفسر قرآن کہلوانے والوں نے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر نہیں کیا؟

کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ دشمنی نہیں کی؟ یہ اللہ کیساتھ شرک عظیم نہیں ہے؟

یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسی قرآن میں بار بار فاسق کہا ہے جو بات کو بدل دیتے ہیں جو اللہ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اللہ کے رکھے ہوئے فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جب آپ اللہ کی بات میں تبدیلی کریں گے اس میں فرق کو نظرانداز کریں گے تو ظاہر ہے آپ کسی بھی صورت اصل نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے آپ حق کو پا ہی نہیں سکتے اس کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔

ایسا کرنے والے مجرمین ہیں جن کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں حالانکہ وہ خود کو سب سے بڑے ہدایت یافتہ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

ان کے ختم نبوت کے عقیدے کی بنیاد جن دو دلائل پر کھڑی تھی انہیں ہر لحاظ سے اکھاڑ کر رکھ دیا آپ نے جان لیا کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے باطل و بے بنیاد عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے انہیں بنیاد فراہم کرنے کے لیے قرآن کیساتھ تراجم وتفاسیر کی صورت میں کھلواڑ کیا۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ خاتم النبیّن کے معنی ہیں آنے والے تمام کے تمام نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول وخاتم النبیّن بعث نہیں کر دیا جاتا۔ محمد کے بعد جب تک کہ اگلا رسول نہیں آتا تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان میں سے صرف وہی اللہ کے رسول بن پائیں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جو محمد کے فلٹر سے نہیں نکلیں گے وہ اللہ کے ہاں نبی رسول نہیں بلکہ نبی کذاب کہلائیں گے وہ مجرمین ہوں گے جنہیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھالیں اس کے باوجود جب انہوں نے انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری کو اٹھالیا تو ایسے تمام کے تمام نبیّن رسول نہیں بلکہ مجرمین شیاطین ہیں۔

اب آتے ہیں اس آیت کی مکمل وضاحت کی طرف اور اس آیت کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد جن روایات کو پیش کیا جاتا ہے اور ان کی بنیاد پر نعرے لگائے جاتے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور تیس کذاب ہوں گے وغیرہ ان روایات کی آڑ میں کس طرح دھوکا دیا جاتا رہا اس کو بھی ہر لحاظ سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَا كَانَ نہیں کیا تھا، یہاں یہ بات جان لیں کہ کان کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ کان ماضی کا صیغہ ہے جو کہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے کان اسی لفظ کی حالت ہے جس کی ایک حالت کن ہے اس کے علاوہ ایک حالت کونو اور ایک حالت کانو ہے۔ کان کے معنی ہیں جو بات قانون میں ہو چکی جیسے مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہو آپ اسے کوئی کام کہتے ہیں تو وہ آپ کو کہتا ہے کہ تمہارا کام ہو گیا حالانکہ ابھی وہ کام نہیں ہوا مطلب یہ کہ جب بادشاہ نے کہہ دیا ہو گیا تو سمجھو وہ ہو گیا قانون میں وہ ہو چکا اب بس وقت کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا وہ کام ہو جائے گا بالکل ایسے ہی ایک بات ایک کام جو قانون میں ہو چکا جو طے ہو چکا اس کے لیے لفظ کان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ کا کہنا ہے کہ مَا كَانَ اللہ نے یہ بات قانون میں ہی نہیں کی اللہ نے یہ قانون میں کیا ہی نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کون سی بات کیا ہے جو اللہ نے

قانون میں کیا ہی نہیں تھا تو آگے اسی سوال کا جواب ہے مُحَمَّدٌ' لفظ محمد کی د پر دو پیش ہیں دو پیش کیوں آتی ہیں اسے سمجھنے کے لیے پہلے پیش کو سمجھنا لازم ہے۔

زیر کو عربی میں جر کہتے ہیں اور جر کے معنی ہوتے ہیں آگے بہنے کے یعنی مستقبل میں جانے کے جب بھی زیر کا استعمال ہوتا ہے تو زیر اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتی ہے مثلاً لفظ رسول کی لام کے نیچے اگر زیر کا استعمال ہو تو یہ لفظ بن جائے گا رسولِ جس کے معنی بنیں گے آگے آنے والا رسول یعنی مستقبل کا رسول۔ جب آپ نے جان لیا کہ زیر کسے کہتے ہیں تو زیر کی ضد ہے زبر جب زیر سے مستقبل کا صیغہ بنتا ہے تو لامحالہ زبر سے ماضی کا صیغہ بنے گا یعنی جیسے زیر مستقبل میں آگے کو دھکیلتی ہے اسی طرح زبر پیچھے کو ماضی میں دھکیلتی ہے مثلاً اگر لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال کیا جائے تو یہ لفظ بن جائے گا رسولَ جس کے معنی ہوں گے ماضی کا رسول یعنی وہ رسول جو گزر چکا۔ اب پیچھے رہ جاتی ہے پیش اور پیش بنتی ہے ''ہ'' اور ''زیر'' کو جمع کرنے سے، زیر کا تو آپ کو علم ہو چکا اور ''ہ'' کا استعمال ہوتا ہے کسی کی طرف اشارے کے لیے مثلاً آپ کسی شئے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ''ہ'' کا استعمال کیا جائے گا، جب ''ہ'' کسی شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے تو ظاہر ہے وہ شئے اپنا وجود رکھتی ہے اور ''ہ'' کیساتھ زیر جوڑنے سے یہ پیش بن جاتی ہے جس کے معنی بنتے ہیں جو موجود ہے وہ آگے کو جا رہی ہے یعنی وہ شئے جو نہ صرف موجود ہے بلکہ مسلسل آگے کو جا رہی ہے یعنی جسے آپ حال کہتے ہیں پیش کے استعمال سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے مثلاً لفظ رسول کی لام پر پیش کا استعمال کیا جائے تو لفظ بن جائے گا رسولُ جس کے معنی بنیں گے وہ رسول جو موجود ہے آگے کو جا رہا ہے یعنی حال والا رسول جو موجود ہے۔

اب آتے ہیں دو زیر دو زبر اور دو پیش کی طرف۔

زیر تو آپ جان چکے ہیں آگے جانے کو کہتے ہیں اور دو زیر کے معنی ہوتے ہیں جتنا آگے جایا جا سکتا ہے جتنا پھیلاؤ آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کو ہی لے لیں جب لفظ رسول کی لام کے نیچے دو زیریں آ جائیں تو لفظ بن جائے گا رسولٍ جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول میں جتنا بھی پھیلاؤ آ سکتا ہے لفظ رسول جتنا بھی آگے بڑھ سکتا ہے جس کے معنی بنیں گے جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر دو زبر آ جائیں تو آپ جان چکے ہیں کہ زبر کے معنی ہیں پیچھے جانا یعنی ماضی میں جانا اور دو زبر کے معنی ہوتے ہیں جتنا پیچھے جایا جا سکتا ہے جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کے لام پر دو زبریں آ جائیں تو یہ لفظ بنے گا رسولً لیکن اسے یوں نہیں لکھا جائے گا بلکہ اس کے آخر میں الف کا استعمال کیا جائے گا جس سے یہ یوں لکھا جائے گا رسولاً جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول جتنے پیچھے سے پیچھے جا سکتا ہے یعنی لفظ رسول میں جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے تو وہ ایک ہی رسول بنے گا یعنی ایک رسول۔

اب آتے ہیں دو پیش کی طرف، آپ جان چکے ہیں کہ پیش حال کا صیغہ بناتی ہے اور پیش ''ہ'' اور زیر کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے تو دو پیش یعنی ایک پیش پر الٹی پیش اس کے معنی کیا بنیں گے اسے بالکل آسان ترین الفاظ میں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ پیش ''ہ'' پلس زیر ''ہِ'' ''ہ'' شئے کی طرف اشارہ ہے اور زیر اس شئے کو آگے لے جا رہی ہے یعنی وہ شئے جو نہ صرف موجود ہے بلکہ آگے جا رہی ہے نہ کہ پیچھے، تو جتنا آگے جا سکتی ہے وہاں جا کر وہاں پر پھر الٹی پیش آ جاتی ہے اور الٹی پیش ''ہ'' اور زبر کا مجموعہ ہے یعنی ایک شئے جو موجود ہے اور آگے جا رہی ہے جہاں تک وہ آگے جاتی ہے وہاں سے وہ پھر واپس پیچھے کو سفر کر رہی ہے یوں یہ کسی بھی شئے کی مکمل زندگی کی مدت کا تعین ہوتا ہے یعنی دو پیش کے معنی بنتے ہیں جب تک شئے موجود رہی کسی بھی شئے کی مکمل زندگی کی بات ہو رہی ہے اس مدت کی بات ہو رہی ہے جو اس کی مدت ہے جتنی مدت وہ موجود رہی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ' اس آیت میں لفظ محمد کی ''د'' پر دو پیش ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک محمد دنیا میں موجود تھے اس پوری مدت کی بات ہو رہی ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ' اللہ نے یہ قانون میں ہی نہیں کیا تھا کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ابا تھے تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی، رجال رجل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بالغ با اختیار مرد اور ابا کے معنی آپ پیچھے تفصیل کیساتھ جان چکے ہیں کہ ابا کہتے ہیں جس کی ملت پر چلا جائے جسے رول ماڈل بنانا ہے، اس نے کیسے زندگی گزاری کب کب کس کس موقع پر کیا کیا کیسے کیا بالکل ویسے ہی کرنا ہے۔

جو کچھ آج تک پھیلا دیا گیا لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا اس کی بنیاد پر یہ بات بہت تلخ ہے اور ہلا کر رکھ دینے والی ہے لیکن یہ حق ہے اور اللہ خود یہ کہہ رہا

ہے کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے وہ تمہارے بااختیار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے رول ماڈل نہیں تھے کسی ایک کو بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کسی ایک کے لیے بھی یہ نہیں کیا تھا کہ محمد کی ملت پر چلنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر محمد کی ملت پر نہیں چلنا تھا محمد ابا نہیں تھے تو پھر ابا ہیں کون؟ کس کی ملت پر چلنا ہے کسے رول ماڈل بنانا ہے؟ اور پھر محمد تھے کیا؟ ان کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ تو اس کا جواب اللہ نے قرآن کے دوسرے مقام پر دے دیا۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے۔

آج آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح جس طرح یہودیوں نے کہا کہ موسیٰ ہمارے ابا ہیں ہم موسیٰ کی ملت پر چلیں گے اور وہ اسی پر ڈٹ گئے انہوں نے ابا ابراہیم کو چھوڑ کر موسیٰ کو ابا بنالیا اور ان کے بعد عیسائیوں نے بھی وہی کیا کہ ابا ابراہیم کو ترک کر کے عیسیٰ ابن مریم کو اپنا ابا بنالیا اور اسی پر ڈٹ گئے بالکل اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو امت مسلمہ کہلوانے والوں نے بھی وہی کیا انہوں نے بھی یہی کیا کہ ہمارے ابا ابراہیم نہیں بلکہ محمد ہیں اور آج تک یہ محمد کو اپنا ابا بنائے ہوئے اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اسی کی اللہ نے نفی کرتے ہوئے ان کے اس عقیدے ونظریے کا رد کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ محمد تمہارے بالغ و بااختیار مردوں میں سے کسی کے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے تمہارے لیے رول ماڈل ابراہیم تھے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہمارے ابا محمد نہیں بلکہ محمد کے برعکس ابراہیم تھے محمد کی ملت پر چلنے کا کبھی بھی نہیں کہا گیا تو پھر محمد کیا تھے؟ کس بنیاد پر محمد کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا؟ کس بنیاد پر اس وقت کے لوگوں نے جب محمد موجود تھے محمد کی اطاعت واتباع کی، محمد کو اپنا رول ماڈل بنایا یعنی محمد میں اپنے لیے اسوہ حسنہ اخذ کیا؟ کس بنیاد پر اس وقت لوگوں نے محمد کی ملت کی اتباع کی؟

تو ان تمام سوالات کا جواب بھی سورت الاحزاب کی اسی آیت میں آگے دیدیا گیا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور لیکن رسول تھے اللہ کے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں ہونا لازم ہے کہ لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال ہوا ہے جس کا معنی بنتا ہے وہ رسول جو ماضی کا حصہ بن گیا ماضی کا رسول گزرا ہوا رسول یعنی رسول تھے اب نہیں ہیں۔

اللہ نے یہاں یہ بات واضح کر دی کہ محمد رسول تھے اس لیے جب تک وہ موجود تھے تو محمد کی ملت نہیں بلکہ رسول کی ملت کی اتباع کی گئی رسول کو ابا بنایا گیا نہ کہ محمد کو، رسول کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ کیا گیا نہ کہ محمد کی ذات میں، اس وقت اگر محمد کی جگہ کوئی اور رسول ہوتا تو جو بھی رسول ہوتا تو رسول کی ملت کی اتباع کرنا تھی رسول کو ابا بنانا تھا نہ کہ اس شخص کو۔

کیونکہ جب آپ قرآن میں دیکھیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ نے صرف اور صرف ایک ہی شخص کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اس کے علاوہ کسی شخص کا نام نہیں لیا اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔ ابراہیم کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے امام بنا دیا اس کے علاوہ لفظ رسول کا استعمال کیا اور وہ اس لیے کہ جو بھی شخص رسول ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی ملت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو محض ابراہیم کی ملت کیا ہے اس کو واضح کرتا ہے وہ تو خود ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہا ہوتا ہے، رسول کے ذریعے ہی تو انسانوں پر واضح کیا جاتا ہے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے اور اسی کو آپ قرآن کی درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ . الممتحنة ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام ہمارے ابا ہیں یعنی وہ ہمارے لیے رول ماڈل ہیں ان کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تو پھر ہم ان کو کس طرح رول ماڈل بنا سکتے ہیں کیونکہ رول ماڈل تو وہی ہوتا ہے جس کی زندگی آپ کے سامنے ہو اس نے زندگی گزاری تو کیسے گزاری تا کہ ہم بھی اسی کی طرح اپنی زندگی گزاریں وہ کیسے کھاتا تھا کیا کھاتا تھا کیسے اور کیا پیتا کب کون سا کام اور کیسے کرتا اس پر حق کیسے واضح ہوا وغیرہ لیکن ابراہیم کی تو ہزاروں سال قبل ہی وفات

ہو چکی ہمیں تو علم ہی نہیں کہ انہوں نے کیسے زندگی گزاری تو ہم ان کی ملت پر کیسے چل سکتے ہیں جب کہ نہ ہم نے انہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ اتنا علم ہے؟ کیونکہ رول ماڈل یعنی ابا تو اسے ہی بنایا جا سکتا ہے جس کی زندگی آپ کے بالکل سامنے ہو جس کی زندگی کھلی کتاب ہو۔

تو اسی سوال کا جواب اللہ نے قرآن میں دے دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو دیکھ رہے ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔ الممتحنة ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

ہم جانتے ہیں کہ ابراہیم تو ہم میں موجود ہی نہیں نہ ہی ہم ان کے بارے میں اتنا جانتے ہیں تو پھر ابراہیم میں اپنے لیے اسوہ حسنہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے؟ جس میں اسوہ حسنہ اخذ کیا جائے وہ عربی میں ابا کہلاتا ہے تو ہم ابراہیم کو ابا کیسے بنا سکتے ہیں؟ تو اسی سوال کا اللہ نے ساتھ ہی جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ایسے جو اس کے ساتھ ہیں۔

ابراہیم میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا یعنی اپنے لیے رول ماڈل بنانا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ابراہیم تو موجود ہی نہیں ان کی ہزاروں سال پہلے وفات ہو چکی تو پھر ان کو ابا یعنی رول ماڈل کیسے بنایا جا سکتا ہے تو اسی کا اللہ نے ساتھ ہی آگے جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے انکی ملت پر چلنا ہے ان کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنی ہے جو ابراہیم کے ساتھ ہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہیں ان کی پہچان کیا ہے؟

تو آگے اللہ نے اسی سورت کی آیت نمبر ۶ میں ان کی وضاحت کردی کہ وہ کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جن کے ذریعے تم پر واضح ہوگا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جائے گا ابراہیم کی ملت کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. الممتحنة ۶

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کیونکہ یہ قدر میں کر دیا گیا تھا تمہارے لیے ان میں ہے اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کر رہا ہے اور جو پھر گیا پس اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو کچھ بھی موجود ہے وہ الغنی ہے الحمید ہے یعنی اگر تم رجوع نہیں کرتے تم ایسے شخص میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کرتے جو اللہ اور یوم الآخر سے رجوع کر رہا ہے تو اس سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا وہ تمہارا نہیں بلکہ وہ تمہاری جگہ کسی اور کو لے آئے گا نقصان تمہارا اپنا ہی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ ابراہیم کے ساتھ والے کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے وہ ہیں ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہے ہیں جس سے رجوع کرنا ہے اللہ تھا اور یوم الآخرہ۔

اللہ سے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے جب تک اسے سمجھ نہیں لیا جاتا تب تک بات کھل کر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ جب اللہ اور یوم الآخرہ کی وضاحت ہو جائے گی تب خود بخود ان کی پہچان ہو جائے گی کہ کون ہے جو اللہ اور یوم آخرہ سے رجوع کر رہا ہے اور جو فلاح کا طلب گار ہے اسے بھی اسی کی اطاعت واتباع میں اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا ہوگا۔

پیچھے آپ پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آپ کو ہر طرف اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ سے رجوع کرنا اپنی تمام تر ضروریات کے لیے فطرت پر انحصار کرنا ہے یعنی جب آپ کے پاس ہدایت آ جائے حق آ جائے تو غیر اللہ کو ترک کرتے ہوئے فطرت کی طرف پلٹنا اللہ سے رجوع کرنا کہلاتا ہے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے اسے سمجھنے کے لیے آپ کو پہلے یوم الآخرہ کو جاننا ہوگا۔ اس وقت آپ دنیا میں موجود ہیں یہ پہلا مرحلہ ہے آج دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں گے جو جو اعمال کریں گے یہ زمین اگلے مرحلے میں ویسی ہی بن جائے گی اور آپ کو اسی کا سامنا کرنا پڑے گا یعنی اگر آج آپ زمین میں فساد کرتے ہیں، جو زمین میں فساد کر رہے ہیں ان کی معاونت کرتے ہیں تو اس فساد عظیم کی وجہ سے یہ زمین جہنم بن جائے گی تو جب یہ زمین جہنم بن جائے گی تو تمام

انسانوں کو دوبارہ وجود میں لایا جائے گا اور جو جو اس زمین کے جہنم بننے میں حصے دار ہوں گے انہیں اسی میں رہنا ہوگا اور اگر آج آپ اصلاح والے اعمال کرتے ہیں تو اگلے مرحلے میں جو کہ الآخرۃ کہلاتا ہے میں جو خلاء میں آپ کو سیارے نظر آرہے ہیں وہ باغات میں بدل چکے ہوں گے تو آپ کو بدلے میں ان میں سے آپ کے درجے کے مطابق دیا جائے گا یہ ہے یوم الآخرہ۔ یوم الآخرہ سے رجوع کرنا یہ ہے کہ آج جو زمین میں فساد کیا جارہا ہے اسے ترک کر دیا جائے تاکہ زمین کے جہنم بننے میں حصے دار نہ بن جائیں۔ اب آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سا بشر ہے جو گمراہیوں کو ترک کر کے اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے یعنی فطرت کی طرف پلٹ رہا ہے اسی کی طرف پلٹنے کی دعوت دے رہا ہے جو بھی ایسا آپ کو نظر آئے تو وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابراہیم کا ساتھی ہے جس کی اتباع کرنی ہے جو کہ آپ پر اپنے عمل سے ملت ابراہیم کو کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

یہاں اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ ابراہیم کے ساتھ کون ہے جس میں اسوہ حسنہ ہے وہ جو اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے تو ذرا غور کرو کیا تمہارے درمیان کوئی ایسی شخصیت موجود ہے اگر ایسی شخصیت موجود ہے تو جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے جیسا کر رہا ہے وہ ابراہیم کی ہی ملت ہے اللہ اس کے ذریعے تم پر ابراہیم کی ملت واضح کر رہا ہے اور دیکھیں اگلی آیت میں اللہ نے ان کو رسول قرار دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ الاحزاب ۲۱

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کہ تھا تمہارے لیے بعد میں آنے والے رسول میں اسوہ حسنہ، آگے نہ صرف بعد میں آنے والے رسول کی پہچان کیا ہے بلکہ جو رسول میں اسوہ حسنہ اخذ کرتا ہے دونوں کی پہچان بتا دی اور وہی پہچان جو پچھلی آیت میں واضح کی گئی۔ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس آیت میں مزید اس کی پہچان کے لیے راہنمائی کر دی وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا اور یاد کرتا ہے کثیرا اسے جو بھلا دیا گیا تھا اور جو بھلا دیا گیا تھا جسے یاد کرنا ہے وہ اللہ تھا۔

وہ بشر جسے جو بھی حاجت لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اپنی تمام تر ضروریات وحاجات کے لیے اللہ کی طرف لپکتا ہے اور یوم الآخر سے رجوع کرتا ہے جو اللہ کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کر رہا ہے وہ اللہ کا رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے یعنی وہ تم پر واضح کر رہا ہے کہ ابراہیم اگر اس وقت دنیا میں ہوتے تو وہ کیا کرتے ان کی ملت کیا ہے۔

ان آیات میں اللہ نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ تمہارے ابا ابراہیم ہیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ ابراہیم کو تم کس طرح اپنا ابا بنا سکتے ہو۔ ابراہیم چونکہ وفات پا چکے تو ان کو ابا بنانے کے لیے ہم تم میں تمہی سے ایسی شخصیات بھیجتے رہتے ہیں جو عملی طور پر تم پر ابراہیم کی ملت کیا ہے اسے واضح کرتی ہیں لہذا تم نے ان کی اتباع کرنی ہے جیسا وہ کریں بالکل ویسا ہی تم نے کرنا ہے اور اللہ نے ان شخصیات کو رسول قرار دیا۔ یعنی رسول بھیجنے کا مقصد یہ نہیں کہ رسول تمہارا ابا ہے بلکہ رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول کے ذریعے تم پر واضح کر دیا جائے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے یوں تم رسول کی اتباع نہیں بلکہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہے ہوتے ہو۔

اب آپ کو یہ بات بھی کھل کر سمجھ آ چکی ہوگی کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر چالیس میں یہ کیوں کہا گیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور لیکن اللہ کے رسول تھے یعنی محمد کو بھیجا گیا تھا تاکہ تم پر محمد کے ذریعے یہ واضح کیا جا سکے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے کیونکہ اس وقت تم میں سے بہت سے ابراہیم کے ابا ہونے کا دعویٰ تو کر رہے تھے لیکن وہ اپنے ابا ابراہیم کی ملت کو بھول کر بت پرستی میں مگن تھے بہت سے ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے اور کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر ابراہیم کو ابا بنانے کی بجائے موسیٰ کو ابا بنائے ہوئے تھے اور اسی طرح کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر عیسیٰ کو اپنا ابا بنائے ہوئے تھے، جیسے ان کو کہا تھا ان پر واضح کیا تھا کہ تمہارے ابا موسیٰ اور عیسیٰ نہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابراہیم کی ملت کو بھول کر موسیٰ وعیسیٰ کو اپنا ابا بنا لیا تھا اور جب ضلال مبین میں چلے گئے تو ہم نے رسول بعث کیا جس نے ان پر آ کر واضح کیا کہ ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے تو انہوں نے اس کا کفر کر دیا بالکل اسی طرح تم پر بھی واضح کر دیا گیا تھا تاکہ کل کو تمہارے پاس بھی کوئی بہانہ نہ رہے۔ جب کل کو تم ضلال مبین میں چلے جاؤ اور رسول بھیجا جائے تو ایسا نہ ہو کہ تم محمد کو ابا بنائے ہوئے رہو اور ہمارے رسول کی

تکذیب کردو اگر ایسا ہی کرو گے تو تمہارے پاس کل کو کوئی عذر یا بہانہ نہ ہوگا، اور جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا تم نے بھی وہی کیا تم بھی ابراہیم کی ملت کو بھول کر محمد کو اپنا ابا بنا بیٹھے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ محمد تمہارے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے محمد تو محض ایک رسول تھے جو اس وقت انسانوں پر یہ واضح کرنے آئے تھے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے تا کہ انسان رسول کے ذریعے ابراہیم کی ملت کی اتباع کر کے ابراہیم کو اپنا ابا بنا سکیں۔ اور آگے اللہ نے مزید کہا وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ اور خاتم تھے یعنی فلٹر تھے چھلنی تھے بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ نہیں آجاتیں اور اگلا رسول وخاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ محمد خاتم النبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے فلٹر تھے کہ کون سے نبی اللہ کے رسول بن سکتے ہیں وہی نبی اللہ کے رسول ہوں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے یعنی وہ بالکل اسی طرح اللہ کی غلامی کریں گے جیسے محمد نے کی، جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے وہی اللہ کے نبی رسول ہوں گے ورنہ جو اس فلٹر سے نہیں نکلیں گے اگر ان کا موازنہ محمد کیساتھ کرنے سے ان میں اور محمد میں فرق نظر آئے تو وہ نبی اللہ کے رسول نہیں بلکہ کذاب شیاطین ہوں گے مجرمین ہوں گے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ. الاحزاب ۴۰

اس آیت کو اور بالخصوص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ حق ہر پہلو سے ہر لحاظ سے کھل کر آپ پر واضح ہو جائے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو باشعور بھی ہو اور اس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے یا اس کائنات کی حقیقت کیا ہے وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے اردگرد دیکھتا ہے تو اسے کوئی بھی شئے یہاں تک کہ ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی تخلیق کا کوئی مقصد نہ ہو ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد نظر آتا ہے۔ اگر انسان خود بھی کچھ بناتا ہے یا خریدتا ہے تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہ کبھی کچھ کررہا ہوتا ہے اور کبھی کچھ، اس کے آباؤاجداد کچھ اور کرتے رہے، انسانوں میں سے ہر کوئی بے مقصد اور جدھر اس کا رخ ہوتا ہے ادھر ہی بھاگ رہا ہے کسی کو بھی علم نہیں کہ اس کی منزل کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ یوں انسان سوچتا ہے اس کے دل و دماغ میں یہ سوال بار بار کھٹکتا ہے کہ آخر اس کے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ جب وہ اس سوال کے جواب کو جاننے کے لیے سوچ و بچار کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خود اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اسے یہ ہی نہیں معلوم دنیا میں آنے کا مقصد تو بعد کی بات ہے۔

مثلاً اگر آپ کے جسم کے کسی بھی عضو کی طرف اشارہ کیا جائے آپ کے پاؤں کی طرف اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ پاؤں ہے اور اگر پھر سوال کیا جائے کہ کس کا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح بتدریج آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ کا جواب ہوگا میرا جسم ہے۔ آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں کوئی شئے ہو مثلاً قلم اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قلم کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کی ہے تو آپ نے کہا میری ہے اس کا مطلب کہ قلم آپ نہیں ہیں بلکہ آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کررہے ہیں تو جس طرح قلم آپ نہیں ہیں آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کررہے ہیں بالکل عین اسی طرح آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کررہے ہیں کہ یہ میرا جسم ہے جس کا مطلب کہ یہ جسم آپ نہیں ہو۔ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کررہا ہے۔ اب آپ سے سوال ہے کہ آج تک آپ اسی جسم کو اپنا وجود سمجھتے رہے لیکن کیا حقیقت یہی نکلی؟ نہیں بلکہ آپ تو خود یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ جسم میرا ہے، جس کا مطلب آپ یہ جسم نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو اور آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کررہے ہو۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کون ہو؟ وہ کون ہے جو میں میرا میرا کررہا ہے؟ اگر آپ یہی جسم ہو تو پھر آپ اس جسم سے پہلے کیا تھے؟ کہاں تھے؟ اور جب اس جسم کی موت ہو جاتی ہے تو وہ کون ہوتا ہے جو اس جسم میں اس سے پہلے میں میں کررہا ہوتا ہے؟

ذرا غور کریں آپ پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ جس پانچ، چھ فٹ کے جسم کو آج تک آپ اپنا وجود سمجھتے رہے کہ یہی آپ ہو آج حقیقت اس کے بالکل

برعکس نکلی اور اب اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا یعنی آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے جس کا مطلب کہ آپ اپنے آپ کو ہی بھول چکے ہوئے ہو۔

اسی کو عربوں کی زبان عربی میں انسان کہتے ہیں۔ لفظ انسان بنا ہے چار الفاظ کے مجموعے سے ''ا، نس، ا، ن'' جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو نہ صرف وہ آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ آگے اسی سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے تو لفظ انسان کے شروع میں بھی الف آتا ہے جو اگلے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے ''نس'' جس کے معنی ہیں بھول جانا، بھولا ہوا۔

''نس'' کو ایک مثال سے سمجھ لیں مثلاً اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر تک آپ نے کیا کیا کیا؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ کیا آپ کو کچھ یاد پڑتا ہے؟ نہیں آپ کو کچھ بھی یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ آپ پر کبھی ایسا وقت آیا ہی نہیں۔ اگر آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پر ایسا وقت آیا تھا اور آپ کو یاد نہیں رہا یعنی آپ بھول گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے ہر روز یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آپ کے سامنے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پلتا بڑھتا جوان ہو رہا ہے اس کے علاوہ آپ اپنے آپ میں بھی تبدیلیاں دیکھ رہے ہیں کہ کچھ عرصے پہلے آپ چھوٹے تھے آپ بڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ بڑھاپے کی طرف جا رہے ہیں ان مشاہدات کی بنا پر آپ کو یہ یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت آ چکا ہے اس لیے آپ تسلیم کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بھول چکے ہوئے ہیں ایسے بھول چکے ہوئے ہیں کہ جیسے ایسا وقت کبھی آپ پر آیا ہی نہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔

آپ ذرا غور کریں اگر آپ کے سامنے بچہ پیدا نہ ہو وہ پلے بڑھے نہ یعنی جن مشاہدات کی بنا پر آپ کو یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت گزر چکا ہے اگر آپ یہ مشاہدات نہ کر سکتے تو کیا پھر بھی آپ کو یقین ہوتا کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے؟ کیا پھر بھی آپ تسلیم کرتے کہ ہاں ایسا وقت گزر چکا ہے مگر میں بھول چکا ہوں؟

نہیں بلکہ پھر آپ کبھی بھی تسلیم نہ کرتے اس وقت تک جب تک کہ آپ پر اس قدر واضح نہ کر دیا جاتا کہ آپ کو یقین ہو جاتا۔

اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔ الف جمع نس لفظ بنے گا ''انس'' جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بھولا ہوا یعنی کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں، بالکل اس طرح بھول چکا جیسے اپنے بچپن میں دو تین سال تک کی عمر کے وقت کو بھول چکا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے آگے لفظ آ جاتا ہے ''الف'' جو کہ لفظ انسان کے آخر کی طرف درمیان میں آتا ہے جب بھی الف لفظ کے آخر کی طرف درمیان میں آئے تو اس میں کُل کے معنی آ جاتے ہیں یعنی اس میں کسی کو بھی استثنیٰ حاصل نہیں رہتا۔ اب لفظ انسان کے درمیان الف آنے سے پچھلے سوال کا جواب آ جاتا ہے کہ کُل کا کُل یعنی سب کا سب مکمل طور پر بھولا ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کا کُل کا کُل مکمل طور پر بھولا ہوا یا کسے مکمل طور پر بھولا ہوا؟ کیا ہے جسے مکمل بھولا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کا سب بھولا ہوا ہے؟ آگے اسی سوال کا جواب آ جاتا ہے ''ن'' اور ''ن'' کے معنی ہیں ہم اور اللہ یہ لفظ اپنے لیے استعمال کرتا ہے۔

یوں لفظ انسان کے معنی بنیں گے وہ جو خود اپنے آپ کو ہی مکمل بھولا ہوا ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے۔

اب ذرا غور کریں جب آپ پر سوالات کے ذریعے واضح کیا کہ یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے تو وہ کون ہے جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے یعنی آپ کون ہو تو آپ کے پاس کوئی جواب نہیں آپ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہو کہ آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے آپ خود اپنے آپ کو ہی اپنی ہی ذات کو بھولے ہوئے ہو اسی کو عربی میں انسان کہا جاتا ہے۔

انسان جو خود اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے۔ اب ذرا غور کریں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے؟ آپ کون ہو کیا ہو آپ کی حقیقت کیا ہے سمیت جتنے بھی سوالات ہیں ان کے جوابات کون دے سکتا ہے؟ کیا کوئی بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب دے سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔ اگر بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوتا تو پھر آپ خود جو بھولے ہوئے ہو آپ کو کسی دوسرے سے رجوع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یعنی کوئی بھی بھولا ہوا ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے سکتا وہ یہ راہنمائی نہیں کر سکتا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے پورا کیسے کرنا ہے وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ کون ان سوالات کے جوابات دے سکتا ہے کون ہے جو راہنمائی کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان اور واضح ہے ظاہر ہے وہی جواب دے سکتا ہے وہی راہنمائی کر سکتا ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے جسے سب یاد ہے جسے یہ علم ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے کہاں سے آیا ہے اس دنیا میں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہے انسان کو دنیا میں کیوں لایا گیا اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے وہ ہر سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے تو نہ صرف اس کا جواب تھوڑا سا غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے بلکہ قرآن خود بار بار اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ پیچھے ہم نے کہا تھا کہ لفظ انسان کے آخر میں ''ن'' کے معنی ہم ہیں اور اللہ خود اپنے لیے ''ن'' کا استعمال کرتا ہے یعنی اللہ ہے جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی بادشاہ ہو اور اس کی یادداشت چلی جائے وہ خود اپنے آپ کو ہی بھول جائے اور ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں سب فقیر ہوں تو وہ خود کو فقیر ہی سمجھے گا اسے اس بات کا رائی برابر بھی علم نہ ہو گا کہ وہ بادشاہ ہے بالکل ایسے ہی انسان کے معنی ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ اللہ خود اپنے آپ کو بھولا ہوا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے۔

اسی کا قرآن میں کئی مقامات پر ہر پہلو سے ذکر کیا گیا مثلاً آپ سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ کو ہی دیکھ لیجیے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ. الحشر ۱۹

پہلے اس آیت کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں کیوں کہ تراجم و تفاسیر کا بذات خود اس آیت کیساتھ گہرا تعلق ہے۔

''اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں۔ **فتح محمد جالندھری**

اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔ **احمد رضا خان بریلوی**

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔ **ابوالاعلیٰ مودودی**''

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کے علاوہ باقی بھی جتنے تراجم ہیں ان میں بھی آپ کو وہی بات ملے گی جو ان تراجم میں موجود ہے تمام کے تمام تراجم و تفاسیر میں یہی کہا گیا کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے۔ اب ذرا غور کریں قرآن اللہ کا کلام ہے تو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ اس وقت اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کر رہا ہے انسانوں کو کہہ رہا ہے یعنی آپ کو اللہ کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ اب آپ سے سوال ہے کہ بھولا کس کو جاتا ہے؟

اس کا جواب بالکل واضح ہے بھولا تو اس کو جاتا ہے جو پہلے یاد ہو، تو اس کا مطلب کہ آپ کو اللہ یاد ہے اس لیے آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ آپ بتائیں اللہ کیا ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اللہ کے بارے میں مکمل علم کا اظہار کریں؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ نہیں بالکل نہیں اگر کوئی جواب دیں گے بھی تو آپ وہی کہیں گے جو آپ بچپن سے اللہ کے بارے میں سنتے آئے اور اگر وہ سچ ہے تو اس کا مطلب دنیا کے تمام مذاہب میں یا ہر شخص نے اللہ کے بارے میں جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے وہ حق ہے سچ ہے؟

بھولا تو اس کو جاتا ہے جو یاد ہو لیکن کسی کو بھی علم نہیں کہ اللہ کیا ہے ہر کوئی اللہ کو بھولا ہوا ہے۔

جیسا کہ آپ قرآن کے درجنوں مقامات پر پڑھتے ہیں اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو، ذکر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھولے ہوئے کو یاد کرنا۔ آپ قرآن کی ان درجنوں آیات میں سے درج ذیل چند آیات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ. البقرۃ ۱۵۲

پس میں تھا جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا جسے تم بھول چکے مجھے یاد کر رہے ہو؟ اگر مجھے یاد کرتے ہو تو کیا ہے جسے تم نے یاد کیا؟ تم خود ہی ہو تم نے خود اپنے ہی آپ کو یاد کیا یعنی تم اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہو اگر تم مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود ہی سامنے آؤ گے، مجھے یاد کرنا حقیقت میں خود اپنے آپ کو یاد کرنا ہے۔ تم خو ہی سامنے آؤ گے کوئی اور نہیں۔

یہ آیت بالکل کھول کر واضح کر رہی ہے کہ اگر آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اصل میں آپ خود اپنے آپ کو یاد کریں گے جب آپ اللہ کو جان جائیں گے تو اللہ ہی

آپ کی اپنی ذات کے طور پر ہی سامنے آئے گا۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ. البقرۃ ۱۹۸

پس یاد کر رہے ہوا سے جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا ایسے کہ جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اللہ تھا جسے تم بھول چکے جسے یاد کرنا ہے۔

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ. آل عمران ۱۹۱

ایسے لوگ جو خود ہی یاد کر رہے ہیں اسے جو انہیں بھلا دیا گیا اور جو بھلا دیا گیا جسے یاد کر رہے ہیں اللہ تھا۔

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. الرعد ۲۸

وہ جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی دعوت کو دل سے تسلیم کر رہے ہیں جو اللہ کی بات مان رہے ہیں اور ان کے قلوب کو اطمینان حاصل ہو رہا ہے اللہ کو یاد کرنے سے جان لو اللہ کو یاد کر لینے سے ہی قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے یعنی جب آپ اللہ کو یاد کر لیں گے تو آپ ہر قسم کی پریشانیوں و بے چینیوں سے بالکل آزاد ہو جائیں گے آپ کے سارے غم اور خوف ختم ہو جائیں گے کسی قسم کا کوئی غم اور خوف نہیں رہتا کیونکہ جب اللہ کو یاد کر لیا جاتا ہے تو خود اپنی ہی ذات اپنی ہی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں سب سے زیادہ زور ہی اسی بات پر دیا گیا ہے کہ اللہ کو یاد کرو اور جب آپ اللہ کو یاد کریں گے تو حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہی یاد کریں گے کیونکہ آپ کی اپنی اصل حقیقت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کوئی دیومالائی تصوراتی عقائد و نظریات کا نام ہے۔ جیسے آپ کے اپنے جسم میں ایک خلیے پر ایک انتہائی چھوٹی سی مخلوق ہو بالکل یہی حقیقت اس بشری وجود کی اللہ کی ذات میں ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ ایک طرف پورے قرآن میں اللہ بار بار کہہ رہا ہے اللہ کا ذکر کرو یعنی اللہ تمہیں بھلا دیا گیا اللہ کو یاد کرو اور دوسری طرف قرآن میں اللہ یہ کہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ بھولے ہوئے کو کیسے بھولا جاتا ہے؟ کیا بھولے ہوئے کو بھولا جاتا ہے یا پھر بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے؟

بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے بھولے ہوئے کو یاد کرنے کا کہا جاتا ہے نہ کہ یہ کہا جاتا ہے بھول نہ جانا۔ آپ سورت الرحمٰن کی آیت نمبر تین میں بھی دیکھ سکتے ہیں اس میں کیا کہا جا رہا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ. الرحمٰن ۳

خلق کیا گیا خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی جب آپ کو خلق کیا گیا اس بشر کو خلق کیا گیا تو خلق ہی خود اپنے آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا کیا گیا اور کیا تھا جو بھلا دیا گیا وہ لفظ انسان خود بتا رہا ہے کہ خود اپنا آپ، اپنی ذات کو بھولا ہوا۔

اس آیت میں بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ خلق کیا گیا تھا خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا اپنے ہی آپ کو یعنی اللہ کو بھولا ہوا خلق کیا گیا تھا۔ جب آپ خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تو پھر آپ کو یہ کہا جائے گا کہ بھولے ہوئے ہی نہ رہنا یاد کرو یا یہ کہا جائے گا کہ بھول نہ جانا؟ حق بالکل واضح ہے۔

اور یہی اس آیت میں کہا جا رہا ہے ذرا غور کیجئے گا۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

وَلَا اور نہیں تَکُوْنُوْا ت جو آپ کر رہے ہیں اس کا اظہار کر رہا ہے آپ کے اعمال کا جو بھی آپ دنیا میں کر رہے ہیں آگے لفظ ہے کونو جو کہ کن سے ہے اور کن کے معنی ہر کوئی جانتا ہے کن کہتے ہیں ہونے کو اور کونو حال میں ہو رہے ہونے کا صیغہ ہے کونو کے معنی ہیں ہو رہا ہے ہو رہے ہو۔ وَلَا تَکُوْنُوْا اور جو اعمال تم کر رہے ہوا ایسا نہ کرو جس سے تم ہو رہے ہو کَـالَّـذِیْن بالکل ان کی طرح ہو رہے ہو نَسُـو نـس جمع و نس کے معنی آپ پیچھے جان چکے ہیں کس طرح بھولنے کو کہتے ہیں اور آگے ساتھ ''وْ'' حال کا صیغہ بنا دیتا ہے جو کام حال میں ہو رہا ہے یوں نَسُو کے معنی بنتے ہیں بھولے ہی رہ رہے ہیں جو اس طرح بھول گئے تھے جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں جیسے اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر کے وقت کو بھول گئے اس طرح جو بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے وہ

بھولے ہی رہ رہے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا تھا جو بھولے ہوئے خلق ہوئے اور اسے یاد کرنا ہے آگے اسی کا جواب ہے اَللّٰہَ اللہ کی ہ پر زبر ہے جس سے لفظ اللہ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں اللہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھا اللہ جسے بھولے ہوئے ہیں جسے بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے اور بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں تو آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے فَاَنۡسٰٮہُمۡ اَنۡفُسَہُمۡ پس کیا ہے جو بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں۔

آیت کو بالکل آسان الفاظ میں واضح کرتے ہیں

وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنۡسٰٮہُمۡ اَنۡفُسَہُمۡ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ. الحشر ۱۹

اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ جو تم کر رہے ہو یہ تم بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہو لہذا ایسا مت کرو ان کی طرح ہی کر رہے ہو جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں جو بھلا دیا گیا تھا جو خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تھے کیا تھا جو بھلا دیا گیا تھا جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ اللہ تھا اور اللہ کیا ہے پس یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو کہا جا رہا ہے خواہ تمہیں ناگوار گزرے یا کیسا ہی کیوں نہ لگے ایسا ہی ہے جو کہا جا رہا ہے کہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کہ بھولے رہ رہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کسے بھلا دیا گیا؟ جسے یاد کرنا تھا؟ نہ صرف اس آیت میں واضح بتا دیا گیا کہ اللہ تھا بلکہ پورے قرآن میں بار بار یہی کہا جا رہا ہے اللہ تمہیں بھلا دیا گیا تھا اللہ کو یاد کرو یہاں تک کہ قرآن میں یہ بھی کہا گیا کہ مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود اپنے آپ کو ہی یاد کر رہے ہو یعنی اللہ ہی تمہاری اصل حقیقت ہے تمہاری اپنی ذات ہے۔

یہ جو اللہ کو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں یہ کون لوگ ہیں آگے قرآن میں اس کا جواب بھی دے دیا گیا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ یہی وہ لوگ ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی بات کو اس کے مقام سے ہٹا رہے ہیں اس میں تبدیلی کر رہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کن لوگوں کی وجہ سے آج انسانوں کی اکثریت ان کی طرح بھولی کی بھولی ہی رہ رہی ہے؟ کون ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ جو کہتا ہے اللہ کی بات کو اس کے مقام سے بدل دیتے ہیں اللہ کی بات میں تبدیلی کر دیتے ہیں تو تراجم کی صورت میں فاسقون آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ آیت میں کیا کہا گیا اور آیت کو کس طرح تراجم و تفاسیر کی صورت میں اللہ کے کلام کو بدل دیا گیا جن کے فسق کی وجہ سے باقی بھی فسق کا شکار ہو کر فسق کر رہے ہیں اور ہدایت کی بجائے گمراہی کا شکار ہیں اس کے باوجود خود کو اہل حق سمجھے ہوئے ہیں۔

آپ یہ جان چکے ہیں کہ انسان کہتے ہیں جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے اور انسان ضد ہے اللہ کی۔ اب کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہیں آپ کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے کیسے پورا کیا جائے گا؟ وہ صرف اور صرف وہی بتا سکتا ہے جو انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں اگر انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں ہے تو پھر پیچھے صرف اللہ ہی رہ جاتا ہے اللہ ہی بتا سکتا ہے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے یہ کیا بھولا ہوا ہے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے۔

یوں جس پر اس کی خودی آشکار ہو جاتی ہے یعنی وہ انسان نہیں رہتا تو ظاہر ہے پھر پیچھے اللہ ہے تو اللہ وہ کرتا ہے جو اس کا کام ہے، اللہ انسانوں کو نبا دیتا ہے یعنی پھر اللہ ایسے بشر کی صورت میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں ہوں جو تمہیں نبا دے رہا ہوں تمہیں وہ علم دے رہا ہوں جو میرے یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں یوں ایسا بشر اللہ کا رسول ہوتا ہے جو انسانوں پر ان کے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کرتا ہے اور جو انسان کا انسان ہے اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھا لے وہ نبی بن بیٹھے یعنی انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بن بیٹھے۔

یہی سلسلہ چلتا رہا موسیٰ آئے تو موسیٰ بھی اللہ کے رسول اور خاتم النّبیّن تھے جب تک کہ اگلا رسول نہیں بعث کر دیا گیا پھر جب عیسیٰ ابن مریم آئے تو پھر موسیٰ نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النّبیّن تھے تب تک جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا اور جب وہ وقت آیا تب اللہ نے محمد کو رسول بعث کیا تب محمد اللہ کے رسول اور خاتم النّبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا۔

اور اللہ کا قانون ہے کہ رسول، اللہ صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی جب سو فیصد ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں نور کی ایک بھی کرن نہیں ہوتی اسی کا اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر بھی ذکر کر دیا جیسا کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ . آل عمران ۱۶۴

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ . الجمعه ۲

یہی بات آپ کو دنیا کے ہر مذہب کی کتاب میں ملے گی جیسے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی یہ بات درج ہے کہ ایشور تب تب اوتار بھیجے گا جب جب کلیوگ آئے گا یعنی جب جب ضلالٍ مبینٍ ہوں گی تب تب رسول بعث کیا جائے گا۔

اللہ نے جب یہ کہا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ تو اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ محمد کے بعد بھی رسول آئے گا بالکل ایسے ہی جیسے موسیٰ آئے پھر موسیٰ کے بعد عیسیٰ آئے کیونکہ موسیٰ کے بعد تب تک موسیٰ کی ملت کی اتباع کی جا سکتی تھی جب تک کہ موسیٰ میں اسوہ حسنہ تھا جب ایسا وقت آ جائے کہ موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہو سکتا یعنی موسیٰ کی زندگی میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہی تو موسیٰ کو ہی ابا نہیں بنا سکتے کیوں موسیٰ ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں تب نیا رسول آ کر بتائے گا کہ ایسے حالات میں ایسے وقت میں ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جا سکتا ہے ابراہیم کی ملت کیا ہے۔ تو اس کے لیے عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا پھر عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں عیسیٰ ابن مریم کو اس وقت تک ابا بنایا جائے گا جب تک کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں تمہارے لیے راہنمائی موجود ہے اور اگر ایسا وقت آ جاتا ہے جو عیسیٰ ابن مریم سے یکسر مختلف ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہوتا تو عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بلکہ ابا ابراہیم تھے عیسیٰ ابن مریم کو ابا من الا براہیم بنایا گیا نہ کہ من دون ابراہیم ابا بنایا گیا۔ تب نیا رسول آ کر واضح کرے گا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جا سکتا ہے اور وہ ابراہیم کی ملت کو واضح کرے گا جس کے لیے محمد کو رسول بعث کیا گیا تو یاد رہے کہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم تھے اس لیے محمد نے ابراہیم کی ملت واضح کی جب تک محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تب تک محمد کو ابا بنانا گویا کہ ابراہیم کو ابا بنایا جا رہا ہے لیکن جب دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کیا جا سکتا محمد کی ذات میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہتی دنیا میں وقت ایسا آ جاتا ہے جس کا سامنا محمد نے نہیں کیا تو پھر ظاہر ہے محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ کیسے ہو سکتا ہے جب محمد کو ایسے حالات و واقعات پیش ہی نہیں آئے جب محمد نے ایسے وقت کا سامنا ہی نہیں کیا جو کچھ آج موجود ہے وہ اس وقت تھا ہی نہیں تو محمد کی ذات میں آج کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ نے کہا تھا کہ محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی جیسے موسیٰ کے بعد جب موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو عیسیٰ ابن مریم کو بعث کر کے ابا ابراہیم کی ملت کو واضح کیا بالکل اسی طرح جب عیسیٰ ابن مریم کے بعد وقت ایسا آ گیا کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو محمد کو بعث کیا کیوں کہ عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بالکل ایسے ہی جب محمد کے بعد دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ جو محمد کے وقت سے بالکل مختلف ہو تو جان لو محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے اس لیے انہیں ابا نہیں بنانا پھر ابراہیم کو ہی ابا بنایا جائے گا جس کے لیے اللہ حسب سابق اپنا رسول بعث کرے گا جس کے ذریعے تم پر تمہارے ابا ابراہیم کی ملت واضح کرے گا اس لیے اس وقت اسے ابا بنانا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور لیکن رسول تھے اللہ کے اور خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول بعث کرنے کا وقت نہیں آ جاتا اور وہ وقت تب ہی آئے گا جب محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہے تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان کو بالکل ایسا ہی بننا ہے جیسے محمد تھے یعنی جو محمد کو اپنے لیے فلٹر بنا کر اس میں سے نکلے گا وہی نبی اللہ کا رسول کہلائے گا اللہ کا بھیجا ہوا اور جو اس فلٹر سے نہیں نکلے گا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ نبی کذاب ہوگا اللہ کا مجرم ہوگا اللہ کا شریک ہونے کا دعویدار ہوگا۔

اب آپ پر وہ روایات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائیں گی جنہیں احادیث کے نام پر جانا جاتا ہے جن کے تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا جاتا ہے محمد نے خود کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حوالے سے سب سے زیادہ عام روایت جو زبان زدعام ہے وہ ترمذی کی روایت میں موجود الفاظ ہیں ''انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی''
جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے کہا میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مکمل روایت درج ذیل ہے

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی ......انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ترمذی

اس کے علاوہ ایک اور روایت جو آپ کے سامنے ہے۔

ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی بعدی. ترمذی

اور اس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہو چکی، منقطع ہو چکی، بند ہو چکی، ختم ہو چکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔
اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آگے چل کر وضاحت ہوگی۔
پھر مزید کچھ روایات ہیں جن کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ محمدؐ آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں وہ روایات بھی انہیں لوگوں کے تراجم کیساتھ درج ذیل ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی.......انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ابوداؤد
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ۔۔۔۔۔۔۔ کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیّن ہوں یعنی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔

النبی ﷺ قال: لیس بینی و بینه نبی یعنی عیسیٰ. ابو داؤد
النبی ﷺ نے کہا ہرگز نہیں ہے میرے درمیان اور اس کے درمیان نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔

یہ وہ چند ایسی روایات ہیں جن کے من پسند تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر نہ صرف شور مچایا جاتا ہے کہ محمدؐ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ پھولے نہیں سماتے، حالانکہ حقیقت کیا ہے ان روایات سے بھی نہ صرف حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں بلکہ تراجم و تفاسیر کے نام پر ان لوگوں نے جو دجل کیا جو دھوکا دیا وہ بھی چاک کر کے ان کی اصلیت آپ پر واضح کرتے ہیں آپ پر واضح ہو جائے گا کہ کس طرح ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بالکل وہی کیا جو بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ انہوں نے بھی اللہ کے کلام کو بدلا اپنے عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے حق کو چھپایا حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیا تو اس امت کے ملّاؤں نے بھی بالکل وہی کیا۔

ان روایات کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ نبی و رسول کے معنی کیا ہیں اور نبی کی بعثت کے مقصد کو نہیں سمجھ لیا جاتا اور جب نہ صرف ان الفاظ کو بلکہ اس بات کو بالکل واضح جان لیا جائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد کیا ہے تو ان روایات کو سمجھنا انتہائی آسان ہو جائے گا یہاں تک کہ یہ روایات بالکل کھل کر واضح ہو جائیں گی اس لیے سب سے پہلے ان الفاظ کے معنی واضح کرتے ہیں اس کے بعد نبی کی بعثت کے مقصد پر بات کریں گے۔
لفظ نبی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''نب یعنی نبا'' ہے جس کے معنی وہ علم جو صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں

جب اللہ وہ علم انسانوں پر واضح کرتا ہے تو وہ علم نبا کہلاتا ہے۔ نبا کے معنی عام طور پر خبر کے کر دیئے جاتے ہیں حالانکہ نبا کے معنی خبر نہیں ہیں کیونکہ جیسے نبا عربی کا لفظ ہے بالکل ایسے ہی لفظ خبر بھی عربی کا ہے اور یہ دونوں الفاظ الگ الگ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اب اگر نبا کے معنی خبر ہوتے تو ظاہر ہے قرآن میں لفظ خبر نہ آتا مگر جب قرآن میں نبا کے علاوہ لفظ خبر بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ نبا اور خبر دو الگ الگ الفاظ ہیں ان کے معنی قریب تر تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے معنی ایک نہیں ہو سکتے۔ قرآن الحکیم ہے اس لیے اگر اس فرق کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو یہ عملاً نہ صرف قرآن کے بلکہ اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہوگا۔

لفظ ''نَبَ'' کے آگے دوسرا لفظ ہے ''یِ'' جو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے یوں لفظ نبی کے معنی بنیں گے میں وہ علم دے رہا ہوں جو علم میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور وہ علم صرف اور صرف اللہ ہی کے پاس ہے تو ''یِ'' سے مراد اللہ ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نبا دے رہا ہوں یعنی میں وہ علم انسانوں کو دے رہا ہوں انسانوں پر واضح کر رہا ہوں جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ یہ ہیں لفظ نبی کے معنی اور دوسرا لفظ ہے رسول جو کہ رسل سے ہے رسل کے معنی بھیجنا اور رسول کے معنی بھیجے ہوئے کے ہیں۔

ان دونوں الفاظ کے معنوں کو آپ نے جان لیا اب بات کرتے ہیں نبی کی بعثت کے مقصد پر۔

شاید ہی دنیا کا کوئی ایک بھی ایسا انسان ہو جس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ آخر وہ کون ہے کیا ہے اس دنیا میں اس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ مثلاً ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا وقت آتا ہے جب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے جو اس کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیتا ہے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کسی کا کوئی بڑا نقصان ہوتا ہے جس سے وہ مایوسی کے عالم میں جاتا ہے اور اس دوران اس کے سامنے یہ سوال آتا ہے تو کبھی کوئی مالدار شخص مال کما کما کر دنیا کماتے کماتے بالآخر تھک جاتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس کی اپنی حقیقت کیا ہے یا پھر ایک شخص جو غور و فکر کرنے والا ہے زندگی میں کبھی نہ کبھی وہ ایسے موڑ پر آتا ہے جہاں وہ اس بات میں غور کرتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی مقصد نہ ہو یعنی جو بغیر مقصد کے ہو ،آسمانوں و زمین میں ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے لیکن جب وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا یوں اسے یہ سوال بے چین کرتا ہے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور وہ بغیر کسی مقصد کے ہی وجود میں آ گیا، پھر جب وہ اس بات میں غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ آخر وہ خود ہے کون؟ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا؟ اس کا اول کیا ہے اس کا آخر کیا ہے؟ یعنی اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں۔

مثلاً اگر آپ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا جائے اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ ہاتھ ہے پھر سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے میرا، بتدریج اسی طرح آپ کے جسم کے باقی اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ یہ جسم ہے اور جب یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ یہ میرا جسم ہے آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں آپ کی کوئی شئے ہو یا آپ نے جو لباس پہنا ہوا ہے تو اس کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے تو آپ کہیں گے میرا ہے۔

ذرا غور کریں جب آپ نے کہا کہ یہ لباس میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لباس آپ نہیں ہیں بلکہ آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جیسے آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جسم آپ نہیں ہیں بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

اب آپ سے سوال کیا جائے کہ جب یہ جسم آپ نہیں ہیں یہ جسم آپ کا ہے تو پھر یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کیا ہیں؟ تو آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا کیونکہ آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی ہی ذات کو نہیں جانتے آپ اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ اس جسم کو آج تک اپنا وجود سمجھتے رہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جسم آپ نہیں آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم آپ کا ہے۔

اب جسے خود اپنی ہی ذات کا علم نہیں ہے جو خود اپنے آپ کو نہیں جانتا اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے بھلا وہ کیسے یہ علم رکھتا ہوگا کہ اس دنیا میں وہ کیوں آیا اور اس مقصد کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ہر ایک کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے آسمانوں وزمین کی مثال ایک مشین یا ایک جسم کی سی ہے جیسے مشین میں بہت سے پرزے ہوتے ہیں ہر پرزے کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہر پرزے کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے جب تمام کے تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں تو مشین میں میزان قائم ہوتا ہے اور وہ میزان اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ہر پرزہ اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے ورنہ اگر کوئی ایک بھی پرزہ اپنے مقام سے ہٹے یا رائی برابر بھی کمی، کجی، کوتاہی یا سستی برتے گا تو مشین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے مشین کے نظام میں جو تسلسل ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوگی یوں مشین میں خرابیاں ہوں گی اور بالآخر مشین تباہ ہو جائے گی۔

بالکل یہی مثال آسمانوں وزمین کی ہے آسمان وزمین ایک مشین کی مانند ہیں ان میں تمام کی تمام مخلوقات پرزوں کی مانند ہیں ہر مخلوق کا اپنا اپنا مقام اور ذمہ داری ہے جب تک تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی آسمانوں وزمین میں قائم توازن برقرار رہے گا ورنہ اگر کوئی ایک بھی مخلوق اپنے مقام سے ہٹتی ہے، سستی، کجی، کوتاہی یا لاپرواہی کرتی ہے یا اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ہوتی ہے تو آسمانوں وزمین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور بالآخر آسمانوں وزمین تباہیوں سے دوچار ہوں گے اور آسمانوں وزمین میں انسان سمیت لاتعداد مخلوقات کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر جب آسمانوں وزمین میں غور کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے آپ نہیں چاہتے کہ آپ کے جسم میں کسی بھی قسم کی کوئی خرابی ہو اسے کوئی نقصان پہنچے اور اگر کوئی آپ کے جسم کو یا آپ کے جسم میں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو آپ اسے برداشت نہیں کریں گے آپ اس سے انتقام لیں گے بالکل اسی طرح آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں وہ ذات بھی کسی صورت یہ نہیں چاہتی کہ آسمانوں وزمین میں کوئی خرابی ہو نہیں کسی بھی طرح سے نقصان پہنچایا جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ ذات اس سے انتقام لینے والی ہے۔

پھر جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنے مقصد کا ہی علم نہیں اسے یہ علم ہی نہیں کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ مقصد کیسے پورا ہوگا اور دوسری طرف آسمانوں وزمین میں اگر ایک رائی برابر بھی ایسا عمل کیا جاتا ہے جو ان کے خلاف ہو تو ان میں خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار ایسا عمل کرنے والا ہوگا یعنی ایک طرف آسمانوں وزمین کا نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ ان میں ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہیں کی جاسکتی رائی برابر بھی ایسا عمل نہیں کیا جاسکتا جس کے بارے میں راسخ علم حاصل نہ کر لیا گیا ہو ورنہ خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار انسان ہوگا تو دوسری طرف انسان کو کچھ بھی علم نہیں، اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں اسے اس مقصد کا علم نہیں جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے لیکن اس کے باوجود انسان رات دن اعمال پر اعمال کیے جا رہے ہیں۔

اب ظاہر ہے جب انسان بغیر علم کے اپنی مرضی کیمطابق اعمال انجام دے رہے ہیں تو پھر نہ صرف آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آئیں گی بلکہ کل کو جس کا یہ وجود ہے وہ ذات پھر سوال بھی کرے گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور پھر سزا وجزا بھی دے گی مگر کل کو جب انسان سے وہ ذات اس بارے میں سوال کرے گی تو انسان بہت ہی آسانی سے یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ اگر اس پر اس کی تخلیق کا مقصد واضح کیا جاتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا جس سے آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آتیں لیکن جب اسے کچھ بتایا ہی نہیں گیا اس پر کچھ واضح ہی نہیں کیا گیا اس کی کوئی راہنمائی ہی نہیں کی گئی راہنمائی تو دور اسے تو خلق ہی بھولا ہوا کیا گیا تو پھر حساب کس بات کا، حساب کتاب اور سزا وجزا کس جرم کی؟

یعنی ظاہر ہے آپ کسی کو بھی اس وقت تک سزا نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے پاس کوئی معقول وجہ ہو کوئی ایسا عذر ہو جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کے باوجود بھی حساب لیا جاتا ہے سزا وجزا دی جاتی ہے تو ایسا کوئی ظالم ہی کر سکتا ہے اور اگر مالک ظالم نہیں ہے تو حساب کتاب اور سزا صرف اور صرف وہیں دی جا سکتی ہے جہاں سامنے والے پر حجت کر دی جائے یعنی اس پر ہر بات اس قدر کھول کھول کر واضح کر دی جائے کہ اس کے پاس کل کو کوئی عذر نہ ہو وہ چاہ کر بھی کوئی عذر یا بہانہ وغیرہ پیش نہ کر سکے اسے علم ہو کہ اس نے جو بھی جرم کیا ہے اس کا ذمہ دار ہر لحاظ سے وہ خود ہے اور وہ اس جرم کی سزا کا ہر حال میں حقدار ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس ذات نے جو آسمانوں وزمین کی مالک ہے آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں یعنی اللہ، اللہ نے یہ قانون بنادیا کہ وہ انسان کو بنادے گا یعنی انسان پر وہ علم واضح کرے گا جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، وہ انسان کی راہنمائی کرے گا کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا اور وہ مقصد کیسے پورا کیا جاسکتا ہے تاکہ سب کچھ واضح کردیئے جانے کے باوجود بھی اگر انسان وہی سب کرتا ہے جرائم ہی کرتا ہے آسمانوں وزمین میں فساد ہی کرتا ہے تو کل کو جب اس سے حساب لیا جائے تو اس کے پاس کوئی عذر کوئی بہانہ وغیرہ نہ ہو ہر لحاظ سے اس پر حجت ہو چکی ہو۔

انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے بشر کے ذریعے ہی ان کی راہنمائی کرتا ہے انسانوں سے کلام کرتا ہے ان پر حق واضح کرتا ہے ایسے بشر کو نبی کہا جاتا ہے یعنی وہ نظر آنے میں تو باقی انسانوں کی طرح ایک بشر ہوتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اس بشر کی صورت میں، نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے کہ میں ہوں جو تمہاری راہنمائی کر رہا ہوں تمہیں وہ بتا رہا ہوں وہ علم دے رہا ہوں جو صرف اور صرف میرے یعنی اللہ ہی کے پاس ہے میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ اب انسان بھی بشر ہیں تو انسان بھی کل کو ایسا کریں گے یعنی انسان نبی ہونے کے دعویدار بن جائیں گے انسان اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں سے ہر کوئی یہی کہے گا کہ میں تمہاری راہنمائی کرتا ہوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جاسکتا ہے، کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، کیسے کرنا ہے اور کیسے نہیں کرنا یعنی بہت سے انسان بھی انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑے ہو جائیں گے تو سامنے جو کہ ہیں ہی انسان جو ہیں ہی بھولے ہوئے وہ یہ فیصلہ کیسے کر پائیں گے کہ آیا ان میں سے اللہ کون ہے اور انسان کون ہے کیونکہ سب کے سب بشر ہی تو ہیں اب اگر اللہ ان میں سے اپنی پہچان یعنی اپنے بھیجے ہوئے کی پہچان واضح نہیں کرتا اور جو نبی بھیجے ہوئے نہیں ہیں بلکہ جھوٹے مکار اور فراڈ ہیں ان کی پہچان واضح نہیں کرتا تو ظاہر ہے انسان گمراہ ہی ہوں گے اور وہی ہوگا جو اللہ نہیں چاہتا یعنی آسمانوں وزمین میں خرابیاں وتباہیاں ہوں گی۔

ظاہر ہے اگر انسان ہی انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبی بن کر کھڑے ہوں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے لیے آگے بڑھیں گے تو وہ انسانوں کی کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں جو بذات خود انسان ہیں بھولے ہوئے ہیں، جنہیں اپنی ہی ذات کا علم نہیں وہ کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں اور اگر ان کو راہنما بنا لیا جائے گا تو نتیجہ کیا نکلے گا یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں نتیجہ تو پہلے سے واضح ہے اس لیے اللہ نے ایک قانون بنادیا جس سے نہ صرف انسان یہ فیصلہ کرسکیں کہ نبیوں یعنی راہنمائی کرنے والوں میں سے رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا کون ہے اور کون کذاب ہے بلکہ خود ان لوگوں پر بھی واضح ہو جائے جو انسانوں کی راہنمائی کرنے کی صلاحیت دیئے گئے ہیں کہ کون سا نبی رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا بن سکتا ہے جس کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے کہ جب دنیا میں تمام کے تمام انسان ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد ہی گمراہیوں میں ہوتے ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تو اللہ پوری منصوبہ بندی سے ایک نبی دنیا میں لاتا ہے ایسا نبی جو ہوتا ہی بھیجا ہوا یعنی رسول نبی ہوتا ہے۔

اس کی پیدائش سے لیکر اس کی موت تک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کا طے کردہ ہوتا ہے یعنی اللہ انہیں میں سے ایک بشر کو عملی نمونہ بنا کر انسانوں کے سامنے رکھتا ہے کہ تم نے بھی بالکل ویسا ہی بننا ہے ہر کام ویسے ہی کرنا ہے جیسے اس نے یعنی رسول نے کیا اور جو بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آئیں گے یعنی نبیّن ان کے لیے اسے خاتم یعنی فلٹر بنا دیا جاتا ہے جو بھی بعد میں نبی آئیں گے ان میں سے وہی نبی اللہ کا رسول ہوگا جو اس کے فلٹر سے نکل کر آئے گا یعنی بالکل اسی کی طرح کا ہوگا اگر اس کا رسول سے موازنہ کیا جائے تو اس میں رسول کی ذات ہی نظر آنی چاہیے۔

رسول کے بعد دنیا جب تک دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی یہاں تک کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی وہ لوگ جو انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار ہوں گے جو انسانوں کو کہیں گے کہ ہم تمہاری راہنمائی کرتے ہیں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے، کیسے کھانا ہے کیسے پینا ہے کیسے چلنا ہے کیسے اٹھنا بیٹھنا ہے کیسے شادی کرنی ہے کیسے بچے پیدا کرنے ہیں کیسے رشتے ہونے چاہئیں یعنی کسی بھی لحاظ سے جو انسانوں کی راہنمائی کریں گے خواہ وہ کسی بھی نام سے جانے پہچانے جائیں، لوگ انہیں علماء کہیں، مفتیان، شیوخ، علامہ، پروفیسر، استاد، پیر، لیڈر، راہنما یا جو بھی نام دیں عربی میں انہیں نبی کہا جاتا ہے اور ان میں سے صرف وہی نبی اللہ کے بھیجے ہوئے ہوں گے جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جن کی ذات میں رسول کی ذات نظر آئے۔

جب دنیا ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تب اللہ جس رسول کو بعث کرتا ہے وہ نہ صرف رسول ہوتا ہے بلکہ وہ خاتم

النبیّن بھی ہوتا ہے یعنی اللہ نے اسے بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر بنا دیا جب بھی کوئی شئے فلٹر سے نکلتی ہے تو فلٹر سے پہلے وہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن جب وہ فلٹر سے نکلتی ہے تو وہی بن جاتی ہے جیسے آپ نے فلٹر بنا دیا بالکل ایسے ہی اللہ جب رسول کو بعث کرتا ہے تو انسانوں کے سامنے عملی نمونہ رکھتا ہے کہ دیکھو تم نے ہر کام ایسے ہی کرنا ہے جیسے اس رسول نے کیا اس لیے اللہ رسول کو بعد میں آنے والے انسانوں کے راہنماؤں یعنی نبیّن کے لیے فلٹر بنا دیتا ہے اور عربی میں اسے رسول اللہ وخاتم النبیّن کہا جاتا ہے۔

بھیجا ہوا اللہ کا اور نہ صرف بھیجا ہوا اللہ کا بلکہ بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آنے والوں کے لیے فلٹر کے اس کے بعد صرف وہی نبی یعنی انسانوں کا راہنما اللہ کا بھیجا ہوا ہوگا جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئے گا اور جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نہیں وہ نہ صرف انسان ہوگا بلکہ وہ کذاب اور شیطان ہوگا اس لیے اس کی اطاعت واتباع نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بنا پھرے ورنہ جب یوم القیامہ آئے گا تو اسے سب سے سخت عذاب دیا جائے گا۔

یہ ہوتا ہے رسول اللہ وخاتم النبیّن بالکل اسی طرح محمد بھی نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ وہ خاتم النبیّن بھی تھے یعنی تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر جب تک کہ دنیا دوبارہ سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہے اور پھر ایسی صورت میں پھر رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث نہیں کر دیا جاتا۔ یعنی رسول اس وقت تک خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے جب تک کہ اگلا رسول نہیں آ جاتا۔

محمد نہ صرف رسول اللہ بلکہ خاتم النبیّن تھے اگلے رسول یعنی عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک، محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا نبی نہیں تھا جو رسول نبی ہوگا کیونکہ رسول نبی صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی جب رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اس کی بعثت سے پہلے جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے جو کہ اس سے پچھلے رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ سب کے سب پر لکیر پھیر کر صفر سے شروع کرتا ہے جو وہ بتائے گا صرف اور صرف وہی دین ہوگا اس کے علاوہ جو کچھ بھی کیا جا رہا تھا جو کہ ظاہر ہے گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ دین نہیں بلکہ گزشتہ رسول سے منسوب تمام تر گمراہیاں ہیں گمراہیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں اس لیے جب بھی رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اسے اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم نے نہ ہمارے آباؤ اجداد نے کبھی سنا تھا۔

جب موسیٰ کو بعث کیا گیا تو موسیٰ بھی رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھا موسیٰ کو بھی اسی ملامت کا سامنے کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہمارے آباؤ اجداد کے دین کیساتھ کوئی تعلق نہیں پھر جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے گئے کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہی تو عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن کی بعثت ہوئی تو عیسیٰ ابن مریم کو بھی اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑا اور پھر عیسیٰ ابن مریم کے بعد محمد کی بعثت ہوئی تو محمد کو بھی اسی بات کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا نہ تو ہم سے اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد کیساتھ کوئی تعلق ہے اور یہی ہونا تھا محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے بعد احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کیساتھ کہ جب احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث کیا جانا تھا تو اس نے بھی اس سب پر لائن لگا دینی تھی جو محمد سے منسوب کر کے اس سے پہلے کیا جا رہا تھا اور اس نے جو دعوت دینی تھی لوگوں نے اسے یہی کہنا تھا جو حسب سابق گزشتہ ہر رسول کو کہا گیا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

یہی نبا محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل اپنی بعثت کے دوران ہی دے دی تھی کہ انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی میں خاتم النبیّن ہوں نہیں نبی میرے بعد یعنی میں مستقبل میں آنے والے نبیوں کے لیے فلٹر ہوں میرے بعد کوئی نبی مستقبل میں آنے والے نبیوں کا فلٹر نہیں۔ ظاہر ہے خاتم النبیّن کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول خاتم النبیّن ہوتا ہے اور رسول کو صرف اور صرف تب بعث کیا جاتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں تب رسول بعث کیا جاتا ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے محمد علیہ السلام رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے دعویداران میں سے کوئی ایک بھی خاتم النبیّن نہیں ہوگا کیونکہ خاتم النبیّن صرف اور صرف رسول ہوتا ہے اور محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا۔

النبی ﷺ قال: لیس بینی و بینہ نبی یعنی عیسیٰ. ابو داؤد

النبی ﷺ نے کہا تھا: ہرگز نہیں ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں جو رسول نبی ہو کیونکہ محمد نبی رسول نہیں بلکہ رسول نبی تھے اور رسول نبی جو بعث کیا جاتا ہے تب جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں خاتم النبیّن ہوتا ہے اور محمد کے بعد صرف اور صرف عیسیٰ ہے جو رسول نبی ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوگا تو محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی رسول نبی نہیں ایسا اس لیے واضح کر دیا کیونکہ محمد اور عیسیٰ کے درمیان تقریباً تیس کے قریب ایسے لوگوں نے ظاہر ہونا تھا جنہوں نے اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویدار ہونا تھا جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ روایت آپ کے سامنے ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

آپ پر یہ بات واضح ہو چکی کہ رسول صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں چلی جاتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی اور رسول آ کر دین کو بالکل نئے سرے سے سامنے لاتا ہے رسول کی بعثت سے قبل جو کچھ بھی گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ ہر لحاظ سے گمراہیاں ہوتی ہیں محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں تو ظاہر ہے اگر محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص سامنے آتا ہے جو خود کو رسول بتاتا ہے یا پھر وہ محمد کے برعکس کوئی اور شئے سامنے لاتا ہے اور اسے دین قرار دیتا ہے تو وہ عملاً رسول ہونے کا دعویدار ہوتا ہے جو کہ دین کو بدلنے والا ہوتا ہے اور ایسی ہی تقریباً تیس شخصیات جنہوں نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان آنا تھا اور دین کو بدلنا تھا محمد نے ان کے بارے میں آگاہ کر دیا اور وہ تیس کے قریب کون سی شخصیات تھیں ان کے بارے میں جاننا کوئی مشکل نہیں آپ اگر اس بات کو جان لیں کہ محمد کیا چھوڑ کر گئے اور ان کے بعد کیا اور کن لوگوں نے اس کے برعکس گھڑ کر انسانوں کو ہدایت کے نام پر تھما دیا تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ وہ تیس کے قریب کذابون دجالون کون لوگ تھے۔

محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف ایک ہی شئے چھوڑی اور وہ تھی الکتاب اور ھذا القرآن جب تک محمد کے بعد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کی بعثت نہیں ہو جاتی کسی کو بھی حق نہیں تھا کہ وہ اس قرآن کے متبادل کچھ گھڑ کر ہدایت کے ذریعے کے نام پر سامنے لاتا کیونکہ عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے فلٹر سے جس جس نبی نے بھی آنا تھا اس کا کام تھا کہ وہ اپنے اپنے دور کے تقاضے کے مطابق صرف اور صرف قرآن کی آیات کو ہی بیّن کرتا نہ کہ قرآن کے برعکس کچھ گھڑ کر سامنے لاتا۔ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ھذا القرآن تو تاریخ ہے اللہ کے کلام کی یعنی اللہ کا اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے جو کلام ہے یعنی گفتگو ہے وہ درج ہے اس قرآن میں آیات کی صورت میں اور اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے اپنے رسولوں کے ذریعے اور اللہ کے رسول ہوتے ہیں جو رسول اللہ وخاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبی ہوتے ہیں۔ یوں اللہ نے جیسے محمد سے قبل ہر وقت کے انسانوں سے اپنے رسولوں کے ذریعے کلام کیا جس کی تاریخ اللہ نے قرآن میں آیات کی صورت میں اتاری بالکل اسی طرح محمد اور محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ اللہ کے رسول تھے ان کے ذریعے انسانوں سے کیے جانے والے کلام کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل ہی اتار دی تھی اس لیے محمد کے بعد آنے والے النبیّن کے ذریعے جو اللہ نے انسانوں سے کلام کیا ان النبیّن اور ان کے مخاطبین یعنی انسانوں کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل اتار دی تھی۔

محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبیوں نے کچھ نیا گھڑ کر سامنے نہیں لانا تھا بلکہ ان کی دعوت کو ہی اللہ نے اس قرآن میں آج سے چودہ صدیاں قبل آیات کی صورت میں درج کر دیا تھا اب اگر قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ محمد کے بعد آنے والے النبیّن میں سے کسی نے قرآن کے متبادل لوگوں کو تھما یا تو بلا شک وشبہ وہ لوگ نبی رسول تھے اور اگر قرآن اس کے برعکس کہتا ہے تو پھر ان تیس کذابون دجالون کو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔

قرآن سے ہی اس کی راہنمائی لے لیں دیکھیں کہ قرآن اس سوال کا جواب کس طرح دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. الفرقان ٣٠

اور کہا جو بھی رسول موجود ہے اے میرے ربّ اس میں کچھ شک نہیں میری قوم نے اخذ کیا ہوا ہے پکڑا ہوا ہے اس قرآن کا متبادل وہ جس سے یہ اس قرآن سے ہجرت کیے ہوئے ہیں اس قرآن کو ترک کر کے اس سے راہنمائی لے رہے ہیں۔

اس آیت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں کسی ایک رسول کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس آیت میں بہت سے رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت میں بالکل دوٹوک

یہ بات واضح ہے کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بعثت سے قبل نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ ان کی بعثت سے قبل انسانوں نے خود کو امت محمد کہلوانے والوں نے اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر ہدایت کے نام پر اخذ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اس قرآن کو ترک کر چکے ہوئے تھے۔ اس قرآن کے بعد ایسے اوقات میں جو بھی رسول موجود رہا تو اس کا کام یہی رہا کہ وہ لوگوں کو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا رہا اس قرآن کی ہی آیات کو اپنے دور کے تقاضے کے مطابق بیّن کرتا رہا لیکن لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس قرآن کی طرف آنے کی بجائے قرآن کو ترک کر کے اسی طرف ہجرت کیے رہے جو اس قرآن کے متبادل لوگوں کو تھما دیا گیا تھا۔

اس آیت میں سب سے پہلی بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کر دیا تو پھر یہ اس آیت میں کن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن پر ایمان لانے کے دعویدار بھی موجود تھے جنھوں نے اس قرآن کے متبادل جو کچھ گھڑ رکھا تھا اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے؟ دنیا کی کوئی طاقت اس آیت میں نہ تو ایک رسول کے ذکر کو ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ان سب کے سب کو صرف ایک ہی محمد ثابت کر سکتی ہے یہاں تک کہ اس آیت میں محمد کا تو ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن کو ماننے والے اور اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے اور ہر کسی کو علم ہے کہ محمد قرآن کے بعد نہیں بلکہ محمد کی بعثت کے وقت تو اس قرآن کو نام ونشان بھی نہیں تھا الٹا یہ قرآن تو محمد پر اتارا گیا تھا۔

اب یہ بات جان لیں کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ اس قرآن کے بعد آنے والے رسولوں کا ذکر کیا گیا وہ رسول جو محمد رسول اللہ کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن تھے۔ محمد کے بعد النبیّن کی ایک بہت بڑی تعداد یہاں تک کہ ہزاروں کی تعداد نے آنا تھا لیکن ان میں سے کونسا نبی رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اس کا فیصلہ صرف اور صرف اس پر تھا کہ ان میں سے کون سا نبی محمد کے فلٹر سے نکل کر آتا ہے جو نبی محمد کے فلٹر سے نکلے گا تو فلٹر ہونے سے وہ رسول بن کر نکلے گا یعنی وہ رسول بن جائے گا اس کی ذات میں محمد ہی نظر آئے گا اس لیے ہر اس نبی جو کہ رسول ہو گا اس کا کام تھا کہ محمد کے لائے ہوئے قرآن کی آیات کی وہ آیات جو ان میں سے ہر ایک کے وقت کے لیے تھیں انہیں بیّن کرتا لوگوں پر کھول کھول کر واضح کرتا نہ کہ وہ اس قرآن کا متبادل گھڑ کر پیش کرتا اور پھر ظاہر ہے جنھوں نے اس قرآن کی آیات کو بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کے برعکس لوگوں کو کچھ ایسا گھڑ کر دیا کہ جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کر دیا لوگوں نے قرآن کی بجائے اسے ہدایت کا ذریعہ بنا لیا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ شیاطین ہیں کیونکہ یہی آیت اس بات کو بھی ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتی ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا. الفرقان ۳۰

جو بھی رسول ہے اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہے یوں اللہ نے ان نبیوں کی پہچان بھی واضح کر دی تھی جو نبی رسول ہوں گے شیاطین نہیں اور ان کی پہچان یہ تھی کہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہی دعوت دیں گے۔ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا تو نبی کا بھی جوڑا ہے ایک نبی رسول تو اس کا جوڑا نبی رسول نہیں بلکہ نبی شیطان مجرم نبی۔

نبی رسول کا کام لوگوں کو اس قرآن کی طرف لانا اور نبی شیطان کا کام اور مقصد لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکنا اور اس کے لیے ظاہر ہے کوئی بھی ذریعہ اختیار کیا جا سکتا ہے جو بھی آ کر لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکے گا تو ظاہر ہے وہ اعلاناً تو ایسا نہیں کرے گا کہ لوگو میں تمہیں اس قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہوں بلکہ وہ اس طرح لوگوں کو قرآن کی طرف آنے سے روکے گا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہو گا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آئے گا کہ یہ تو شیطان ہے یعنی یہ تو لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہے اور اس کے لیے وہ کہے گا کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب نہیں تو اس لیے اس قرآن کے متبادل کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے یوں وہ قرآن کا متبادل لوگوں کے سامنے پیش کرے گا اور بالآخر لوگ اس قرآن کے متبادل کو ہی اپنے لیے ہدایت کا ذریعہ سمجھیں گے اور قرآن کو ترک کر دیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا. الفرقان ۳۰

محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے ہر نبی جو کہ فلٹر سے نکلنے سے رسول بن جائے گا نبی رسول اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہونا تھی اس نے صرف اور صرف اسی قرآن کو بیّن کرنا تھا لوگوں پر اس وقت کے تقاضے کے مطابق آیات کو کھول کھول کر واضح کرنا تھا اور ان کے برعکس

نبیّن شیاطین نے لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دینے کی بجائے قرآن کو اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے لانا تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اخذ کرلیں گے اور قرآن کو ترک کردیں گے۔

اب آپ کو ان تیس کذابون دجالون کی بالکل واضح سمجھ آجائے گی جن تیس کے قریب شیاطین نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویٰ کرنا تھا اور پھر ان میں سے ہر ایک کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ شیطان کے فلٹر سے نکل کر شیاطین ہی بنیں گے یعنی وہی کام کریں گے جو ان کے کذاب شیطان رسول نے کیا قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ان کی بھی واضح پہچان ہوجائے گی۔

تھوڑا سا غور کریں وہ کیا شئے ہے جو محمد رسول اللہ علیہ السلام نے نہیں چھوڑی تھی لیکن بعد میں گھڑ کر اخذ کرلی گئی اور اس کی وجہ سے لوگ قرآن سے دور ہوگئے لوگوں نے قرآن سے اس کی طرف ہجرت کی اسی کو ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سے راہنمائی لیتے رہے؟

وہ کون سی شئے ہے جو ھذا القرآن کی شریک ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جس کی وجہ سے بظاہر زبان سے تو قرآن کے بعد ثانوی حیثیت رکھتی ہے لیکن درحقیقت قرآن کو اس کے سامنے ثانوی حیثیت دی جاچکی؟ وہ کون سی شئے ہے جس کو قرآن کے علاوہ قرآن کے ساتھ ساتھ لازم وملزوم قرار دیا گیا اس کا کفر قرآن کا کفر قرار دیا جاتا ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جو قرآن کو ترک کرکے اس کی طرف ہجرت پر ابھارا جاتا ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جو قرآن کو ترک کرکے اس کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اسے قرآن کا جزو یا قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے حق میں دلائل دیئے جاتے ہیں جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کردیا اور اس کیساتھ ایسے چمٹے ہوئے ہیں کہ اگر اس کے خلاف بات کی جائے تو دشمنی میں ہر حد پار کرنے پر اتر آتے ہیں؟

جواب بہت کڑوا ہے لیکن حق کسی کی خواہشات کی اتباع کا نام نہیں اور نہ ہی حق باطل کی پرواہ کرتا ہے جواب جو کہ حق ہے وہ یہ ہے کہ انہیں آج کتب احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور انہیں روایات کی کتب کی بنیاد پر قرآن کی تفاسیر کے نام پر جو کچھ گھڑا گیا وہ سب ہے۔

وہ تیس کے قریب دجالون کذابون شیاطین جنہوں نے دین کو بدلنا تھا وہ وہی شخصیات تھیں جن کے بت دماغوں میں بنا کر انہیں پوجا جاتا ہے اور انہیں امام کہا جاتا ہے جن میں مالک، مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی، طبری، ابن کثیر وغیرہ سمیت ایسی ہی باقی شخصیات ہیں اور ماضی قریب میں ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب، احمد رضا خان بریلوی اور مرزا غلام قادیانی اور ابوالاعلیٰ مودودی سمیت کئی شیاطین مجرمین دجالون کذابون ہیں۔

ایک طرف محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف قرآن چھوڑا تو دوسری طرف محمد کے شریکوں نے شیاطین نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے حق میں ایسے ایسے دلائل دیئے کہ لوگوں نے قرآن کو ترک کردیا اور اسے ہی قرآن سمجھ کر اخذ کرلیا، ان شیاطین کے فلٹر سے نکل کر آنے والے شیاطین نے بھی وہی کیا قرآن کے تراجم وتفاسیر کے نام پر لوگوں کو قرآن سے ہی دور کردیا۔

کیا یہی کتب روایات جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے یہ قرآن کا متبادل نہیں جنہیں لوگوں نے قرآن کو ترک کرکے اخذ کیا ہوا ہے؟

کیا یہی وہ قرآن کا متبادل نہیں جس سے ہر معاملے میں ہر مسئلے میں راہنمائی لی جاتی رہی اور لی جارہی ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات نہیں جنہیں قرآن کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے یہاں تک کہ انہیں قرآن کا جزو اور عملاً انہیں قرآن قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات قرآن کا متبادل نہیں جس کا انکار قرآن کا انکار قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی کتب روایات ہی قرآن کا وہ متبادل نہیں جس کے خلاف ایک لفظ بولنے پر بھی آپ پر کفر وارتداد اور قتل کے فتوے جاری ہوجائیں گے؟

اب ذرا غور کریں اس امت میں دو طرح کے راہنمائی کرنے والے آئے ایک وہ جن کا مقصد، مرکز محور صرف اور صرف یہی قرآن تھا جن کا کردار اگر سامنے رکھا جائے تو قرآن ان کی گواہی دے گا کہ قرآن میں آیات کی صورت میں انہی کی تاریخ لکھی گئی تھی اور دوسری وہ شخصیات جن کا مرکز محور اور مقصد قرآن نہیں بلکہ قرآن کا شریک قرآن کا متبادل گھڑ کر اس کے ذریعے سے لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روکنا تھا اور قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ. الفرقان ۳۱

اور بالکل اسی طرح کردیا ہم نے تمام کے تمام نبیوں کے لیے دشمن مجرمین سے۔

پچھلی آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ وہ رسول تمام کے تمام نبی ہیں جو قرآن کے نزول کے بعد آتے رہے جو آکر صرف اور

صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے اوران کے برعکس جو مجرمین تھے وہ قرآن کے برعکس قرآن کی طرف آنے سے روکتے اور قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دیتے رہے یوں جب کسی بھی نبی رسول نے اس قرآن کی طرف دعوت دی تو نبی شیاطین جو کہ مجرمین ہیں وہ ہر نبی رسول کے دشمن بن گئے انہوں نے اللہ کے نبیوں پر کفر کے فتوے لگائے عوام کو ان کے خلاف بھڑ کایا مشتعل کیا جس وجہ سے محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ رسول تھے ان میں سے کچھ کو قتل کیا جاتا رہا اور کچھ کی تکذیب، ان کو طرح طرح سے تکالیف پہنچائی جاتی رہیں ان کے ساتھ ہر طرح سے دشمنی کی گئی۔

دونوں آیات کو سامنے رکھیں تو آپ پر یہ بات ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان دونوں آیات میں قرآن کے نزول کے بعد آنے والوں میں سے دو طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ایک وہ جن کا مقصد و محور یہ قرآن تھا یوں وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے جنہیں رسول نبی کہا گیا اور ان کے برعکس دوسرے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کا مقصد و محور اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کو اس قرآن سے روکنا اور اس قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھا جنہیں مجرمین کہا گیا یعنی ان لوگوں نے اگر اس لائن کا انتخاب کیا تھا کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کریں تو ان کا کام تھا کہ وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیں اس قرآن کی آیات کو ہی اپنے اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق لوگوں پر کھول کھول کر واضح کریں جو کہ انہوں نے نہ کیا اور اس کے برعکس کیا تو یہ ان کا جرم ہے یوں ایسے تمام کے تمام اللہ کے مجرم ہیں۔

اب ایک طرف النبیّن رسول ہیں اور دوسری طرف نبیّن شیاطین مجرمین اللہ کے مجرم، ظاہر ہے جب کوئی صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دے گا تو مجرمین اس بات کو ایسے بشر کو برداشت کریں گے؟ کیونکہ مجرمین کا مقصد ہی جب اس کے بالکل خلاف ہے لوگوں کو قرآن سے روکنا ہے تو جب کوئی ان کے اس مقصد میں رکاوٹ بنے گا تو یہ شیاطین مجرمین اس کے دشمن بن جائیں گے اور مجرمین دشمنی میں کسی بھی حد تک جانے سے بھی گریز نہیں کرتے یہی امت بنی اسرائیل اور گزشتہ ہر امت ہر قوم میں ہوا اور یہی موجودہ امت میں بھی ہوتا رہا۔

اب آپ کو اس روایت کی بالکل کھل کر سمجھ آچکی ہوگی۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلھم یزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی ...... سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ۔۔۔۔عنقریب ہی ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذاب تمام کے تمام کا یہ گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں میں خاتم النبیّن ہوں نہیں میرے بعد نبی۔

ان روایات میں آپ پر ایک اور بات واضح ہو چکی ہوگی کہ روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ ہیں **سیکون فی امتی ثلاثون کذابون** بہت جلد ہی عنقریب ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذابون یعنی محمد علیہ السلام اس سے قبل یہ بات واضح کر چکے تھے جو کہ روایات میں بھی موجود ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے کہ اس امت کی عمر پندرہ سو سال ہے اور اس امت کے شروع میں ہی محمد علیہ السلام کے بعد جلد ہی ان تیس کذابون نے ظاہر ہونا تھا اور پھر محمد کی امت سے ہی ہونا تھا ایسا نہیں کہ وہ الگ امت کے دعویدار ہوں گے یا وہ اپنی زبان سے کہیں گے کہ وہ رسول نبی ہیں بلکہ یہ ان کا گمان ہوگا بظاہر وہ اپنی زبان سے کبھی بھی رسول نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کریں گے بلکہ ان کی پہچان یہ ہوگی کہ ان کا عمل ان کی حقیقت کو واضح کرے گا اور عمل ان کا یہ ہوگا کہ وہ وہی کام کریں گے جو کام صرف اور صرف رسول ہی کرتا ہے یعنی وہ دین کو بدل دیں گے اور رسول تو محمد علیہ السلام تھے جن کو یہ حق تھا کہ وہ دین کو بدلیں یعنی ان کی بعثت سے قبل جسے دین سمجھ کر اس پر چلا جا رہا تھا اسے دین حق سے بدل دیں اس لیے محمد رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد کوئی نبی نہیں جب تک کہ اگلا رسول اور خاتم النبیّن یعنی عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن نہیں آجاتا۔

اب کون نہیں جانتا کہ وہ تیس کذابون دجالون کون ہیں جنھوں نے دین کو بدل ڈالا جنھوں نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں پر پیش کیا تا کہ لوگ قرآن کو ترک کر کے جوانھوں نے گھڑا اس کو ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف ہجرت کر لیں۔

پھر باقی روایات جن کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی حقیقت بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور روایت آپ کو نظر آ رہی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لو كان نبی بعدی لكان عمر بن الخطاب. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا یعنی نبی تھا عمر بن الخطاب۔

اس روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ دیکھیں محمد علیہ السلام نے خود کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتا۔ اس روایت کی حقیقت جاننے کے لیے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں ہونی چاہیے کہ اس روایت میں محمد علیہ السلام نے رسول نبی نہیں بلکہ نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نبی ہوتا ہے اس کا ذکر کیا کہ میرے فوری بعد نبی نہیں ہے اگر میرے فوری بعد نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا محمد علیہ السلام نے ایسا اس لیے کہا کیوں کہ محمد علیہ السلام خود اس کی وضاحت بھی کر چکے تھے کہ امت بنی اسرائیل میں ایسا ہوتا رہا کہ موسیٰ کی وفات ہوئی موسیٰ کے بعد نبوت میں تعطل نہیں آیا بلکہ نبوت کا تسلسل برقرار رہا موسیٰ کے فوراً بعد نبی موجود تھا اور بلا تعطل نبوت کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ بنی اسرائیل سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلے گئے تھے درمیان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت میں تعطل نہیں آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب موسیٰ کی وفات ہوئی تھی تو اس وقت بنی اسرائیل کی ایسی حالت تھی کہ ان کے لیے ان میں نبی کی موجودگی ناگزیر تھی جو موسیٰ کے بعد ان پر اللہ کی آیات کی تلاوہ کرتا ان کا تزکیہ کرتا انہیں الکتاب کا علم سکھاتا اور حکمہ یوں انہیں زمین میں مکن دیا جاتا جس مقصد کے لیے وہ امت وجود میں لائی گئی وہ مقصد ان سے پورا کروایا جاتا لیکن محمد علیہ السلام کی جب موت ہوئی تب نبی کی ضرورت تھی ہی نہیں اللہ نے محمد علیہ السلام کے ذریعے ہی نہ صرف اس امت کو وجود میں لایا بلکہ اس امت کو زمین میں مکن بھی دے دیا گیا اس لیے محمد کے فوراً بعد نبی کی ضرورت نہیں تھی اور بعد میں جب ضرورت پیش آتی تب تب محمد کے فلٹر سے نکل کر النبیّن کو آنا تھا جو کہ تسلسل کیساتھ نہیں بلکہ وقفے وقفے سے تعطل کیساتھ۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں نسل در نسل نبوت ابراہیم کی ذریت میں چلتی رہی لیکن محمد کی ذریت میں کوئی بالغ لڑکا نہیں تھا جس وجہ سے نبوت کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا تھا اور محمد کی ذریت میں بالغ با اختیار لڑکے کا نہ ہونا اس لیے بھی ضروری نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ابراہیم کی ذریت میں سے آگے الساعت کے قیام تک نبوت کے لیے آل عمران کا انتخاب کیا تھا یعنی اس امت کے آخر میں اس امت میں جس عیسیٰ نے آنا تھا وہ آل عمران سے ہوگا۔

اسی کا ذکر محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ آپ کو اس وقت روایت نظر آ رہی ہے

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اور اس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہو چکی، منقطع ہو چکی، بند ہو چکی، ختم ہو چکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔

اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آپ جان کر چونک جائیں گے اس روایت میں استعمال ہونے والا لفظ قطع قرآن میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے آپ قرآن کی ان تمام آیات میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اس کے علاوہ کسی بھی عربی جاننے والے سے آپ سوال کریں کہ لفظ قطع کے معنی کیا ہیں وہ بھی آپ پر واضح کر دے گا کہ لفظ قطع کے معنی ہیں کسی شیئے میں تسلسل کا نہ ہونا یعنی ٹکڑے ہونا۔ جب لفظ قطع کے معنی ٹکڑے ہونے کے ہیں تو پھر ان لوگوں سے سوال کیا جائے کہ ان شیاطین نے اس روایت کے تراجم و تفاسیر میں اتنا عظیم دھوکا کیوں دیا؟ انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ منسوخ، بند یا ختم کیسے کر دیا؟

اب آپ کے سامنے روایت اور اس کی حقیقت رکھتے ہیں پھر آپ خود فیصلہ کیجئے گا کہ ان شیاطین نے کس طرح آج تک انسانوں کو دھوکے میں رکھا۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت تحقیق شدہ بات ہے جو کہا جا رہا ہے بالکل ایسا ہی ہے اگر تحقیق کرو گے اپنے گھوڑے دوڑاؤ گے تو یہی بات سامنے آئے

گی کہ قطعت ہوچکی یعنی رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی پس نہیں رسول میرے فوراً بعد جس سے رسالت میں تسلسل ہو اور نہ ہی میرے فوراً بعد نبی ہے جس سے کہ نبوت میں تسلسل قائم رہے۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت اس میں کچھ شک نہیں یہ بات طے شدہ ہے تحقیق شدہ ہے کہ رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں ہے ٹکڑے ہوچکی، لفظ انقطعت کو نیچے دی گئی لائینوں سے آسانی کیساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔

- -

اوپر پہلی لائن میں آپ کو تسلسل نظر آئے گا اس میں کوئی ٹکڑا نہیں ہے لیکن اس کے برعکس نیچے والی دوسری لائن میں آپ کو تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے نظر آ رہے ہیں، دونوں لائنیں ہیں لیکن اوپر والی میں تسلسل ہے اور نیچے والی لائن میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہیں اس طرح ٹکڑے ہونے کو انقطعت کہا جاتا ہے۔ محمد علیہ السلام نے یہ نہیں کہا تھا کہ رسالت و نبوت منسوخ ہوچکی، ختم ہوچکی یا بند ہوچکی بلکہ بذات خود محمد علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہوچکے اگر رسالت میں تسلسل ہوتا رسالت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے بعد محمد کا بیٹا رسول ہوتا لیکن رسول خاتم النبیّن نہیں اور اگر نبوت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے فوراً بعد عمر نبی ہوتا جس سے نبوت کا تسلسل برقرار رہتا اس لیے محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرے فوراً بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں۔ محمد رسول اللہ تھے ان کے فوری بعد ان کی اولاد سے ہی رسول ہوسکتا تھا یعنی پیدائشی نبی لیکن جب محمد کی ذریت میں لڑکا بالغ ہوا ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے رسالت میں تسلسل نہ رہا اور محمد کے بعد الساعت کے قریب موجودہ قوم کے آخرین میں اس امت کے آخرین میں عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن آئے گا اور نبی تو آئیں گے محمد کے فلٹر سے نکل کر لیکن محمد کے فوری بعد نہیں بلکہ بلا تسلسل بعد میں جا کر وقفے وقفے سے آئیں گے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ آ کر اگلا رسول و خاتم النبیّن احمد عیسیٰ نہیں آجاتا۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے کہا تھا **قال رسول الله ﷺ: لو كان نبی بعدی لكان عمر بن الخطاب. ترمذی** کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا نبی عمر بن الخطاب۔

جن روایات کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری رسول اور نبی ہیں یعنی ختم نبوت کے نام پر باطل اور بے بنیاد عقیدہ اخذ کرلیا گیا ان روایات کی حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ ان لوگوں نے شیاطین نے کس طرح آج تک لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کیے رکھا۔ آپ نے جان لیا کہ ان میں کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں جس میں وہ بات کی گئی ہو جو باتیں ان ملاؤں نے جو اللہ کے دشمن ہیں مجرمین ہیں شیاطین نبیوں نے لوگوں کے اذہان میں ڈالی ہوئی ہیں یہ لوگ آج تک محمد علیہ السلام پر بہتان عظیم باندھتے رہے جو محمد علیہ السلام نے کہا ہی نہیں اس کو محمد علیہ السلام سے منسوب کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے رہے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے رہے۔

ان کے علاوہ بھی ایسی روایات ہیں جو نبوت و رسالت کے حوالے سے ہیں جو ان کے دجل کو چاک کر کے رکھتی ہیں جنہیں یہ لوگ آج تک چھپاتے آئے تا کہ ان کا دجل چاک نہ ہو چونکہ حق کو ایسی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے ہم ان روایات کا سہارا نہیں لیں گے خواہ وہ ان کے کانوں اور سروں پر ہتھوڑے کی مانند اہمیت و حیثیت رکھتی ہیں کہ ان روایات کے سامنے آنے پر یہ لوگ منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہیں لیکن ہم ان شیاطین نبیوں کی طرح روایات کا سہارا نہیں لیں گے کیونکہ ہم ان کی روایات کے محتاج نہیں ہیں اور اگر ہم کہیں پر روایات کو سامنے لاتے ہیں تو صرف اور صرف اس لیے تا کہ یہ خود جان لیں کہ جن روایات کی بنیاد پر یہ لوگ اچھلتے ہیں وہی روایات ان کی حقیقت چاک کرتی ہیں انہیں ننگا کر کے رکھ دیتی ہیں۔

جو بھی آیات اور روایات ان کے ختم نبوت والے عقیدے کی بنیاد تھیں اور دلائل تھے ہم نے ان کی حقیقت ہر لحاظ سے ہر پہلو سے آپ پر واضح کر دی اب جبکہ ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہی کالعدم ثابت ہوچکی جس کا وجود ہی مٹا دیا گیا جڑ سے اکھاڑ دی گئی تو ان کے اس عقیدے کی موت ہوچکی۔

ختم نبوت کے نام پر دیا جانے والا دجل عظیم چاک کر کے رکھ دیا گیا، حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی اور آج ابھی آپ کے پاس وقت ہے کہ حق کھل کر واضح ہو جانے پر حق کو تسلیم کر لیں ورنہ ہر کوئی جان لے کہ حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے آج اگر حق سامنے آیا ہے تو اس لیئے نہیں کہ تم لوگ نہیں مانو گے تو حق خاموش ہو جائے گا نہیں بلکہ ہر ایک کو ماننا پڑے گا لیکن فرق یہ ہوگا کہ اکثریت اپنے آباؤ اجداد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور آل فرعون کی مثل مانے گی لیکن وہ ماننا کوئی نفع نہیں دے گا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی دجل کی حقیقت اور نبیوں کی کثیر تعداد جہنم میں جائے گی

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ. الحج ۵۲

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل مِنۡ رَّسُوۡلٍ رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول وَّلَا نَبِیٍّ اور نہ ہی جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی اِلَّاۤ مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے اور جتنے بھی نبی بھیجے اِذَا تَمَنّٰۤی ہر رسول اور ہر نبی نے جب بھی تمنا کی۔

تَمَنّٰۤی تمنا اور ھوا یعنی خواہش ان دونوں میں بہت ہی چھوٹا سا فرق ہے لیکن بظاہر چھوٹا سا فرق اصل میں بہت بڑا فرق ہے جب بھی ان دونوں میں سے کوئی بھی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو دونوں کا ترجمہ و معنی ایک ہی کر دیا جاتا ہے خواہش لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں ہے خواہش لفظ ھوا کا معنی تو ہے لیکن تمنا کا نہیں۔

لفظ تمنا کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ اپنے مالک کے بہت ہی وفادار ہیں یا آپ مالک کی وفاداری کا عہد کرتے ہیں مالک آپ کو ایک کام سونپتا ہے اور اس کام کو کرنے کا مکمل طریقہ بھی آپ کو بتا دیتا ہے اب ہوتا یوں ہے کہ جب آپ مالک کا کام کر رہے ہوتے ہیں تو حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ کو لگتا ہے کہ مالک کے بتائے ہوئے طریقے سے کام نہ صرف بہت زیادہ وقت میں مکمل ہوگا بلکہ فائدہ بھی اتنا نہیں ہوگا جتنا کہ اس کے برعکس اپنی مرضی کرتے ہوئے کیا جائے تو ہو سکتا ہے یعنی آس پاس کے حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ سوچتے ہیں کہ مالک کو تو کام سے غرض ہے مالک کو تو یہ کام چاہیے اور اگر اس کام کے لیے مالک کے طریقے کی بجائے شارٹ کٹ استعمال کیا جائے یعنی ایسے کام کیا جائے کہ نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اسے عربی میں تمنا کہا جاتا ہے یعنی تمنا کہتے ہیں مقصد و مشن تو آپ کا نہیں بلکہ آپ جس کی وفاداری کا حلف اٹھائے ہوئے ہیں مقصد و مشن اسی کا ہے کام اسی کا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے طریقے کی بجائے خود سے کسی اور ایسے طریقے سے کام انجام دینے کے بارے میں سوچنا کہ جو نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو یعنی مالک کے بتائے ہوئے طریقے، مالک کی راہنمائی کے برعکس اپنی طرف سے زیادہ بہتر کے بارے میں سوچنا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول اور نہ ہی نبیوں میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسولوں کو بھیجا ان میں سے ہر رسول نے اور جتنے بھی نبی بھیجے ان میں سے ہر نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اس کو جو مقصد و مشن دیا گیا جو ذمہ داری دی گئی تو حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے اس نے اسے پورا کرنے کے لیے ایسے طریقے کے بارے میں سوچا جو ہمارا وضع کردہ نہیں تھا جو طریقہ ہمارا نہیں جب بھی اس نے اس مقصد اور ذمہ داری کو ہمارے قانون سے ہٹ کر اپنے طریقے سے جلد اور زیادہ بہتر کرنے کے لالچ میں سوچا تو تب اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ القا کر دیا یعنی ڈال دیا ملاوٹ کر دی جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے اس کی اس ذمہ داری میں یعنی جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القا کر دیا اس کی امنیت میں جو ذمہ داری اسے دی گئی اسے پورا کرنے کے لیے جب بھی اس نے ہمارے قانون کے برعکس سوچا تب۔

کوئی بھی رسول یا کوئی بھی نبی تمنا کیسے کرسکتا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے پہلے رسول و نبی کی ذمہ داری کو جان لیں اور اللہ نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا جو قانون بنایا ہے جب اسے جان لیا جائے گا تب خودبخود یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ہر رسول اور ہر نبی نے تمنا کیسے کی اور پھر کیسے اور کیا شیطان نے القا کردیا۔
رسول یا نبی یعنی رسول نبی یا پھر نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن ہیں ہر ایک کی ذمہ داری انسانیت کی راہنمائی کرنا ہے انہیں بتا دینا ہے یعنی انسان کو اس وقت جب وہ دنیا میں موجود ہے دنیا میں لائے جانے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے، جو وہ بھول چکے ہیں وہ سب ان پر کھول کھول کر واضح کرنا ہوتا ہے تا کہ انسان حق واضح ہونے پر اس کی اطاعت واتباع کے ذریعے دنیا وآخرت میں ہلاکت سے بچ جائیں، اللہ سے بچ جائیں۔
اس مقصد یعنی اس ذمہ داری کو کیسے پورا کیا جائے گا اس کے لیے بھی اللہ کا قانون ہے اور وہ قانون کیا ہے اسے آپ آسمانوں وزمین کی کسی بھی شیئے میں غور وفکر کر کے جان سکتے ہیں آپ زمین اور اس کے گرد گیسوں کی تہوں میں کسی بھی شیئے میں غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجائے گی کہ اللہ کا کوئی بھی کام چھومنتر کر کے اچانک سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا ہر کام علم وحکمت سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے ہر کام کے پیچھے نہ صرف مکمل علم ہوتا ہے بلکہ اس علم کو اپنے اپنے وقت پر استعمال کیا جاتا ہے نہ ہی رائی برابر کچھ پہلے کیا جاتا ہے اور نہ ہی بعد میں بلکہ ہر شیئے کو اس کے اپنے مقام پر ہی رکھا جاتا جس کے لیے انتہائی صبر کی ضرورت ہوتی ہے یوں اللہ کا ہر کام ایک لمبی مدت میں کئی مراحل طے کرنے کے بعد مکمل ہوتا ہے۔
مثلاً آپ ایک درخت ہی کی مثال لے لیجئے کہ درخت ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آتا بلکہ وہ ایک لمبی مدت اور پوری ترتیب کیساتھ کئی مراحل طے کرنے کے بعد وجود میں آتا ہے، سب سے پہلے بیج زمین میں جاتا ہے پھر وہ پھٹتا ہے اس میں سے ننھا سا پودا نکلتا ہے وہ پودا مرحلہ بہ مرحلہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت آتا ہے جب درخت بن جاتا ہے اسی طرح آپ اپنی ہی ذات میں غور کرلیں کہ آپ ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ایک مرد اور عورت جو کہ آپ کے والدین ہیں ان کے ملاپ سے پھر ماں کے پیٹ میں کئی مراحل طے کیے اس کے بعد آپ کا جنم ہوا پھر آپ مرحلہ بہ مرحلہ ایک لمبی مدت جو کہ سالوں پر محیط ہے اس کے بعد آج اس مقام پر پہنچے جہاں آج آپ ہیں، اس طرح آپ آسمانوں وزمین میں جہاں بھی جس میں بھی غور کریں گے تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ اللہ اگر کوئی کام کرتا ہے تو وہ کام چھومنتر کر کے یا پھر انتہائی تیز رفتاری سے نہیں کیا جاتا بلکہ ایک لمبی مدت میں انجام دیا جاتا ہے جس کے لیے سب سے پہلی شرط صبر کا ہونا لازم ہے اور دوسری بات آپ جب غور وفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ جیسے آپ نے کوئی کام کرنا ہے مثلاً آپ نے پلاؤ بنانا ہے تو اس کے لیے نہ صرف علم درکار ہے کہ پلاؤ بنانے کے لیے کیا کیا درکار ہے بلکہ اس علم کا کیسے استعمال کیا جائے کہ بہترین مطلوبہ پلاؤ بن جائے اور وہ اسی صورت ممکن ہے جب ہر شیئے کو اس کے مقام پر رکھا جائے گا اور ہر شیئے کے صحیح استعمال کے لیے اس کے صحیح وقت کا انتظار کرنا پڑے گا اس کے صحیح وقت کے انتظار میں اگر کوئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کسی تکلیف یا آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے برداشت کیا جائے گا یعنی صبر کرنا پڑے گا، مطلب یہ کہ کب آگ جلانی ہے کتنی جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کتنا گرم کرنا ہے کب اور کتنا گھی ڈالنا ہے اور کتنا گرم کرنا ہے بتدریج اسی طرح کب کب کتنی کتنی اشیاء ڈالنی ہیں اور کتنی کتنی پکانی ہیں یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہوجاتا۔
اسے کہتے ہیں حکیم ہونا اور اللہ نہ صرف العلیم ہے یعنی اللہ کو علم ہے کہ کوئی بھی کام کرنے کے لیے کیا علم درکار ہے بلکہ اللہ الحکیم ہی نہیں العزیز الحکیم ہے یعنی اللہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو وہ انتہائی باریکیوں کیساتھ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر ہی رکھتا ہے اللہ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کے لیے صبر کرتا ہے جب تک کہ اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آجاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہوجائے اللہ صبر کرتا ہے بالکل اسی طرح جب کوئی بشر اس ذمہ داری کے لیے کھڑا ہوتا ہے یعنی رسالت ونبوت کا دعویدار ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انسانوں کی اسی طرح راہنمائی کرے جیسے اللہ کا قانون ہے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف اس کے پاس علم ہونا چاہیے بلکہ اس علم کا انتہائی باریکیوں کیساتھ صحیح استعمال بھی لازم ہے جس کے لیے صبر لازم ہوگا۔
اب جب کوئی بھی رسول آتا ہے یا کوئی بھی نبی تو اس کی زندگی میں ایسا وقت ضرور اور بار بار آتا ہے کہ جب وہ سمجھتا ہے کہ اصل مقصد تو اس پیغام کو پہنچانا ہے تو اس کے لیے اگر اُس طرح کام کیا جائے گا جیسے کیا جارہا ہے تو ایسے نہ صرف ایک لمبی مدت درکار ہے بلکہ نتیجہ بھی وہ سامنے آتا دکھائی نہیں دیتا جو اِس یعنی کسی اور طریقے سے کرنے سے آسکتا ہے یعنی وہ سوچتا ہے کہ کیوں نہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے شارٹ کٹ کا استعمال کیا جائے جس سے نہ صرف انتہائی کم

وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دعوت پہنچ جائے گی بلکہ نتیجہ بھی بہتر سامنے آئے گا۔ اس کے علاوہ بھی اسے جب سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سختیوں سے آزمائشوں سے بچا بھی جاسکتا ہے اگر اس کے لیے اپنی کوئی سوچ و بچار کی جائے، لوگ ملامتیں کرتے ہیں تو ان ملامتوں سے بچا بھی جاسکتا ہے مثلاً ایک بات جس کا ابھی وقت نہیں ہے لوگ اس بارے میں سوال اٹھاتے ہیں اگر ان کے سوال کا فوراً جواب دیا جائے تو لوگوں کی ملامتوں سے بچ جائیں گے لیکن اللہ کی طرف سے اس سوال کے جواب کا ابھی وقت نہیں ہے اور جب تک اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آجاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہوجائے صبر کیساتھ انتظار کرنا پڑے گا جب ایسا کیا جاتا ہے تو لوگ نہ صرف جواب نہ ملنے پر ملامتیں کرتے ہیں بلکہ طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں شدت کا اظہار کرتے ہیں اب ان سب سے بچا جاسکتا ہے اگر تمنا کی جائے یعنی اللہ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنا کوئی طریقہ سوچا جائے لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے ان کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہیں۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے جس پر اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس پر کسی دوسرے کو مکمل اختیار ہوتا ہے، رسول یا نبی وہی ہوسکتا ہے جو خالص اللہ کا غلام ہوا سے خود بھی یہ علم نہ ہو کہ اگلے لمحے اس نے کیا کرنا ہے کیونکہ وہ تو محض ایک آلہ ہے جسے اللہ استعمال کر رہا ہے اللہ چلا رہا ہے اس لیے رسول یا نبی کو ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ رسول یا نبی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسول یا نبی صرف اور صرف وہی ہوسکتا ہے جو خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کردے جیسے ڈرائیور جس طرح چاہے گاڑی کو چلائے گاڑی کو خود پر کوئی اختیار حاصل نہیں بالکل اسی طرح رسول یا نبی کا ڈرائیور تو اللہ ہوتا ہے اس لیے رسول یا نبی وہی ہوسکتا ہے جو چاہ کر بھی اپنی مرضی کا استعمال نہ کرے اور اگر کہیں بھی وہ اپنی مرضی کی کوشش کرتا ہے تو پھر لا محالہ جو اس کے دماغ میں بات آئی یا جس پر وہ عمل کرتا ہے وہ اللہ کا قول و عمل نہیں بلکہ غیر اللہ کا ہوگا۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے لیکن بشر ہونے کے ناطے اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ایک روبوٹ بنے یا پھر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرے، اگر وہ چاہے تو خود کو مکمل طور پر اللہ کے آگے جھکا دے مکمل طور پر اللہ کا غلام بن جائے ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہ کرے یا پھر وہ اللہ کی غلامی کیساتھ ساتھ اپنی من مانیاں بھی کرتا پھرے اور اگر کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے عمل سے انسانیت کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھالیتا ہے تو پھر ایسا قطعاً نہیں کہ اللہ اسے آزمائے نہ بلکہ اللہ اسے فتنے میں ڈالے گا تاکہ اس پر اور ہر کسی پر یہ واضح ہوجائے کہ یہ اللہ کا بعث کردہ نہیں بلکہ اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ یہ اس ذمہ داری کو اٹھائے یوں اس نے جرم کیا اور ایسے تمام مجرمین کی چھانٹی کے لیے اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ ہر رسول اور ہر نبی کو فتنے میں ڈالا جائے گا تاکہ اگر تو وہ واقعتاً رسول یا نبی ہے تو وہ اس فتنے کا شکار نہیں ہوگا بلکہ صبر کیساتھ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرے گا اور اگر وہ اللہ کا رسول یا نبی نہیں تو وہ صبر کرنے کی بجائے حالات و واقعات کا شکار ہو کر فتنے میں پڑ کر مجرم ثابت ہوجائے گا۔

یہی اللہ نے اس آیت میں کہا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے گئے ان میں سے ہر رسول اور نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو القا کر دیا جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے۔

شیطان جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''شئی اور طان'' شئی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں سے ہر ایک شئی ہے اور طان کہتے ہیں کسی کو اس کے اصل مقصد سے روک دینا۔ اور روکا نہ صرف طاقت و قوت سے بھی جاتا ہے بلکہ پیار سے، کسی کی کمزوری بنتے ہوئے یا کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، پیار سے یا اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی اس کے مقصد سے توجہ ہٹا کر اس کے مقصد سے اسے غافل کر کے بھی روکا جاسکتا ہے ایسے ہی کسی کو اپنے پیچھے لگا کر بھی اس کے اصل مقصد و مشن سے روکا جاسکتا ہے تو کوئی بھی شئے جو اصل مقصد و مشن میں رکاوٹ بنے خواہ کسی بھی طرح رکاوٹ بنے وہ شیطان کہلائے گا۔

یعنی شیطان کے معنی ہیں ہر وہ شئے جو اللہ کی طرف جانے سے روک دیتی ہے اور روکا کیسے جاتا ہے اسے سمجھنا کوئی مشکل نہیں کوئی اپنی طرف متوجہ کر کے کسی کو اس کی منزل مقصد سے روک دیتا ہے تو کوئی لالچ دے کر، کوئی سختی سے روکتا ہے تو کوئی آپ کا معاونت کار بن کر سامنے آتا ہے جو بظاہر تو آپ کے مقصد و مشن میں معاونت کار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ منزل و مقصد سے روک رہا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف لے جا رہا ہوتا ہے۔

اللہ نے کہا کہ شیطان ہے جو القا کر رہا ہے اور شیطان وہ سب کا سب ہے جو کچھ بھی ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے حیات الدنیا۔ شیطان کا القا کرنا کیا ہے اسے بھی سمجھ لیں تاکہ یہ آیت مزید کھل کر واضح ہوجائے۔

مثلاً آپ کے سامنے ایک ایسی شئے آجاتی ہے جو آپ کی خواہش بن جاتی ہے یعنی آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کو حاصل ہو جائے جیسے کہ آپ نے ایک گاڑی دیکھی تو آپ میں اس کے حصول کی چاہت پیدا ہوگئی وہ آپ کی خواہش بن گئی، اب اس کے حصول کے لیے آپ کے دماغ میں طرح طرح کی منصوبہ بندیاں آنا شروع ہو جائیں گی سوچیں آنا شروع ہو جائیں گی کہ اسے فلاں طریقے سے حاصل کیا جاسکتا ہے یہ جو خیالات اس شئے کے حصول کے لیے دل ودماغ میں آرہے ہیں منصوبہ بندیاں آرہی ہیں انہیں عربی میں القاہونا کہا جاتا ہے جو کہ وہ شئے آپ میں القا کر رہی ہے یعنی آپ کے دل ودماغ میں وہ سب باتیں ڈال رہی ہے جو اسے دیکھنے کے بعد خواہش بن جانے پر آپ کے دل ودماغ میں آرہی ہیں۔

رسول یا نبی کو یہ حق حاصل ہے ہی نہیں کہ وہ کہیں بھی ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرے اور ظاہر ہے اگر کوئی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچتا ہے یا کرتا ہے تو دو ہی صورتوں میں ایسا کرے گا یا کرنے کے بارے میں سوچے گا ان میں پہلی صورت یہ ہوگی کہ جہاں کام بہتر طریقے سے ہوتا نظر آرہا ہوتا ہے کہ اگر مالک کی غلامی کی بجائے اپنی مرضی سے اس کام کو کیا جائے تو زیادہ بہتر اور جلد ہوگا یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں اپنی مرضی کی جاتی ہے جہاں حالات ایسے بن جائیں کہ صبر کرنا پڑے یعنی سخت سے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑے اور ان سختیوں کے ڈر یا ان کے دباؤ کی وجہ سے ملامتوں کے ڈر یا خوف کی وجہ سے اپنی مرضی کر کے ان سے بچا جاسکتا ہے۔

اب ظاہر ہے یہ دونوں طرح کے حالات جو کچھ بھی کھلم کھلا ہر طرف نظر آرہا ہے اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی شیطان ہے۔ اس لیے جب بھی ہر رسول اور ہر نبی پر ایسے حالات آئے ایسا وقت آیا اور اس نے تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو شیطان نے القا کر دیا۔ مثلاً جہاں جن میں رسول یا نبی کی بعثت ہوئی وہاں ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ اگر وہ اس دعوت کو تسلیم کر لے تو نہ صرف سختیوں کا دروازہ بند ہو جائے گا بلکہ اکثریت آسانی سے اس دعوت کو تسلیم کر لے گی آسانی سے یہ دعوت لوگوں تک پہنچ سکے گی کیونکہ وہ شخص مال و دولت، اثر ورسوخ یا کوئی اعلیٰ عہدہ ومرتبہ رکھتا ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا پھر اس کی عزت کرتے ہیں تو رسول یا نبی دیکھتا ہے کہ اگر یہ شخص دعوت کو تسلیم کر لے تو بہت آسانی اور بہتری ہو جائے گی جس کے لیے رسول یا نبی اس پر محنت کرنے کے بارے میں سوچتا ہے حالانکہ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ الغنی ہے اللہ اپنا کام خود کرتا ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ شخص خواہ وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو اللہ سے کسی بھی لحاظ سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی ایسا شخص، کوئی ادارہ، کوئی ریاست وغیرہ کچھ اپنی شرائط سامنے رکھتے ہوئے تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ اگر ان کی شرائط کو مان لیا جائے تو وہ ہر لحاظ سے مدد کریں گے آپ کے مقصد ومشن میں تو ظاہر ہے دل ودماغ میں اس کو لیکر بہت کچھ آئے گا کہ اس سے بہتر اور آسانی سے پیغام پہنچایا جاسکتا ہے یہ ہے شیطان کا القا کرنا کیونکہ بظاہر تو ایسا بہت فائدہ مند نظر آرہا ہوتا ہے بہت اچھا نظر آرہا ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے حقیقت یہ ہوتی ہے کہ کیا اللہ کو نہیں علم تھا کہ اس طرح بھی اپنا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے؟ جب اللہ کو علم تھا تو اس کے باوجود اگر اللہ نے اپنے رسول یا نبی کے لیے کسی ایسے کا انتخاب کیا جو بظاہر بہت کمزور اور غیر معروف ہے تو اس میں اللہ کی حکمت ہے اور اگر اللہ کی حکمت کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی حکمت عملیوں کے بارے میں سوچا جائے گا شارٹ کٹ کے بارے میں سوچا جائے گا تو یہ یقینی بات ہے کہ ایسا کرنا آپ کو آپ کے مقصد ومشن کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جائے گا آپ رستے سے ہٹ کر کہیں اور ہی چلے جائیں گے۔

اب جب ہر رسول اور ہر نبی کی زندگی میں ایسے وقت کا آنا لازم ہے کیونکہ ہر رسول اور ہر نبی بالآخر بشر ہوتا ہے یعنی وہ کھاتا پیتا ہے رزق کا استعمال کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے جو رزق وہ استعمال کرے گا وہ رزق اس پر اثر انداز تو ہوگا ہی، اس کو وہ تمام تر حاجات، احساسات، جذبات وتقاضے لاحق ہوتے ہیں جو کسی بھی بشر کو لاحق ہیں اس لیے ایسے وقت کا آنا کوئی بڑی بات نہیں جب اللہ کا غلام بننے کے برعکس اپنی مرضی کرنے والے حالات بن جائیں لیکن بڑی بات تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کی جائے یعنی صبر کیا جائے ان حالات کا ڈٹ کر سامنا کیا جائے، ان سختیوں سے گھبرانے کی بجائے ڈٹ جایا جائے اگر ڈٹنا نہیں تو پھر کیا دنیا میں صرف تم ہی ایک بشر تھے؟ کیا اور بشر نہیں ہیں؟ جب لاکھوں، کروڑوں، اربوں بشر موجود ہیں اور اگر وہی کرنا ہے جو ہر بشر ایسے حالات میں کرتا ہے ڈٹنے کی بجائے سمجھوتہ کر لیتا ہے تو پھر تمہارا ہی انتخاب کس لیے؟ رسول اور نبی صرف وہی بشر ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن سکے نہ کہ وہ بھی دوسروں کی طرح حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سختیوں سے ڈر کر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرنا شروع کر دے، ڈٹنے کی

بجائے گھبرا جائے۔

جب ہر اس بشر پر ایسے حالات آتے ہیں جو رسالت و نبوت کا دعویدار ہوتا تو رسول اور نبی وہی ہو سکتا ہے جو ظلم نہ کرے یعنی کمی نہ کرے وہ اپنی مرضی کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرے وہ ایسے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے وہ گھبرائے نہیں وہ اپنی مرضی پر اللہ کی غلامی کو ترجیح دے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر آگے اللہ کہتا ہے فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ پس اللہ اسے ایسے مٹاتا رہتا ہے ایسے بھلاتا رہتا ہے اس کے دل و دماغ سے ایسے نکالتا رہتا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا جو کچھ بھی القا کر رہا ہے شیطان۔

جب حالات ایسے بن جاتے ہیں تو بشر کے اپنے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی بھی صورت ان حالات کی وجہ سے دل و دماغ میں آنے والے خیالات، تصورات اور باتوں کو روک سکے لیکن یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ ان کو عمل میں لاتا ہے یا نہیں یعنی عمل کا اختیار اس کے پاس ہے تو جو رسول اور نبی حالات کی وجہ سے دل و دماغ میں آنے والی باتوں، خیالات و تصورات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ان حالات سے بچنے کے لیے اپنی منصوبہ بندیوں کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرتے ہیں تو ایسے کے دل و دماغ سے اللہ ساتھ ساتھ ایسی ملاوٹوں کو مٹاتا رہتا ہے گویا کہ ان باتوں کا ان خیالات کا کوئی وجود ہی نہیں تھا ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ پھر اللہ فیصلہ کن کر رہا ہے اس کی آیات یعنی جو بھی علم اس رسول یا نبی کو دیا جا رہا ہوتا ہے اس میں سے خالص اللہ کا علم کون سا ہے اور شیطان کی طرف سے القا کیا ہوا کون سا اس کا ساتھ ساتھ فیصلہ کیا جا رہا ہوتا ہے مطلب یہ کہ اللہ نے یہاں اپنے رسول اور نبی کی پہچان واضح کر دی کہ اللہ کا رسول یا نبی وہ ہے جو کوئی بات کرتا ہے تو کل کو جب اس پر واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس میں سے فلاں بات ٹھیک نہیں تھی وہ شیطان کی طرف سے القا تھا حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے وہ باتیں دل و دماغ میں آئی تھیں جو کہ حق کی بجائے شیطان کی طرف سے القا تھا تو وہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر ان پر واضح کر دیتا ہے کہ دیکھو فلاں جو بات کی تھی وہ اصل میں ویسے نہیں ایسے تھی یعنی وہ اللہ کی آیات کو فیصلہ کن کرتا جاتا ہے کیونکہ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ ہے علیم حکیم یعنی اگر پہلے رسول یا نبی نے کوئی بات کی اور بعد میں اس کے برعکس بات کر رہا ہے تو ایسا اس لیے ہے کیونکہ جیسے پہلی کلاس کے بچے کو دوسری یا تیسری کلاس کا سبق نہیں دیا جا سکتا بالکل اسی طرح آج جو بات کی جا رہی ہے جو کہ حق ہے یہ اُس وقت نہیں کی جا سکتی تھی جو اس وقت کی گئی اور اُس وقت والی بات کو آج نہیں کیا جا سکتا اِس مقام پر وہ حق نہیں ہے یعنی آج جو بات آپ پر واضح کی جا رہی ہے اگر یہی بات اُس وقت آپ پر واضح کی جاتی تو آپ متنفر ہو جاتے حق سے دور ہو جاتے کیونکہ اس وقت آپ کے عقائد و نظریات آپ کے لیے حق کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بن جاتے جیسے پہلی کلاس کا بچہ دوسری کلاس میں جا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے پہلی کلاس والا سبق ہی پڑھایا جائے اگر پہلی کلاس والا سبق دوسری میں نہیں پڑھایا جا سکتا تو وہ غلط ہے بالکل اسی طرح رسول اور نبی کسی بھی موضوع پر پہلے ایک بات کرتا ہے لیکن بعد میں جا کر اس کے برعکس کوئی دوسری بات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلے اس نے اس موضوع پر بات کی تو وہ حکمت تھی اگر آج جو بات کی جا رہی ہے وہ اُس وقت کی جاتی تو کوئی بھی اُس وقت اسے تسلیم نہ کرتا مگر آج جب آپ اس مقام پر پہنچ چکے جہاں پر آ کر آپ اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آج آپ پر اصل بات واضح کر دی حق واضح کر دیا جو کہ آپ کے لیے تسلیم کرنا آسان ہو گیا۔

یہ ہوتا ہے اللہ کا رسول یا نبی اور جو لوگوں کی راہنمائی کا دعویدار ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں بلکہ کذاب شیطان ہوتا ہے اس کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ قدم قدم پر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرتا ہے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سمجھوتے کرتا ہے، ثابت قدمی کی بجائے آسانیوں کی طرف جاتا ہے، ڈگمگا جاتا ہے بلکہ وہ جو بھی بات کرتا ہے کل کو اگر اس پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح بھی کر دیا جاتا ہے کہ حق اس کے بالکل برعکس ہے تو وہ تہمتوں و ملامتوں کے خوف سے کہ اگر آج اس نے مان لیا کہ پہلے جو وہ کہہ رہا تھا وہ غلط ہے وہ باطل ہے حق وہ نہیں بلکہ آج جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اپنی انا کی خاطر تہمتوں و ملامتوں کے ڈر سے باطل پر ہی ڈٹا رہتا ہے اپنی غلط اور بے بنیاد بات کا دفاع کرنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ باطل پر ہے۔

یعنی اللہ کا رسول اور اللہ کا نبی صرف اور صرف وہ ہے جو نہ صرف علیم بلکہ حکیم بھی ہوتا ہے علم کا استعمال انتہائی حکمت کیساتھ کرتا ہے مثلاً تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو ہم نے خاتم النبیین یا ختم نبوت کے موضوع پر وہ بات نہیں کی تھی جو آج کی جو آج سامنے لائے ہیں، اُس وقت ہم نے وہی کہا جو باقی کہتے آ رہے تھے لیکن آج اس کے بالکل برعکس کہہ رہے ہیں تو ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے کہ اس وقت اصل مقصد ختم نبوت کا موضوع نہیں تھا اس وقت اصل مقصد علامات و اشراط الساعت کو کھول کھول کر رکھنا تھا لیکن اگر اُس وقت علامات و اشراط الساعت کی بجائے یا ان کے ساتھ ساتھ ختم نبوت پر بھی حق سامنے لے آیا جاتا تو شیاطین

کے ہاتھ میں ہمارے خلاف سازشوں کے لیے ہتھیار آ جاتا چونکہ اکثریت کی ختم نبوت کے نام پر ایسی ذہن سازی کی جا چکی ہے کہ کوئی بھی ہم پر اس فتوے کی وجہ سے ہماری بات نہ سنتا ہماری بات سننے ہماری دعوت کے قریب بھی نہ آتا۔

ہمیں ان کی سازشوں کا ڈر یا خوف نہیں تھا کیونکہ اگر ان کی سازشوں، تہمتوں وملامتوں کا خوف ہوتا تو ہم آج یہ بات کیوں کرتے جو اس وقت نہیں کی کیا آج ان کی تہمتوں، ملامتوں، سازشوں اور دشمنی کا دروازہ بند ہو گیا؟ نہیں بلکہ حکمہ یہ تھی کہ اگر اس وقت اس موضوع پر بات کی جاتی تو ان شیاطین کے ہاتھ لوگوں کو حق سے روکنے کے لیے ہتھیار آ جاتا جس کا استعمال کرتے ہوئے وہ لوگوں کو حق سے روک دیتے لوگوں کو کہتے کہ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں یوں لوگ ان کی اس سازش کا شکار ہو کر حق سے محروم رہ جاتے اب جب کہ اُس وقت اگر ہم اس موضوع پر بات کرتے جو کہ اُس وقت اس کی ضرورت ہی نہیں تھی اور لوگ متنفر ہوتے تو اصل میں قصور کس کا؟ شیاطین کا کام ہی لوگوں کو روکنا ہے لیکن اگر ہم نے حکمت کو اختیار نہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے اصل میں قصور تو ہمارا ہوتا اس لیے اُس وقت جو کتب تھا جو کرنا فرض تھا اُس وقت جو کرنے کا وقت تھا جو سامنے لانے کا وقت تھا اسے ہی سامنے لایا گیا اور ختم نبوت کے موضوع کو نہیں چھیڑا گیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُس وقت اگر ختم نبوت پر بات کی جاتی تو سازشوں کا شکار ہو کر متنفر ہو جاتے اور حق کو سننے یا دیکھنے کے قریب بھی نہ جاتے اور آج حق کو پہچان کر جس مقام پر ہیں اس مقام پر نہ ہوتے۔ آج انہیں نہ صرف باقی حق کا علم ہو گیا ان پر حق بالکل کھل کر واضح ہو گیا بلکہ ختم نبوت کی حقیقت بھی ان پر کھل کر واضح ہو چکی اور اب دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی سازشوں کا شکار نہیں کر سکتی۔

یہ وجہ ہوتی ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی جب پہلے کوئی بات کرے اور بعد میں جا کر اس کے برعکس بات کرتا ہے تو اس میں حکمہ ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا رسول یا نبی تو محض روبوٹ ہوتا ہے اصل میں تو اللہ اس کی صورت میں بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اور اللہ علیم حکیم ہے یعنی اللہ کو نہ صرف علم ہے بلکہ علم کا کب، کہاں، کتنا، کیوں اور کیسے استعمال کرنا ہے اللہ یہ بھی جانتا ہے۔ بشر رسول کو نہیں علم ہوتا کہ آج جو بات کی جا رہی ہے کل کو اس کے برعکس بات کی جائے گی اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اس کے لیے یہ امتحان ہوتا ہے کہ کل کو اس کے برعکس جب حق سامنے لایا جاتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے آیا وہ لوگوں کی تہمتوں وملامتوں سے ڈر جاتا ہے خوف کا یا کسی بھی قسم کے دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر وہ صرف اور صرف وہی کرتا ہے جو اللہ اسے کہہ رہا ہے یعنی وہ مکمل طور پر اللہ ہی کی غلامی کرتا ہے۔

اور اس کے برعکس جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں ہوتا وہ نہ صرف اپنی مرضیاں کرتا ہے بلکہ وہ جو بات ایک بار کرتا ہے بعد میں خواہ ہر لحاظ سے اس پر حق واضح کر دیا جائے اور اسے واضح یہ علم ہو جائے کہ جو بات اس نے کی وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے تو وہ اسے تسلیم کرنے اور لوگوں پر پہلے کے برعکس حق واضح کرنے کی بجائے اپنی اسی باطل بات پر ڈٹ جاتا ہے الٹا اسے سچا ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتا ہے کیونکہ اسے لوگوں کی تہمتوں اور ملامتوں کا خوف ہوتا ہے کہ اگر آج جو کہہ رہے ہو یہ حق ہے تو پہلے اس کے برعکس بات کیوں کی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ نے ایسا قانون کیوں بنا دیا کہ جو بھی رسول یا نبی ہو گا اس کی طرف اللہ کی طرف سے وحی کیساتھ ساتھ شیطان بھی القا کرتا رہے؟ جب رسول یا نبی کی بعثت کا مقصد انسانوں کی راہنمائی ہے تو پھر رسول یا نبی کیساتھ ایسا کرنے کی ضرورت کیا ہے کہ اس کو ہر معاملے میں ہر لمحے ایسے حالات سے دوچار کیا جاتا رہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی اللہ نے اگلی ہی آیت میں دے دیا۔

لِّيَجۡعَلَ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ‌ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۙ‏. الحج ۵۳

لِّيَجۡعَلَ اس لیے ایسا کر دیا گیا مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ جو شیطان القا کر رہا ہے فِتۡنَةً فتنہ کر دیا یعنی امتحان بنا دیا لِّلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی جو خالص اللہ کے غلام نہیں بلکہ انہوں نے اگر اس ذمہ داری کا انتخاب کیا ہے تو اپنے کسی لالچ کی وجہ سے مال ودولت کا لالچ، عزت وشہرت سمیت کسی بھی قسم کے لالچ کی وجہ سے جنہوں نے اس ذمہ داری یعنی رسالت ونبوت کو اختیار کیا ہے لوگوں کی راہنمائی کے دعویدار بنتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے فتنہ جو رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی چاہتے ہیں کہ اس کی اطاعت واتباع نہ کریں جس کے لیے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں مرض ہوتا ہے اگر وہ رسول یا نبی کی اطاعت واتباع کریں گے تو ان کی خواہشات کا قتل ہو گا جو کہ وہ نہیں چاہتے اور یوں وہ رسول یا نبی کے اس معاملے کی وجہ سے اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل کا سامنے آجانا جس سے اصل کی پہچان ناممکن حد تک مشکل ہو جائے اور ان دونوں میں سے اصل کیا ہے وہ سوائے مالک کے کسی کو علم نہیں۔

اللہ نے ایسا قانون اس لیے بنا دیا تا کہ وہ لوگ جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے مگر وہ رسول یا نبی ہونے کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں ان کے لیے فتنہ یعنی امتحان بنا دیا جائے کہ حق کیساتھ ساتھ باطل جو شیطان کی طرف سے القا ہو رہا ہوتا ہے جب وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی لالچ وغرض سے انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں تو وہ اصل اور نقل کی پہچان نہیں کر پاتے اور پھر نقل اتنی دلکش اور پرکشش ہوتی ہے کہ لوگ نہ چاہ کر بھی اس کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اس لیے جو کذاب ہوتے ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے لیکن وہ خود کو اللہ کے بھیجے ہوئے سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں وہ اصل کی بجائے جو شیطان القا کر رہا ہوتا ہے اسی کو عمل میں لاتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ایسا ہو جاتا ہے کہ وَّالۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ اور ان کے قلوب اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ کوئی شئے ان کے قلوب پر اثر نہیں کرتی یعنی ان میں اللہ کا کوئی ڈر خوف نہیں رہتا وہ جو بھی ان کے دل و دماغ میں آتا ہے اسے ہی حق کا نام دے کر کرتے رہتے ہیں خواہ اس سے کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے خواہ پوری کی پوری دنیا ہی تباہ کیوں نہ ہو جائے انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ اور اس میں کچھ شک نہیں ظالمین یعنی ظلم کرنے والے، ظلم کہتے ہیں کمی کو، کمی کرنے والوں کے لیے ہے کہ وہ اللہ سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کی واپسی کے تمام کے تمام رستے ہیں بند ہو جاتے ہیں وہ واپسی کے تمام رستوں سے کٹ جاتے ہیں۔

حالانکہ اس کے باوجود وہ خود کو اللہ کے نبی سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے وہ مجرمین ہوتے ہیں اللہ کے شریک اللہ کے دشمن۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ قانون اس لیے بنا دیا ہے کہ رسول اور نبی چونکہ باقی لوگوں کی طرح بشر ہی ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو منافقین ہوتے ہیں جن کے قلوب میں مرض ہوتا ہے دنیاوی لالچ یا کسی بھی قسم کا لالچ ہوتا ہے جو خالص اللہ کے غلام نہیں ہوتے، اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کرنا چاہتے، جو حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو ترک نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور رسول یا نبی کی تکذیب کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ کوئی بہانہ مل جائے جسے بنیاد بنا کر وہ رسول یا نبی کو غلط کہہ سکیں اس کی تکذیب کر سکیں یوں انہیں اپنے باطل عقائد و نظریات کو ترک نہ کرنا پڑے، جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اسے اللہ کا بھیجا ہوا تسلیم نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ وہ اسے اللہ کا بھیجا ہوا ماننا نہیں چاہتے تو وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسی بات لگے جس سے وہ اس کا کفر کر سکیں جس سے وہ یہ کہہ سکیں کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے کیونکہ جی اللہ کا بھیجا ہوا ایسا نہیں کر سکتا یا ایسا نہیں کہہ سکتا وہ ایسی باتوں کی وجہ سے رسولوں اور نبیوں کی تکذیب کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے لیے یہ بات امتحان ہوتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے پہلے اس نے ایک بات کی تھی آج اس کے بالکل برعکس ایک دوسری بات کر رہا ہے، یہ فلاں کام کر رہا ہے تو کیوں کر رہا ہے کیا کوئی رسول ایسا کام کر سکتا ہے یعنی انہوں نے اپنے ذہن میں رسولوں اور نبیوں کے بارے میں جو دیومالائی خاکہ بنایا ہوا ہوتا ہے وہ اسی پر اسے پرکھتے ہیں وہ اسے ایک بشر تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے یوں بشری تقاضوں وغیرہ کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی رسول یا نبی کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے یہ رسول نہیں یہ نبی نہیں ہو سکتا یوں جن کے دلوں میں مرض ہوتا ہے وہ اس فتنے کا شکار ہو کر حق سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام کے تمام رستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ رسول یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے سے دشمنی بھی کرتے ہیں لیکن انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا وہ کچھ بھی کریں سوچیں انہیں کوئی احساس تک نہیں ہوتا وہ بالکل نڈر ہو کر اللہ کیساتھ دشمنی کرتے ہیں اور الٹا یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں جو بھی کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں کیونکہ ان کے ایسا کرنے سے ان کے دل پتھر سے بھی سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

جب ایک بار وہ اللہ کے رسول کے خلاف کوئی اقدام کرتے ہیں تو انہیں اللہ کی طرف سے فوری طور پر کسی بدلے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا یعنی یہ اللہ کا رسول ہوتا تو اللہ کبھی بھی رسول کے دشمنوں کو آزاد نہ چھوڑتا انہیں بدلہ دیئے بغیر نہ رہنے دیتا رسول کے ساتھ دشمنی نہ کرنے دیتا اور ہم نے جب اس کیساتھ ایسا کیا ہے اور اللہ نے ہم پر کوئی ایسا معاملہ نہیں کیا تو ظاہر ہے یہ رسول نہیں یہ تو کذاب ہے یوں وہ پھر دشمنی کرتے ہیں دوبارہ انہیں کچھ نہیں ہوتا تو وہ پھر کرتے ہیں یوں اس طرح اللہ ان کے دلوں کو اتنا سخت کر دیتا ہے ان کے دل اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر اللہ کے دشمن بن

چکے ہوتے ہیں اور وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ تو اللہ کے چہیتے ہیں وہ تو بہت ہی اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہوتی ہے کہ وہ فتنے کا شکار ہو کر حق سے اتنے دور جا چکے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام تر رستے ہی بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب صرف محمد نہیں کیونکہ اللہ العزیز الحکیم ہے اور قرآن بھی الحکیم ہے اگر ان آیات میں مخاطب محمد ہوتا تو پھر آیت میں لفظ محمد کا استعمال ہونا لازم تھا تاکہ کوئی بھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ یہاں اس سے یا پھر محمد کے علاوہ کسی سے خطاب کیا جا رہا ہے لیکن آپ کے سامنے ہے کہ اس میں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ ہے نہ کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِ محمد اگر قرآن میں یا اس آیت میں ''ک'' سے مراد محمد ہے تو پھر ایک ہی صورت میں یہاں ''ک'' سے مراد محمد ہو سکتا ہے جب پورے قرآن میں کہیں بھی محمد لفظ کا استعمال نہ کیا گیا ہو یعنی کہیں بھی محمد سے خطاب کے لیے اس کا نام استعمال نہ کیا گیا ہو کیونکہ اگر قرآن میں جہاں جہاں بھی ''ک'' کا استعمال کیا گیا وہاں خطاب محمد سے ہے تو پھر ظاہر ہے محمد لفظ کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اگر قرآن میں ''ک'' کے علاوہ لفظ ''محمد'' کا بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جہاں لفظ ''محمد'' کا استعمال کیا گیا وہاں صرف اور صرف خطاب محمد سے ہے وہاں مذکور صرف اور صرف محمد ہے کوئی دوسرا نہیں، کہیں کوئی وہاں محمد کے علاوہ کسی دوسرے کو یا خود کو مخاطب نہ سمجھ لے اس لیے وہاں محمد لفظ کا استعمال کر دیا گیا اور جہاں ''ک'' کا استعمال کیا گیا تو اس کا مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ اپنے رسول یا نبی سے خطاب کر رہا ہے۔ رسول اور نبی کے علاوہ کسی دوسرے کو علم ہو ہی نہیں سکتا کہ یہاں مخاطب کون ہے ہاں صرف اتنا علم واضح کر دیا گیا کہ ''ک'' سے مراد کوئی بھی رسول یا نبی ہے جسے اللہ کچھ نصیحت کر رہا ہے اس پر یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی کون ہوتا ہے اس لیے اگر تُو اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے تو کیا تُو ان شرائط پر پورا اترتا ہے یا پھر تُو اس ذمہ داری کا حق دار نہیں تھا اہل نہیں تھا بلکہ تیرے دل میں مرض ہے تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے غرض ولالچ کے لیے اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے اور اگر وہ واقعتاً اللہ کا رسول یا نبی ہے اور لوگ حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی دشمنی ہی کر رہے ہیں تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے اس پر واضح کر دیا گیا کہ یہ فتنہ ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے۔

یوں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں محمد کے علاوہ اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک آنے والے رسول اور نبیّن سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ محمد کے بعد جب جب جس وقت میں جو جو نبی رسول موجود تھا اس سے خطاب تھا اور رسول نبی جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے یعنی جب تک کہ اگلا رسول بعث نہیں کیا جاتا تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے وہ اس امت اس قوم کے شروع میں محمد رسول اللہ تھا اور اس کے بعد جب دوبارہ لوگوں نے ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے جانا تھا تو ایک ہی رسول پیچھے رہ گیا جس کو بعث کیا جانا تھا اور وہ ہے اللہ کا رسول عیسیٰ جو محمد کے بعد اس امت اس قوم کے آخرین میں بعث کیا جانا تھا ان آیات میں اس سے یعنی اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ سے خطاب کر رہا ہے۔

اور یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ یہ انہی شیاطین کا کام ہے جن کے قلوب میں مرض تھا اور ہے وہ کذاب جو انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے تھے اور بنے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں جو زبان سے تو خود کو علماء کہتے اور کہلواتے ہیں لیکن اپنے عمل سے نبوت کے دعویدار ہیں نبی بنے ہوئے ہیں۔

پھر اگر یہ بات مان لی جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ محمد پر بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں لانے کا مقصد کیا تھا؟ کیونکہ یہ آیات تو صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں کے لیے ہیں نہ کہ رسولوں یا نبیوں کے علاوہ کسی ایک بھی بشر کے لیے؟ جب کوئی رسول آنا تھا ہی نہیں کوئی نبی آنا تھا ہی نہیں تو پھر قرآن میں ان آیات کو کیوں لایا گیا؟ قرآن میں یہ آیات بے مقصد وفضول ہو جاتی ہیں، ان آیات میں تو بالکل واضح ہے کہ رسولوں اور نبیوں کی کثیر تعداد نہ صرف جہنم میں جائے گی بلکہ اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی اجل مسمی نہیں آجاتی۔

جب محمد کے بعد کسی رسول اور نبی نے آنا ہی نہیں تھا تو پھر کیا قرآن میں یہ آیات محمد کی کردار کشی کے لیے اتاری گئی تھیں؟ کیونکہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اور ان آیات میں محمد سے خطاب کیا جا رہا ہے تو پھر ظاہر ہے یہ آیات تو کھلم کھلا محمد کی کردار کشی کر رہی ہیں محمد کے کردار کو مشکوک بنا رہی ہیں۔

اور انہی آیات کی بنیاد پر روایات جنہیں احادیث کا نام دے کر قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے ان کی حقیقت بھی چاک ہو جاتی ہے کہ محمد سے اس قرآن کے علاوہ جو کچھ بھی ملا وہ بعد والوں کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے خود یہ بات واضح کر دی کہ کوئی ایک بھی رسول یا نبی ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ یہ نہ ہوتا رہا ہو اور نہ ہو کہ جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القانہ کیا ہو اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بھی رسول یا نبی تمنا نہ کرے کیونکہ ہر رسول اور نبی بشر تھا اور کوئی بھی بشر چاہ کر بھی تمنا سے پاک نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی ان آیات کے مطابق محمد نے بھی جب بھی تمنا کی تو شیطان نے القا کیا اور محمد نے اسے لوگوں کے سامنے بیان بھی کیا لیکن بعد میں جب اللہ نے اس پر واضح کر دیا کہ فلاں جو بات کی تھی وہ حق نہیں بلکہ حق اس کے برعکس یہ ہے تو محمد نے اللہ سے رجوع کیا اور ایسا نہیں پہلے محمد نے جو بات کی وہ محمد نے شیطان کی اطاعت واتباع کی جرم کیا نہیں بلکہ جیسے پیچھے بھی واضح کیا جا چکا کہ جیسے پہلی کلاس کا سبق دوسری کلاس میں یا اس کے بعد والی کلاسوں میں نہیں پڑھایا جا سکتا اور اس کا مطلب یہ نہیں بن جاتا کہ پہلی یا پچھلی کلاسوں میں جو پڑھایا جاتا رہا وہ غلط تھا بلکہ اگر اسے آج اس مقام پر رکھا جائے گا یعنی بعد والی کلاسوں میں اسے لایا جائے گا تو اس مقام پر وہ باطل ہے اپنے اصل مقام پر باطل نہیں بلکہ اپنے اصل مقام پر وہ حق ہے۔

بالکل اسی طرح پہلے محمد نے کوئی بات کی تو محمد اللہ کا غلام تھا اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ کو علم ہے کہ کب کہاں کس موقع پر کیا بات کرنی ہے اس لیے پہلے جو کہا وہ اُس وقت کے لیے تھا بعد کے لیے نہیں بعد میں جب اس بات کی اصل حقیقت سامنے لانے کا وقت آیا تب پہلے کے برعکس حق سامنے لایا گیا۔ اس لیے روایات جن کو احادیث کا نام دیا جاتا ہے آپ کو ان میں تضادات ملیں گے کہ ایک ہی بات ایک موقع پر کہی تو کسی اور موقع پر اس کے بالکل برعکس کوئی اور بات کی، اب دونوں ہی روایات ہیں جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے ایک محمد سے منسوب کی گئی ہے اور ایک محمد کے اپنے الفاظ ہیں حالانکہ دونوں ہی محمد کے الفاظ ہیں لیکن اپنے اپنے مقام پر وہ حق ہیں، ان کو ان کے مقام سے نہیں بدلا جا سکتا، اب کچھ روایات میں تو کچھ باتوں یا کچھ معاملات کے اس طرح کے تضادات سامنے آتے ہیں لیکن روایات کی کثیر تعداد میں صرف ایک ہی بات کو نقل کیا گیا اب یہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ شیطان کا القا تھا اور حکیم ہونے کے ناطے وقت کی ضرورت یا پھر یہی حق تھا؟ سوائے اللہ کے یعنی اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی روایات میں حق کی نشاندہی نہیں کر سکتا اس لیے یہ روایات کسی بھی صورت راہنمائی کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ قرآن کے علاوہ ان روایات سے راہنمائی لینے کی اجازت دیتا ہے۔

آپ نے سورت الحج کی ان آیات میں جان لیا کہ نہ تو نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کیا اور نہ ہی اللہ ان آیات کو قرآن میں لا کر محمد کی کردار کشی کر رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان آیات کی موجودگی میں محمد کو آخری رسول یا نبی ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ان آیات کو بیّن کرنے یعنی بالکل کھول کھول کر ہر پہلو سے واضح کرنے کے ایک سے زائد مقاصد تھے جن میں ایک تو یہ کہ یہ آیات بالکل دوٹوک واضح کر دیتی ہیں کہ اللہ نے رسالت ونبوت کا دروازہ بند کیا ہی نہیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ آج ایک عقیدہ ونظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے نبی کوئی بھی کچھ غلط کر ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ آیات تو دوٹوک الفاظ میں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ نبیوں کی ایک کثیر تعداد جہنم میں جائے گی نبیوں کی بھی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جو ظالمین ہیں جو مجرمین ہیں جو اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی بھی اجل نہیں آ جاتی۔

آپ نے خود جان لیا کہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے اب آپ خود غور کریں اور فیصلہ کریں جب محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول آنا ہی نہیں تھا اللہ نے دروازہ بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں کیوں لایا گیا؟ اگر اللہ نے نبوت ورسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا تو کسی بھی صورت ان آیات کو قرآن میں نہیں لایا جا سکتا تھا کیونکہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے نہ کہ انسانوں سے۔

یہ آیات مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہیں جو کہ ان آیات کے بیّن ہونے کی دیر تھی کہ مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا یوں اس پہلو سے بھی ان کے عقیدہ ختم نبوت نامی بت کو پاش پاش کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کا نہ تو رد کر سکتی ہے، اسے غلط ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی چاہ کر بھی حق کا کفر کر سکتا ہے ایک ایک حق کو تسلیم کرے گا لیکن اکثریت اپنے آباؤاجداد آل فرعون سمیت ہلاک شدہ اقوام کی مثل حق کو تسلیم

کرے گی جب تسلیم کرنا نہ صرف مجبوری بن جائے گا بلکہ وہ تسلیم کرنا کچھ نفع نہیں دے گا۔ اس لیے آج تمہارے پاس نہ صرف وقت ہے بلکہ موقع ہے کہ حسد، بغض، ضد، انا پرستی اور ہٹ دھرمی کو لات مارتے ہوئے حق کو تسلیم کرلیا جائے اور اپنے ملاّؤں کے پیچھے اندھوں کی طرح چلنے کی بجائے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کردیئے جانے پر حق کو تسلیم کرلیا جائے نہ کہ محض ضد، حسد، بغض یا کسی بھی قسم کی انا پرستی و دشمنی کی وجہ سے حق کا کفر کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سودا کیا جائے اور بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ رہے۔اور اگر کوئی حق اس قدر کھول کھول کر واضح کردیئے جانے کے باوجود بھی اندھے کا اندھا ہی رہتا ہے تو پھر جان لے کہ کل کو وہ چیخے گا، چلائے گا، حق کو تسلیم کرنے کی ضد کرے گا لیکن تب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوگا۔